محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید سیریز

روبوٹ کی لاش

اشتیاق احمد

گھریلو شکار

اشتیاق احمد

محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید کے کارنامے

☆ سرغابا کا فون سنسنی خیز تھا۔
☆ محمود، فاروق اور فرزانہ کو دوڑ لگانا پڑی۔
☆ کمرے کا منظر ہولناک تھا... قالین پر ایک لاش پڑی تھی۔
☆ لاش کس کی تھی... حیرت انگیز موڑ۔
☆ شزی سے ملیے... ایک پراسرار لڑکی۔
☆ شزی ایک جملہ انہیں کہاں سے کہاں لے گیا۔
☆ سرغابا کے بھائی کی مل کا منیجر انہیں پراسرار شخص کیوں لگا۔
☆ وہ ان کے لیے جانا پہچانا کیوں تھا۔
☆ انسپکٹر جمشید کو ایک لڑکی کا تعاقب کہاں لے گیا۔
☆ سرغابا کے دوست کے کمرے کے فرش پر خون کا ایک دھبہ موجود تھا۔
☆ اس دھبے نے کہانی کا رخ بالکل تبدیل کر دیا۔
☆ وہ کس کا خون تھا... ہر لمحے سسپنس میں اضافہ۔
☆ محمود، فاروق اور فرزانہ کے ساتھ خان رحمان اور پروفیسر داؤد کی بھی سٹی گم۔
☆ انسپکٹر جمشید ایک نئی کہانی سناتے نظر آئیں گے۔
☆ انہیں قاتل کی تلاش تھی... لیکن قاتل ان کی نظروں سے بالکل اوجھل تھا۔
☆ رضوان فرخندی سے ملاقات کے باوجود آپ اس سے ملاقات نہیں کر سکیں گے۔
☆ ایک خالص جاسوسی ناول... جو آپ کو خوب چکر دے گا۔
☆ آخر میں جب مجرم آپ کے سامنے آئے گا تو۔ ☆ نہ جانے آپ کا کیا حال ہوگا۔
☆ زبردست جوڑ توڑ والا ناول۔

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ!

عام طور پر لکھنے والے یہ جاننے کے خواہش مند ہوتے ہیں کہ ان کی لکھی ہوئی چیز پڑھنے والوں کو کیسی لگی... اور ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ وہ اپنے پڑھنے والوں کو یہ بتائیں کہ میں نے یہ فلاں چیز لکھی ہے... وہ خود میرے خیال میں کیسی ہے... اور ایسا اس وقت ہوتا ہے جب لکھنے والا مجبور ہو جائے... سو اس ناول کے بارے میں بھی یہی کہا جائے گا۔

اس ناول نے مجھے مجبور کر دیا ہے کہ میں آپ سے یہ کہوں کہ یہ ناول لکھتے ہوئے مجھے بہت مزہ آیا... اور جب میں اس کی پروف ریڈنگ کر رہا تھا تو اور زیادہ مزہ آیا اور میں آپ سے یہ بھی کہنا چاہوں گا کہ آپ کو بھی بہت زیادہ مزہ آئے گا اور آپ یہ لکھنے پر مجبور ہو جائیں گے کہ واقعی بہت دنوں بعد ایک بہت خاص ناول پڑھا ہے۔

ناول ہے بھی عام سائز سے ڈیڑھ گنا ... گویا ایک طرح سے یہ خاص نمبر کہلانے کا حق دار بن گیا ہے ... اس کا نام آپ کو عجیب لگا ہوگا ... یعنی روبوٹ کی لاش ... لیکن جب آپ ناول مکمل کر لیں گے تو یہ کہنے پر بھی مجبور ہوں گے کہ واقعی اس ناول کا یہی نام ہو سکتا تھا۔

ناول کی تیزی آپ کو بہت ہلکے پھلکے انداز میں اس طرح بہا لے جائے گی کہ آپ کو پتا تک نہیں چلے گا اور آپ خود کو سنبھال نہیں پائیں گے ... مطلب یہ کہ کہانی آپ کو مکمل طور پر جکڑ لے گی۔

کہنے کو یہ ایک خالص مہماتی یعنی ایکشن ناول ہے ... لیکن ... اس میں آپ کو جاسوسی پوائنٹس ساتھ ساتھ ملیں گے ... اور انجام کے اعتبار سے بھی ناول آپ کو چونکائے بغیر نہیں رہے گا ... اب تک آپ ناول پڑھنے کے لیے بہت ہی بے چین ہو چکے ہوں گے ... لہٰذا میں آپ کے اور ناول کے درمیان مزید رکاوٹ نہیں ڈال سکتا ... شکریہ۔

خطرہ بڑھتا ہے

پروفیسر داؤد بری طرح اچھلے۔

اور اس کی وجہ خطرے کا وہ الارم تھا جو یکایک بج اٹھا تھا۔ اس الارم کے بجنے کا صرف ایک ہی مطلب تھا ... ایک سنسنی خیز مطلب ... کہ تجربہ گاہ کا بیرونی دروازہ اچانک کھل گیا تھا ...

فوراً ہی ان کی نظر سامنے دیوار پر نصب کلوز سرکٹ کیمروں سے منسلک اسکرین پر پڑی ...

اس طرح وہ بیرونی دروازے کا منظر اپنے کمرے میں بیٹھ کر دیکھ رہے تھے ... اسکرین پر انھیں دروازہ صاف نظر آ رہا تھا ... اس طرح دروازے کا کھل جانا کوئی معمولی بات نہیں تھی ... ایک تو وہ دروازہ خاص قسم کا تھا ... پھر باہر ہر وقت سیکورٹی گارڈ موجود ہوتے تھے ...

جب سے ملکی حالات خراب ہوئے تھے اور ملک میں جگہ جگہ دھماکے ہونے لگے تھے اور تخریب کاروں نے ملک کے اہم مقامات اور

اہم لوگوں کو نشانہ بنانا شروع کیا تھا، اس وقت سے سرکاری سطح پر انہیں پہرے دار مل گئے تھے... ان میں دو صدر دروازے پر رہتے تھے اور دو پچھلی طرف...

مطلب یہ کہ باہر چار پہرے دار تھے... اور تھے بھی جدید اسلحے سے لیس... اس کے باوجود دروازہ یک دم کھلا تھا... اس دروازے کو جب تک وہ نہ چاہتے کوئی نہیں کھول سکتا تھا... یہاں تک کہ وہ پہرے دار بھی نہیں کھول سکتے تھے... پروفیسر صاحب پہلے اندر سے بٹن دباتے، پھر پہرے دار دروازہ کھول سکتے تھے، اور انہوں نے اس وقت بٹن نہیں دبایا تھا... یہی بات پروفیسر داؤد کے لیے حیرت اور خوف کی تھی۔

ان کی نظریں دروازے پر جم کر رہ گئیں... اسی وقت انہوں نے اسکرین پر ایک عجیب و غریب سے وجود کو کھلے ہوئے دروازے میں سے اندر داخل ہوتے دیکھا... وہ کم از کم انسان نہیں تھا۔

"ارے باپ رے... یہ کیا بلا ہے۔" پروفیسر داؤد بڑبڑائے۔

اس کا قد آٹھ فٹ کے قریب تھا... لیکن وہ کم از کم انسان نہیں تھا... نہ بن مانس تھا... بڑے سائز کا بندر بھی نہیں تھا... اس کا تو حلیہ ہی حد درجے عجیب و غریب تھا... اس کے دائیں ہاتھ میں ایک چھوٹی سی

داری بھی تھی۔

اس وقت تک پروفیسر داؤد کو شدید خطرے کا احساس ہو چکا تھا... انہوں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ... کمرے کی لائٹیں آف کر دیں اور وہاں سے باہر نکل آئے... اب ان کا رخ تجربہ گاہ کی چھت کی طرف تھا... وہ لفٹ کے ذریعے چھت پر پہنچے... چھت پر ایک خفیہ راستہ بنایا گیا تھا... جو تجربہ گاہ سے باہر لے جاتا تھا... وہ اس وقت فوری طور پر تجربہ گاہ سے باہر نکل جانا چاہتے تھے... انہوں نے وہ خفیہ راستہ کھولا اور اس میں اتر گئے... یہ ایک قسم کا ڈھلوان راستہ تھا... اس میں سے پھسل کر نہایت تیزی سے نیچے جایا جا سکتا تھا اور اوپر خفیہ دروازہ خود بخود بند ہو جاتا تھا... یعنی کوئی اس راستے سے ان کے تعاقب میں نہیں آ سکتا تھا...

وہ راستہ انہیں ایک تہ خانے میں لے آیا... یہاں ان کی چھوٹی سی ٹو سیٹر کار بالکل تیار تھی... انہوں نے اس میں بیٹھنے کی کی... دوسرے ہی لمحے وہ انسپکٹر جمشید کے گھر کی طرف اڑے جا رہے تھے...

☆☆☆

صرف پندرہ منٹ بعد وہ ان کے دروازے پر دستک دے رہے

تھے اور اس وقت رات کے نو بجے تھے ... انہیں یقین تھا کہ وہ گھر میں
ہی ہوں گے اور انہیں تازہ واقعہ سنا سکیں گے ... حالانکہ وہ بحفاظت
تجربہ گاہ سے نکل آئے تھے لیکن شاید بوکھلاہٹ کے سبب انہیں خیال ہی
نہ رہا کہ راستے میں ہی اپنے موبائل فون کے ذریعے انسپکٹر جمشید سے
رابطہ کر لیں ... خیال انہیں اس وقت آیا جب انہوں نے ان کے
دروازے کی کال بیل پر ہاتھ رکھا۔

ان کی امید کے عین مطابق گھنٹی کی آواز سنتے ہی اندر ان تینوں
کا نعرہ گونجا:

''ارے یہ تو پروفیسر انکل ہیں۔''

پھر انہوں نے دوڑتے قدموں کی آواز سنی ... اور دروازہ کھل گیا
... پروفیسر داؤد فوراً اندر داخل ہو گئے اور انہوں نے خود ہی دروازہ
اندر سے بند کر دیا...

''السلام علیکم انکل ... آپ بہت زیادہ خوفزدہ نظر آ رہے ہیں۔''
فرزانہ نے کہا۔

''بہت زیادہ سے بھی دس گنا زیادہ۔''

''ارے باپ رے۔'' محمود اچھل پڑا۔

''تم کو کیا ہوا۔'' فاروق نے حیران ہو کر کہا۔

''تم نے سنا نہیں ...'' محمود نے اسے گھورا۔

''کیا نہیں سنا۔''

''جو پروفیسر انکل نے کہا۔''

''انہوں نے کہا ہے ... یہ بہت زیادہ سے بھی دس گنا خوفزدہ
ہیں... تو پھر اس سے کیا ہوتا ہے ... خوفزدہ تو یہ ہیں، تم کیوں اچھلے۔''

''پروفیسر انکل اس طرح نہیں آ سکتے ... کوئی بہت ہی خوفناک
معاملہ پیش آیا ہے اور اس لیے انہوں نے کہا ہے کہ یہ بہت زیادہ سے
بھی دس گنا زیادہ خوفزدہ ہیں ...''

''خیر آیئے اور اب مزید پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔''
انسپکٹر جمشید بولے

''لیکن کیوں۔'' فرزانہ حیران رہ گئی۔

''لیکن کیوں کیا؟'' انسپکٹر جمشید اس کی طرف مڑے۔

''میرا مطلب ہے ... ہمیں پریشان ہونے کی بہت ضرورت
ہے ... اور وہ اس لیے کہ پروفیسر انکل گھبراہٹ میں شائستہ کو تجربہ گاہ
ہی میں چھوڑ آئے ہیں۔''

''ارے نہیں یہ بات نہیں ... ویسے بھی کوئی باپ کتنا ہی خوفزدہ
کیوں نہ ہو ... خطرے کی جگہ سے اپنی اولاد کو چھوڑ کر نہیں آ سکتا۔''

پروفیسر داؤد نے جواب دیا۔

''تب پھر؟''

''شائستہ تو اس وقت تجربہ گاہ میں تھی ہی نہیں ... وہ کسی سہیلی کے گھر گئی ہوئی ہے ... وہ دونوں ساتھ مل کر سالانہ امتحانات کی تیاری کر رہی ہیں۔''

''تو کیا آپ نے راستے میں اسے بتا دیا تھا کہ وہ تجربہ گاہ کا رخ نہ کرے۔''

''نہیں ... ابھی اس کی واپسی کا وقت نہیں ہوا ... اسے صبح واپس آنا تھا ... تاہم میں فون کر دیتا ہوں۔''

''آپ آئیں تو سہی اندر ...''

''ہم پہلے یہ تو سن لیں کہ ہوا کیا ہے۔''

وہ سب صحن میں بچھی میز کے گرد کرسیوں پر آ بیٹھے۔

''پہلے آپ شائستہ کو خبردار کر دیں ... پھر ہم پوچھیں گے ... ہوا کیا ہے۔''

''اچھی بات ہے۔''

انہوں نے فون کر کے شائستہ کو خبردار کر دیا کہ جہاں ہے وہیں رہے ... باہر نکلنے کی کوشش نہ کرے۔

پھر ان کی طرف متوجہ ہوئے: ''اس سے پہلے کہ تم پوچھو ... میں ہی بتا دیتا ہوں۔''

''یہ بہت اچھی بات ہے۔''

انہوں نے تفصیل سنا دی ... چاروں حیرت زدہ سنتے رہے، ان کے خاموش ہوتے ہی انسپکٹر جمشید نے کہا۔

''تب پھر وہ کوئی روبوٹ تھا۔''

''ہاں ... میرا خیال اس طرف گیا تھا ... اور یہ بات ہو سکتی ہے ... لیکن اس وقت میں اس سے مقابلہ کرنے کے لیے ذہنی طور پر تیار نہیں تھا ... اس لیے میں نے وہاں سے نکلنے میں ہی بہتری جانی۔''

پروفیسر داؤد بولے۔

''ہوں ... اس کا صاف مطلب ہے ... وہ سارا نظام خراب کر کے اندر داخل ہوا تھا ... آپ کے پاس باہر موجود سیکورٹی اہلکاروں میں سے کسی کا موبائل نمبر ہے۔''

''چاروں کے ہیں ... بلکہ بارہ کے ہیں ... میرا مطلب ہے ... کل بارہ آدمی مقرر ہیں ... آٹھ گھنٹے کی ڈیوٹی ہے ... ہر چار پہرے دار آٹھ گھنٹے تک ڈیوٹی دیتے ہیں۔''

''ہوں ٹھیک ہے ... آپ ان سے رابطہ کریں ... اصل صورتحال

وہ بتائیں گے۔"

"اچھی بات ہے۔"

انہوں نے کہا اور سیکورٹی گارڈز کو باری باری فون کرنے لگے... آخر انہوں نے کہا۔

"ان چاروں سے رابطہ نہیں ہو رہا۔"

"تب پھر گڑبڑ بھی ہے اور بہت ہولناک بھی..."

یہ کہہ کر انہوں نے اکرام کے نمبر ملائے... سلسلہ ملنے پر اکرام کی آواز سنائی دی: "یس سر۔"

"اکرام... پروفیسر داؤد کی تجربہ گاہ میں سنگین گڑبڑ ہے... تم اپنی ٹیم کے ساتھ وہاں پہنچو... ہم بھی آرہے ہیں... پہلے دور دور کر جائزہ لینا۔"

"تت... تو کیا... پروفیسر صاحب اندر۔"

"نہیں! وہ ہمارے پاس ہیں... خطرے کا احساس ہوتے ہی وہ وہاں سے نکل آئے تھے اور سیدھے ہماری طرف آگئے تھے۔"

"یہ انہوں نے اچھا کیا۔"

"اور اکرام... پھر سن لو... معاملہ بے حد سنگین بھی ہو سکتا ہے... میرا مشورہ ہے... پوری تیاری کے ساتھ آنا۔"

"ارے باپ رے۔"

"لیکن یہ صرف اندازہ ہے... یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔"

"ٹھیک ہے... آپ فکر نہ کریں، میں روانہ ہو رہا ہوں۔"

انہوں نے موبائل بند کر دیا... اس کے بعد وہ گھر سے نکل گئے... نکلتے ہوئے انہوں نے بیگم جمشید سے کہا۔

"اور بیگم تم دروازہ اندر سے بند کر لو... اور بیگم شیرازی کو بلا لو... میں محمد حسین آزاد کو فون کر رہا ہوں... وہ اپنے دو تین ماتحتوں کے ساتھ یہاں پہرہ دے گا۔"

"اس کی کیا ضرورت ہے... یہاں تو کوئی خطرہ نہیں ہے۔"

"خطرے کا رخ کسی سمت میں بھی ہو سکتا ہے... حالات خطرناک ہیں۔"

"اچھی بات ہے۔"

وہ وہاں سے روانہ ہوئے اور طوفانی رفتار سے گاڑی اڑاتے ہوئے... تجربہ گاہ کے نزدیک پہنچ گئے... انہوں نے دور سے ہی اکرام کی جیپ دیکھ لی... نزدیک ہی پولیس کی چند گاڑیاں کھڑی تھیں... گویا اکرام وہاں پوزیشن سنبھال چکا تھا...

ادھر اکرام نے انہیں آتے دیکھ لیا... لہٰذا ان کی طرف لپکا...

اس کا چہرہ ستا ہوا تھا... یہ دیکھتے ہی انسپکٹر جمشید کے منہ سے نکلا:

"ارے باپ رے... تت... تو کیا۔"

"تو کیا کیا؟" فاروق نے حیران ہو کر کہا۔

"تو کیا... پہرے دار۔" انسپکٹر جمشید کہتے کہتے رک گئے...

"ہاں سر! چاروں پہرے دار مردہ پائے گئے ہیں۔"

"تت۔" مارے خوف کے ان کے منہ سے نکلا۔

"ان کی آنکھوں میں خوف ہی خوف تھا... یعنی اب بھی ان میں خوف دیکھا جا سکتا تھا۔"

"اللہ اپنا رحم فرمائے... آؤ پہلے ہم ان کو دیکھیں گے۔"

وہ سب تجربہ گاہ کے دروازے پر آئے... وہاں دونوں گارڈ اوندھے پڑے تھے۔

"یہ چیک کیا کہ انہیں کس چیز سے ہلاک کیا گیا ہے۔"

"بظاہر ان کے جسموں پر زخم کا کوئی نشان نہیں ہے۔" اکرام کے لہجے سے پریشانی ٹپک رہی تھی۔

"کیا مطلب؟" وہ چونکے۔

"ہو سکتا ہے... انہیں ہلاک کرنے کیلئے کسی زہریلی گیس کو استعمال کیا گیا ہو۔"

"اوہ!"

"آئیے میں آپ کو اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز اور خوفناک چیز دکھاتا ہوں۔"

"اللہ اپنا رحم فرمائے۔" انسپکٹر جمشید بڑبڑائے۔

اب وہ دونوں لاشوں کے پاس سے گزر کے صدر دروازے کو عبور کر گئے... اسی وقت اکرام نے کہا۔

"یہ دیکھئے سر... فرش پر۔" اس نے فرش کی طرف انگلی سے اشارہ کیا... اس کی انگلی ایک حیرت انگیز نشان پر ٹھہری ہوئی تھی۔

☆☆☆☆☆

دروازہ غائب

فرش پر تین کونوں والے نشان تھے اور یہ نشانات قدموں کے نشانات جیسے تھے ... فرش پر ان نشانات نے کوئی گڑھا نہیں ڈالا تھا ...

''جس وجود کو آپ نے اندر آتے دیکھا، یہ اس کے پیروں کے نشانات ہیں ... اب اگر کوئی غیر انسانی مخلوق تھی تو اس کا وزن ایک انسانی جسم سے زیادہ نہیں تھا ... کیونکہ وزن زیادہ ہوتا تو فرش پر گڑھے پڑتے ... لیکن ہم دیکھ رہے ہیں، ایسا نہیں ہے ... اور اگر وہ کوئی روبوٹ ہوتا تب بھی گڑھے پڑتے ...''

''تب پھر جمشید ... میرا مطلب ہے ... اگر وہ انسان تھا تو اس نے تن تنہا چار مسلح پہرے داروں کو کس طرح ہلاک کیا ... ان چاروں کے جسموں پر زخم کا کوئی نشان نہیں ہے۔'' پروفیسر داؤد بڑبڑائے۔

''پوسٹ مارٹم کی رپورٹ ہمیں اس سوال کا جواب دے گی ... فکر نہ کریں ... اکرام ان کی لاشوں کو پوسٹ مارٹم کے لیے بھجوا دو۔''

''اوکے سر!''

''اور اب پروفیسر صاحب! اب آپ اس بات کا جائزہ لے لیں کہ آپ کی کوئی چیز، کوئی ایجاد تو غائب نہیں ہے۔''

''اچھی بات ہے جمشید ... پوری عمارت کا جائزہ تم لوگ لے لو ... اپنی چیزوں کو میں چیک کر لیتا ہوں۔''

''اچھی بات ہے۔''

اب وہ اس کام میں مصروف ہو گئے۔

آدھ گھنٹے بعد وہ پھر دفتر میں جمع ہوئے ... انہوں نے پروفیسر داؤد کی طرف سوالیہ انداز میں دیکھا...

''میری تمام چیزیں جوں کی توں موجود ہیں ... انہیں تو چھیڑا ہی نہیں گیا۔''

''بہت خوب ... آپ کی عمارت بھی درست حالت میں موجود ہے ... عمارت میں کہیں بھی ٹوٹ پھوٹ کے آثار نہیں ہیں۔''

''تب پھر ... وہ کس لیے آیا تھا۔'' فاروق نے حیران ہو کر کہا۔

''پروفیسر صاحب کو ہلاک کرنے۔'' فرزانہ مسکرائی۔

''ارے باپ رے۔'' پروفیسر داؤد کے چہرے پر گھبراہٹ کے آثار چھا گئے۔

''آپ نے بہت عقل مندی دکھائی ... فوراً ہی نکل گئے۔''
انسپکٹر جمشید نے مسکرا کر کہا۔

''اب آپ کا کیا خیال ہے اباجان۔'' محمود ان کی طرف مڑا۔

''یہ اتنی بڑی واردات کسی وجہ کے بغیر تو نہیں ہو سکتی ...
پروفیسر صاحب آپ اپنی ایجادات کا ایک بار پھر جائزہ لے لیں۔''

''میں بہت اچھی طرح چیک کر چکا ہوں جمشید ... کوئی چیز ادھر
ادھر بھی نہیں ہوئی ہے ... شاید اس نے تو ایجادات کی طرف آنے کی
کوشش ہی نہیں کی۔''

''اس سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ صرف آپ کے لیے آیا تھا۔''
فرزانہ نے پھر کہا۔

''ہوں ... اب بھی کہا جا سکتا ہے ... لیکن میرا خیال ہے ...
آپ ایک بار پھر چیک کر لیں۔''

''اچھی بات ہے جمشید۔'' وہ ایک بار پھر اندر چلے گئے ... وہاں
انہوں نے ایک بار پھر خوب غور سے جائزہ لیا اور واپس آ کر کہا۔

''نہیں جمشید ... کہیں کوئی گڑبڑ نہیں ہے ... ہر چیز جگہ پر موجود
ہے۔''

''اچھی بات ہے ... لیکن ان حالات میں ہم آپ کو یہاں نہیں

چھوڑ سکتے ... آپ شائستہ کو بھی خبردار کر دیں وہ ادھر واپس نہ آئے ...
بلکہ ہماری طرف آ جائے ... آپ ہمارے ساتھ چلیے۔''

''اچھی بات ہے ... لیکن جمشید ...'' وہ کہتے کہتے رک گئے۔

''لیکن کیا؟'' انسپکٹر جمشید ان کی طرف مڑے۔

''اس موقع پر اس کے بغیر بات بنے گی نہیں ...''

''کیا مطلب ... کس کے بغیر۔''

''خان رحمان کے بغیر ... میرا خیال ہے کہ اس معاملے میں ہمیں
اس کے فوجی تجربے کی ضرورت پیش آئے گی۔''

''اوہ ہاں ... انہیں ہم فون کرتے ہیں۔'' انسپکٹر جمشید بولے۔
پروفیسر داؤد شائستہ کو فون کرنے لگے ... ادھر انسپکٹر جمشید نے
خان رحمان کا نمبر ملایا ... جونہی سلسلہ ملا ... دوسری طرف سے
خان رحمان کی چہکتی آواز سنائی دی ...

''یار جمشید ... مان گیا تمہیں۔''

''ہائیں، وہ کس سلسلے میں۔'' انسپکٹر جمشید کے لہجے میں حیرت تھی۔

''میں سوچ ہی رہا تھا کہ تمہارا فون آنا چاہیے ... اور بس ... اسی
وقت گھنٹی بج اٹھی۔''

''لیکن تم یہ بات کیوں سوچ رہے تھے۔''

''حد ہو گئی ... ایک تو اپنے کام کی دھن میں تم ہر بات بھول جاتے ہو... یاد نہیں ریاست علی خان نے ہم سب کو بلایا ہوا ہے ... جیسا کہ وہ ہر سال نو جولائی کو بلاتے ہیں۔''

''اوہ ہاں ... دھت تیرے کی ... میں تو واقعی بھولا ہوا تھا ... لیکن اس وقت مسئلہ کچھ اور ہے ... پروفیسر داؤد کی تجربہ گاہ پر حملہ ہوا ہے ... نشانہ پروفیسر صاحب تھے ... لیکن وہ چند لمحے پہلے تجربہ گاہ سے نکلنے میں کامیاب ہو گئے ... ورنہ نہ جانے کیا ہو جاتا ... البتہ افسوس ناک خبر یہ ہے کہ ان کے چاروں سیکورٹی گارڈ مارے گئے ہیں۔''

''کیا!!! ''مارے پریشانی کے خان رحمان کے منہ سے نکلا۔

''ہاں خان رحمان ... تم میری طرف چلے آؤ ... ہم پروفیسر صاحب کو لے کر وہاں پہنچ رہے ہیں۔''

''ٹھیک ہے ... میں گھر سے نکل رہا ہوں۔''

اب انہوں نے گھر کا رخ کیا ... اور پھر جونہی وہ دروازے کے نزدیک پہنچے ... انہوں نے دیکھا کہ عین اسی وقت خان رحمان کی کار ان کے عین پیچھے پہنچ گئی ...

پھر وہ ایک ساتھ گاڑیوں سے نیچے اترے ... آپس میں گرم جوشی سے ہاتھ ملا کر دروازے کی طرف مڑے ... اور پھر ...

ان سب کے منہ سے نکلا:

''ارے باپ رے۔''

انہوں نے دیکھا دروازہ غائب تھا ...

☆☆☆

''یہ ... یہ ہم کیا دیکھ رہے ہیں ... ہمارا دروازہ ہمارے گھر کو چھوڑ کر کہاں چلا گیا۔'' فاروق نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

''لگتا ہے ... دروازہ اللہ کو پیارا ہو گیا۔'' انسپکٹر جمشید بڑبڑائے ... پھر وہ آگے بڑھے ... ان کے گھر کا صدر دروازہ لوہے کا تھا ... اور اب وہ اس طرح غائب تھا جیسے گدھے کے سر سے سینگ ...

البتہ فرش پر بہت سا پگھلا ہوا لوہا پڑا تھا ... پگھلنے کے بعد لوہا کچھ دور تک تو بہتا چلا گیا تھا ... پھر رک گیا تھا اور جمنے لگا تھا ... گویا اب ان کا دروازہ فرش پر نئی صورت میں موجود تھا ...

اب انسپکٹر جمشید بے تابی کے عالم میں بیگم شیرازی کے دروازے پر پہنچے ... یہ دروازہ درست حالت میں تھا ... انہوں نے دروازے پر دستک دی ... ہاتھ لگتے ہی وہ کھل گیا ... گویا اندر سے بند نہیں تھا ... انہوں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ ... پستول ہاتھ میں لے لیا اور اندر داخل ہو

گئے ... گھر بھائیں بھائیں کر رہا تھا ... اندر بیگم شیرازی تھیں نہ ہی بیگم جمشید ...

ان کے رنگ اڑ گئے ... انہوں نے فوراً ان کا موبائل نمبر ڈائل کیا ... جواب فوراً ملا:

"السلام علیکم۔"

"حد ہو گئی ... تم ہو کہاں۔"

"اپنے گھر کے ساتھ ... بائیں طرف والے پڑوسی ... شیخ عبدالقدوس صاحب کے گھر میں ... اور آپ لوگ ..."

"وہیں ٹھہرو ... ہم آ رہے ہیں۔"

جلد ہی وہ اپنے پڑوسی کے ڈرائنگ روم میں بیٹھے تھے ...

"ہاں بیگم ... جلدی سے تفصیل سناؤ۔"

"کوئی تفصیل نہیں ہے ... آپ کی ہدایات نے مجھے خوفزدہ کر دیا تھا ... تجربہ گاہ پر حملہ کوئی معمولی بات نہیں تھی ... میں نے بیگم شیرازی کے گھر میں ٹھہرنا مناسب نہ سمجھا ... اور انہیں ساتھ لیے ہوئے یہاں آ گئی ... دروازہ اندر سے بند ہی نہیں کیا تھا کہ اس کے لیے دروازے کوئی اہمیت نہیں رکھتے ... بہرحال ہم دونوں یہاں آ گئیں اور اوپر والی منزل کے کمرے میں بیٹھ کر کھڑکی کے ذریعے اپنے گھر کی طرف دیکھنے

لگیں ... آخر رات کی تاریکی میں ہم نے ایک آٹھ فٹ لمبے آدمی کو دیکھا ... ایسا لگا جیسے وہ اچانک گیٹ کے قریب سڑک سے اگ آیا ہو ... کیونکہ دور سے ہمیں کوئی بھی آتا دکھائی نہ دیا تھا ... وہ بالکل عام انسانوں کی طرح چل رہا تھا ... اسے دیکھ کر ہم دونوں کی سٹی گم ہو گئی ... اور پھر اس نے گیٹ پر ہاتھ رکھ دیا ... پھر نہ جانے کیا ہوا کہ ہم نے ایسی بو محسوس کی جیسی استری تیز گرم ہونے کے بعد محسوس ہوتی ہے ... آن کی آن میں ہمارا لوہے کا دروازہ پگھل کر بہہ گیا اور نظروں کے سامنے سے غائب ہو گیا ... ہم تو تھر تھر کانپنے لگیں ... اللہ کا شکر ادا کیا کہ ہم دونوں وہاں نہیں ٹھہری تھیں ... پھر وہ اندر داخل ہوا اور کچھ دیر بعد بیگم شیرازی کے گھر سے نکلا نظر آیا ... گویا وہ اندر سے ہی ان کے گھر میں داخل ہوا تھا ... لیکن کیسے ... یہ ابھی ہمیں معلوم نہیں ... کیونکہ خوف کی وجہ سے ہم تو یہاں سے نکلی ہی نہیں۔"

"مطلب یہ کہ وہ جا چکا ہے۔"

"جی ہاں ... شاید۔"

"تب تو ہم دونوں گھروں کا اندر سے جائزہ لے سکتے ہیں۔"

وہ نکل کر پہلے اپنے گھر میں آئے ... گھر کی کسی چیز کو نہیں چھیڑا گیا تھا ... ہر چیز جوں کی توں موجود تھی ... لیکن دونوں گھروں کی جو

مشترکہ دیوار تھی ... اس میں دروازے جتنا خلا نظر آ رہا تھا ... یہاں جو لوہے کا دروازہ تھا جو بہت پہلے دونوں گھروں کے بیچ بنایا گیا تھا اس کا کہیں نشان نہیں تھا.... اس کا مطلب تھا، اس نے جس طریقے سے صدر دروازہ پگھلایا تھا ... اسی سے دیوار میں راستہ بنایا تھا... وہ اس راستے سے بیگم شیرازی کے گھر میں داخل ہوئے ... وہاں بھی کوئی گڑبڑ نہیں تھی ... وہ بیرونی دروازے سے نکل کر باہر آ گئے۔

''اس ساری کارروائی کا مطلب صرف اور صرف ایک ہی ہے۔'' انسپکٹر جمشید نے سوچ میں گم ہو کر کہا۔

''اور وہ کیا۔'' ان سب کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

''اور وہ یہ کہ ... وہ ہمیں تلاش کرتا پھر رہا ہے ... ہمیں جان سے مارنا چاہتا ہے اور اس کی کوئی غرض نہیں ... اور اس کا ... ارے باپ رے ... خان رحمان ... فوراً فون کرو ... اپنے بچوں کو اور باقی سب کو ... وہ فوراً گھر سے باہر آ جائیں ... اور پڑوس میں کسی کے گھر میں چھپ جائیں ... ہم آ رہے ہیں۔''

''اوہ ... اچھا۔'' خان رحمان نے گھبرا کر کہا ... اور فون کرنے لگے ... فون بند کر کے وہ ان کی طرف متوجہ ہوئے۔

''سب لوگ ابھی تک گھر ہی میں تھے ... اس طرف ابھی تک

سب خیریت ہے ... میں نے کہہ دیا ہے کہ فوراً گھر سے نکل جائیں ... اور پڑوس کے کسی گھر میں چھپ جائیں۔''

''بس ٹھیک ہے ... ہم انہیں لے آتے ہیں ... اور میرا خیال ہے ... ہمارے لئے خطرہ ابھی کم نہیں ہوا ہے ... ان سب لوگوں کو کسی خفیہ ٹھکانے میں پہنچا دیتے ہیں ... تاکہ ہم ان کی طرف سے بے فکر ہو جائیں ... اور اپنا کام کر سکیں۔''

''یہ ٹھیک رہے گا ...'' پروفیسر داؤد نے خوش ہو کر کہا۔

''شائستہ کو بھی وہیں پہنچا دیا جائے گا ... ویسے میرا خیال ہے ... وہ مخلوق یا روبوٹ جو کوئی بھی ہے، صرف ہم لوگوں کی تلاش میں ہے ... ہمارے گھر کے دوسرے افراد سے اسے کوئی غرض نہیں۔''

''یہ تو خیر ٹھیک ہے ... لیکن ان کی طرف سے بے فکر ہونے کے لیے یہی مناسب ہے کہ انہیں محفوظ مقام پر پہنچا دیا جائے۔'' خان رحمان نے کہا۔

''آیئے پھر چلیں۔''

وہ سیدھے خان رحمان کے گھر پہنچے ... باقی لوگوں کو ساتھ لیا ... اور خفیہ ٹھکانے نمبر ایک پر انہیں پہنچا دیا ... اسی وقت اکرام شائستہ کو لے کر پہنچ گیا ... وہ بھی آ گئے تھے ... اور اکرام کی ڈیوٹی اس سلسلے

میں پہلے ہی لگا دی گئی تھی ...

''اب ان لوگوں کی طرف سے تو ہو گئی بے فکری۔'' انسپکٹر جمشید نے کہا۔

''لیکن جمشید ... اگر وہ ادھر بھی آ نکلا تو ...''

''اس ٹھکانے کے بارے میں اسے پتا نہیں ہو سکتا ... امکان یہی ہے، لیکن اگر اس نے ادھر کا رخ کیا تو یہاں خفیہ فورس موجود ہے ... وہ اس کا مقابلہ کرنے کے بجائے ... ان لوگوں کو زیر زمین راستوں سے یہاں سے نکال لے جائے گی اور ہمیں خبردار کر دیا جائے گا۔''

''زبردست ... یہ ٹھیک رہے گا۔'' خان رحمان اور پروفیسر داؤد ایک ساتھ بولے۔

''اب ہم ذرا پہلے اپنے گھر کا جائزہ لے لیں ... کیونکہ ان لوگوں کی وجہ سے ہم نے گھر کا بغور جائزہ نہیں لیا تھا۔''

''ٹھیک ہے ... چلیے۔''

وہ گھر آئے ... انھوں نے ایک ایک چیز کا جائزہ لیا ... ایسے میں انھیں فرزانہ کی چیختی ہوئی آواز سنائی دی ... وہ انھیں بلا رہی تھی ... وہ گھبرا کر اس کی طرف دوڑے جس طرف سے فرزانہ کی آواز آئی ... وہ صحن والی میز کے پاس کھڑی تھی ... اس کی نظریں میز پر جمی

تھیں ... میز پر ایک سفید کاغذ چپکا ہوا انھیں بھی نظر آ گیا ... لیکن اس کاغذ پر کیا تھا ... یہ ابھی تک انھیں معلوم نہیں تھا ... اس لیے وہ بے اختیار میں آگے بڑھے ...

ان سب کی نظریں جونہی کاغذ پر لکھی تحریر پر پڑیں ... وہ بری طرح اچھلے ... ان کی آنکھیں مارے خوف کے پھیل گئیں ...

☆☆☆☆☆

جال تیار ہے

انہوں نے پڑھا... لکھا تھا:

''ریاست علی کے ہاں تو ملاقات ہو کر رہے گی... یا وہاں بھی نہیں آئیں گے۔''

انہوں نے فوراً ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

''اس تحریر سے کئی باتیں ثابت ہوگئیں۔'' انسپکٹر جمشید پراسرار انداز میں مسکرائے۔

''اور وہ کیا؟'' فاروق نے فوراً پوچھا۔

''اب یہ بھی میں ہی بتاؤں... یہ تم لوگ بتاؤ گے۔'' انہوں نے آنکھیں نکالیں۔

''جی اچھا میں پہل کرتی ہوں۔'' فرزانہ نے جلدی سے کہا۔

''پہل کرنے کے علاوہ تمہیں آتا ہی کیا ہے۔'' فاروق نے منہ بنایا۔

''بھئی پہلے اس بیچاری کو پہل تو کر لینے دو۔'' خان رحمان مسکرا کر بولے۔

''پہلی بات! اس تحریر سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ وہ کوئی دوسری مخلوق نہیں... انسان ہی ہے اور ہے بھی ہماری طرف ہی کا انسان... کیونکہ اردو لکھنا جانتا ہے...''

''چلو ٹھیک ہے... یعنی تمہاری پہلی بات بالکل درست ہے... دوسری تم بتاؤ محمود۔''

''جی اچھا... تحریر دیکھ کر یہ بات صاف کہی جا سکتی ہے... کہ لکھنے والا مہذب ہے... کیونکہ اس نے بہت صاف ستھری اردو میں لکھا ہے... تہذیب کے دائرے میں رہ کر لکھا ہے... وہ کوئی اجڈ اور گنوار دشمن نہیں ہے۔'' محمود نے ٹھہری ہوئی آواز میں کہا۔

''بالکل ٹھیک... رہ گیا فاروق... تم نے کیا اندازہ لگایا؟''

''یہ کہ یہ کوئی سوچا سمجھا منصوبہ ہے... کوئی اچانک حملہ نہیں ہے... ورنہ اسے یہ بات کیسے معلوم ہو سکتی تھی کہ ہمیں نواب ریاست علی خان کے ہاں جانا ہے... اور جانا بھی ہے آج کل میں۔''

''بہت خوب... تینوں نے کافی حد تک درست اندازے لگائے ہیں، لیکن میں ایک اور اندازے کا امکان بھی بتا سکتا ہوں۔'' انہوں نے

باری باری ان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''یہ تو بہت اچھی بات ہے ابا جان کہ آپ ایک اور اندازے کا اضافہ کر سکتے ہیں... بلکہ اللہ کا شکر ہے... آپ ایک اندازے کی کمی نہیں کر رہے ہیں... ہاں تو فرمایئے وہ کیا اندازہ ہے... تاکہ ہم بغلیں بجا سکیں۔''

''یار تم بات مختصر نہیں کر سکتے۔'' محمود جھلا اٹھا۔

''کرنے کو ضرور کر سکتا ہوں۔'' فاروق ہنسا۔

''اچھا چپ رہو... جی ابا جان...''

''ریاست علی خان کے ہاں ہمارے لیے مشکل وقت آنے والا ہے... اس بار مقابلہ آسان نہیں ہو گا... یہ... جو بھی ہے... پوری تیاریوں میں ہے... کہہ رہا ہے نا، ریاست علی خان کے ہاں تو ملاقات ہوگی... یا وہاں بھی نہیں آئیں گے... گویا یہ چاہتا ہے کہ خطرہ چاہے کتنا بھی بڑا ہو... ہم وہاں جا کر رہیں گے... اور بات ہے بھی یہی... ہم ہر سال ہر حال میں نواب صاحب کی دعوت میں ضرور شرکت کرتے ہیں... تو اس سال بھلا کیوں شرکت نہیں کریں گے۔''

''آپ کی بات بھی بالکل ٹھیک ہے... اور آپ کی بات ہم سے کہہ رہی ہے... روانہ ہونے سے پہلے ہمیں اچھی پوری تیاری کرنا

ہوگی... اور اس سے بھی پہلے ہمیں پوسٹ مارٹم کی رپورٹ معلوم کرنا ہو گی... ورنہ یہ اندھی مخلوق ہمارا حشر نشر کر دے گی۔''

''اچھی بات ہے... کریں پھر معلوم۔''

انہوں نے اکرام کے نمبر ڈائل کیے... سلسلہ ملتے ہی بولے۔

''اکرام... پوسٹ مارٹم کی رپورٹ؟''

''جی ہاں... مل گئی ہے... رپورٹ کے مطابق ان چاروں کی موت دل کی حرکت بند ہونے کی وجہ سے ہوئی ہے... مطلب یہ کہ نہ تو کسی ہتھیار سے ہوئی ہے نہ زہر سے... نہ خوف سے... بلکہ صرف اور صرف ان کے دل اچانک بند ہو گئے تھے۔''

''چاروں کے ایک ساتھ؟'' مارے حیرت کے انسپکٹر جمشید کے منہ سے نکلا۔

''چاروں کی موت کا وقت چونکہ ایک ہی ہے، اسی لیے یہی کہا جائے گا کہ چاروں کے دلوں کی حرکت ایک ساتھ بند ہوئی ہے۔''

''ٹھیک ہے... ہم دیکھیں گے کہ ایسا کیسے ہو سکتا ہے، اکرام حالات بہت بگڑ سکتے ہیں... ہر طرح چوکس رہو۔'' یہ کہہ کر انہوں نے فون بند کر دیا... اب ان کی نظریں ان پر جم گئیں...

''ہمیں جلد از جلد نواب ریاست علی خان کے ہاں جانا ہوگا...

وہاں کیا ہوتا ہے ... ہم نہیں جانتے ... شاید وہاں ہمارے لیے موت تیار ہے۔"

"اللہ اپنا رحم فرمائے ... آپ تو ہمیں ڈرائے دے رہے ہیں۔" فاروق کانپ گیا۔

"لیجئے ... بھائی صاحب موت سے ڈر گئے ... حالانکہ معلوم ہے ... وہ ایک دن آ کر رہے گی۔" محمود نے برا سا منہ بنایا۔

"اس میں شک نہیں کہ موت کا ایک دن مقرر ہے، وہ اپنے وقت پر آ کر رہے گی ... اور کوئی انسان خود کو اس سے بچا نہیں سکتا، لیکن اس میں بھی شک نہیں کہ موت بہت خوفناک ہے ... اس سے ڈر بھی بھی کو لگتا ہے۔" خان رحمان نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اب جو بھی ہے ... ہمیں وہاں جانا ہوگا۔" پروفیسر بڑبڑائے۔

"کک ... کہیں ایسا تو نہیں ... "فرزانہ کہتے کہتے رک گئی۔

"کہیں ایسا ہو یا نہ ہو ... پہلے تو تم یہ بتاؤ ... بات کہتے کہتے رک کیوں جاتی ہو۔" فاروق نے جھلائے ہوئے انداز میں کہا۔

"ہاں واقعی فرزانہ ... تم میں یہ بات ہے ... " محمود نے کہنا چاہا، لیکن خان رحمان نے بات کاٹ دی ...

"بھئی اسے کہہ لینے دو ... ہاتھ دھو کر اس کے پیچھے تو نہ پڑو۔"

"جی اچھا انکل ... نہیں پڑتے پیچھے ... لیکن ہے یہ اسی قابل۔" فاروق مسکرایا۔

"کس قابل۔" فرزانہ جھلا کر اس کی طرف پلٹی۔

"اب یہ لڑ پڑیں گے ... ہے کوئی تک۔" انسپکٹر نے منہ بنایا۔

"بالکل نہیں ہے۔" خان رحمان نے ان کی تائید کی۔

"کیا نہیں ہے۔" پروفیسر داؤد بے دھیانی کے عالم میں بولے۔

"جی ... تک ... اور کیا۔"

"توبہ ہے ہم سب سے ... ہاں فرزانہ کیا کہہ رہی تھیں تم۔"

"کہیں ایسا تو نہیں ... یہ سب ہمارے ملک کے خلاف کوئی سازش ہو ... اور ہمیں اس سازش کے تحت دارالحکومت سے دور کیا جا رہا ہو۔"

"اس کا امکان ہو سکتا ہے ... لیکن نواب صاحب کی ریاست اتنی دور بھی نہیں ہے ... چھ گھنٹے کا راستہ ہے ... ہم کسی وقت بھی واپس آ سکتے ہیں۔" انہوں نے کہا۔

"واپس تو اس وقت آئیں گے نا ... جب وہ ہمیں آنے دے گا۔"

"وہ ... کون وہ۔"

"وہی جو ہمیں وہاں بلانا چاہتا ہے ... اگرچہ ہمارا پروگرام پہلے

اور ہمارے دروازے کو وہ آن کی آن میں پگھلا دیتا ہے ... وہ نہایت خاموشی سے بھی پروفیسر تک پہنچ سکتا تھا ... اور ہمارے گھر کے دروازے کو بھی اس وقت پگھلا سکتا تھا جب ہم اندر داخل ہوئے ... لیکن تجربہ گاہ میں داخل ہونے سے پہلے بھی اس وقت حملہ آور ہوا جب ہم اپنے گھر میں نہیں تھے ... مطلب صاف ہے ... وہ نہ پروفیسر داؤد کو ہلاک کرنا چاہتا ہے ... نہ ہمیں ...'' انسپکٹر جمشید یہاں تک کہہ کر رک گئے۔

''تب پھر ... وہ کیا چاہتا ہے۔''

''فی الحال تو وہ چاہتا ہے ... ہم نواب ریاست علی خان کے ہاں پہنچ جائیں ... اس کے بعد اندازہ ہوگا ... آگے اس کا کیا پروگرام ہے۔''

''تو ہم وہاں کیوں جائیں ... اس کے پروگرام کے مطابق اس کی انگلیوں پر کیوں ناچیں۔''

''اس لیے کہ ہم یہ جانے بغیر کس طرح رہ سکیں گے کہ وہ کیا چاہتا ہے۔''

''تم نے ٹھیک اندازے لگائے جمشید۔'' پروفیسر داؤد نے پُرجوش انداز میں کہا۔

''کیا آپ کو کوئی بات سوجھی ہے۔'' انھوں نے چونک کر پروفیسر داؤد صاحب کی طرف دیکھا۔

''ہاں ! اچھی بات ہے۔''

''تو بتادیں نا انکل ... آپ نے کیا اندازے لگائے ہیں۔''

''یہ ہمیں گھیر گھار کر کہیں لے جانا چاہتا ہے ... اور مجھے تو اب خیال ہو چلا ہے کہ اس سازش میں نواب ریاست علی شریک ہیں۔''

''اس حد تک تو بات یقین سے نہیں کہی جا سکتی ... لیکن میں آپ کے اس خیال کی تائید کرتا ہوں، کوئی طاقت ہم سے کوئی کام لینا چاہتی ہے ... اور وہ ہمیں مجبور کر کے اپنا کام نکالنا چاہتی ہے ...''

''ذہن اب اور الجھ گئے ہیں اور ہم جلد از جلد یہ جان لینا چاہتے ہیں کہ اس معاملے کی تہ میں کیا راز کام کر رہا ہے۔''

''ہو سکتا ہے ... ہم ریاست پہنچتے ہی یہ بات جان لیں ... اور اس بات کا بھی امکان ہے کہ معاملہ آخر وقت تک ہم سے اوجھل رہے ... بہر حال جس طرح ہم ریاست جانے کے لیے مجبور ہیں ... اسی طرح آگے جانے پر بھی ہم مجبور ہوں گے۔''

''بے چینی اور بے قراری نے ہمیں پوری طرح اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے ... لیکن یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے۔'' پروفیسر داؤد نے پرخیال لہجے میں کہا۔

''اور وہ کیا انکل۔''

''جب وہ اس قدر طاقت ور ہیں تو انہیں ہماری کیا ضرورت ہے۔''

''یہ سوال اہم ہے... لیکن ہمارے پاس اس سوال کا جواب نہیں ہے۔''

عین اس لمحے انہوں نے دروازے پر ایک خوفناک دستک سنی...

☆☆☆☆☆

طوفان کی زد میں

انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا...

''خبردار! یہ آواز دوستانہ نہیں ہے۔'' انسپکٹر جمشید نے دبی آواز میں کہا۔

''دوستانہ آوازیں ہمارے سننے میں آتی ہی کب ہیں؟'' فاروق نے جلے کٹے انداز میں کہا۔

''میں دیکھتا ہوں... تم سب پوزیشن لے لو۔''

''آپ پہلے میجک آئی سے دیکھ لیں... باہر کون ہے۔''

''اگر وہ کوئی دشمن ہے... تو میجک آئی کا انتظام تو وہ کر چکا ہو گا۔''

''اوہ ہاں... یہ بات تو ہے... میں دیکھتا ہوں۔''

انہوں نے اٹھ کر آنکھ میجک آئی سے لگا دی... باہر انہیں ایک سیدھا سادا سا آدمی کھڑا نظر آیا... انہوں نے کچھ کہے بغیر دروازہ

کھول دیا...

''فرمائیے؟''

''مجھے آپ سے ایک کام ہے۔''

''لیکن آپ نے دستک اتنے خوفناک انداز میں کیوں دی۔''

''بے دھیانی میں گھنٹی بہت زور سے دب گئی تھی اور پھر فوراً ہی بجی نہیں۔'' اس نے کہا۔

''لیکن بجی کیوں نہیں؟'' انہوں نے اس کی طرف غور سے دیکھا ... اندازہ لگانے کی کوشش کر رہے تھے ... کہ وہ شخص دراصل کیا ہے۔

''انگلی ہٹانا بھول گیا ... دراصل میں بھولتا بہت ہوں۔''

''خیر ... آپ یہ بتائیں ... کیا چاہتے ہیں۔''

''آپ کا نام انسپکٹر جمشید ہے نا۔''

''ہاں بالکل۔''

''آپ کے لیے میرے پاس ایک لفافہ ہے ... ابھی راستہ چلتے کسی نے دیا ہے ... اس نے کہا تھا ... وہ ذرا جلدی میں ہیں ... یہ لفافہ وہ سامنے والی گلی میں گرین ہاؤس میں انسپکٹر جمشید کو دے دیں۔''

یہ کہتے ہوئے انہوں نے لفافہ ان کی طرف بڑھا دیا۔

''اور آپ نے لفافہ اس شخص سے لے لیا۔''

''کسی کے کام آنا اچھی بات ہے ... میں کیوں یہ کام نہ کرتا۔''

''کیا آپ کو معلوم نہیں ... آج کل ملک میں جگہ جگہ دھماکے ہو رہے ہیں۔'' انہوں نے بتاتے ہوئے لہجے میں کہا۔

''لیکن یہ تو لفافہ ہے ... کیا لفافے میں بھی بم ہو سکتا ہے ... [illegible] اس میں صرف ایک کاغذ ہے۔''

''آج کل کسی بھی چیز میں بم ہو سکتا ہے ... لفافے میں بھی۔''

''ارے باپ رے ... پھر تو مجھ سے غلطی ہو گئی۔''

''اب آپ اس وقت تک یہاں سے نہیں جا سکتے ... جب تک کہ میں لفافہ کھول نہ لوں ... آپ اندر آ جائیں۔''

''نن ... نہیں۔'' اس نے خوف زدہ ہو کر کہا اور دوڑ لگا دی۔

''ارے ارے ... ٹھہرو ... ڈرو نہیں ... میں تمہیں کچھ نہیں کہوں گا۔'' وہ چلائے۔

اس نے مڑ کر بھی نہ دیکھا ... بس بھاگتا چلا گیا ... انہوں نے اسے جانے دیا ... کیونکہ وہ جھوٹا نہیں لگا تھا ... اب انہوں نے دروازہ اندر سے بند کیا اور لفافہ صحن میں لے آئے ...

''پروفیسر صاحب ... آپ ذرا جلدی سے اس لفافے کو چیک کر لیں۔''

اس وقت تک سب لوگ اپنے اپنے مورچوں سے نکل کر صحن میں آ پہنچے تھے ... انہوں نے لفافے کو چیک کیا ... اس میں کوئی خطرناک چیز نہیں تھی ...

"کوئی خطرے والی بات نہیں ہے جمشید۔"

"پھر تو میں نے اس بے چارے کو بلاوجہ ڈرا دیا۔" انسپکٹر جمشید نے افسوس کے لہجے میں کہا۔

اب انہوں نے لفافے کو کھولا ... اس میں سے خط نکلا اور پڑھنے لگے ...

"محترم انسپکٹر جمشید صاحب! مہربانی فرما کر فوراً نواب ریاست علی خان صاحب کے ہاں آ جائیں ... آپ کو آنا تو ویسے بھی ہے ... لیکن اب تو آپ کا آنا حد درجے ضروری ہو گیا ہے ... یہاں نواب ریاست علی خان کو موت کے گھاٹ اتارنے کی تیاری مکمل کر لی گئی ہے ... دعوت والے دن انہیں ٹھکانے لگانے کا پروگرام ہے ... اس لیے آپ پہلے ہی آ جائیں ... اور ان کی زندگی بچانے کی کوشش کر لیں۔"

"ارے باپ رے۔" مارے گھبراہٹ کے ان کے منہ سے نکلا۔

"لیکن ابا جان! یہ خط دھوکا بھی ہو سکتا ہے۔"

"ہاں ہو سکتا ہے ... کیس ہر پل نئی کروٹ لے رہا ہے ... پتا

لیں اصل چکر کیا ہے ... اور نواب ریاست علی خان کے ہاں کیا ہو رہا ہے یا کیا ہونے والا ہے ... بہر حال ہم صبح روانہ ہو رہے ہیں۔"

"اور دشمن یہی چاہتا ہے۔" فرزانہ بڑبڑائی۔

"ہاں، چاہتا ہے ... ہم مجبور ہیں ... وہاں جائے بغیر نہیں رہ سکتے۔"

اور پھر دوسرے دن صبح سویرے ان کا سفر ریاست کی طرف شروع ہوا ... نواب صاحب کی ریاست کا نام ریاست نواب تھا ... وہ کوئی ملک سے الگ ریاست نہیں تھی ... ملک میں شامل تھی ... لیکن ایک طرح سے وہ نواب صاحب کی ملکیت تھی ... ان کا خاندان کئی صدیوں سے نوابوں کا خاندان چلا آ رہا تھا ... یہاں تک کہ انگریز دور میں بھی یہ خاندان اپنی جاگیر کا مالک رہا تھا... نہ جانے کیوں انگریز نے ان کی جاگیر پر قبضہ نہیں کیا تھا ... وجہ اس کی کچھ بھی رہی ہو ... اس کے بعد کسی حکومت نے بھی اس خاندان کو تنگ نہیں کیا تھا... اور اس طرح نواب در نواب کا سلسلہ چلا آ رہا تھا ... موجودہ نواب کا تو نام ہی نواب ریاست علی خان تھا ... گویا پوری جاگیر کے اب یہ مالک تھے ... اتنا ضرور ہے ... اس ریاست کے نواب حکومت کا ہر طرح ساتھ دیتے چلے آئے تھے ... اور شاید اس خاندان نے انگریزوں کا بھی اسی

طرح ساتھ دیا ہو گا ... تبھی انہوں نے انہیں کچھ نہیں کہا ہو گا ...

نواب ریاست علی ہر سال اپنے دوستوں کو نومبر کے مہینے میں ریاست میں بلاتے تھے ... پوری ریاست کو دلہن کی طرح سجایا جاتا تھا اور مہمانوں کا خوب استقبال ہوتا تھا ... کئی دن تک پوری ریاست میں خوب رونق رہتی تھی ... نواب صاحب کے ہاں دعوتیں اڑتی تھیں اور شکار کا پروگرام بھی بنتا تھا ... خوب شکار کھیلا جاتا تھا ...

ریاست کے جنوب میں ایک گھنا جنگل تھا ... یہ جنگل بہت دشوار گزار تھا ... اس کے دوسری طرف بلند پہاڑ تھے ... اس طرح یہ پہاڑ اور پہاڑ کے ساتھ جنگل ریاست کی حفاظت کرتے تھے ... پہاڑ تقریباً عمودی شکل کے تھے ... اس کے دوسری طرف شارجستان کا علاقہ تھا ... گویا شارجستان اور ریاست کے درمیان یہ پہاڑی سلسلہ سرحد اور فصیل کا کام دیتا تھا ...

جنگل میں شکار قدرتی طور پر مل جاتا تھا ... یہ بات نہیں تھی کہ شکار کھیلنے کے لیے شکار گاہ بنائی گئی تھی ... نہیں بلکہ وہ جنگل بھی برسوں سے چلا آرہا تھا ... جنگل میں ہر قسم کے جانور اور درندے موجود تھے اور اس طرح وہ ایک خطرناک جنگل تھا ... ان درندوں سے بچاؤ کے لیے ریاست کے گرد خاردار تار لگائے گئے تھے اور خاردار تار کی دیوار

اتنی اونچی تھی کہ کوئی درندہ چھلانگ کر اس دیوار کو پھلانگ نہیں سکتا تھا ... شکار کے لیے اس دیوار میں راستہ رکھا گیا تھا ... وہ راستہ بند رہتا تھا ... اس شکار کے لیے اسے کھولا جاتا تھا ...

خان رحمان ، پروفیسر داؤد اور انسپکٹر جمشید چونکہ خاندانی لوگ تھے ... ان کے باپ دادا بھی اس نواب خاندان کے دوست تھے ... لہذا یہ لوگ بھی نواب صاحب کے دوست تھے ...

دارالحکومت سے ریاست کا فاصلہ چھ گھنٹے کا تھا ... ان کا سفر جاری تھا اور پہاڑی سلسلہ ابھی شروع ہوا تھا کہ اچانک بارش شروع ہو گئی ...

"لو بھئی ... یہ بھی ہونا تھا ۔" انسپکٹر جمشید کے منہ سے نکلا ۔

"اللہ جو کرتے ہیں ، اچھا ہی کرتے ہیں ... " پروفیسر داؤد نے فوراً کہا ۔

"بے شک !" سب نے ایک ساتھ کہا ۔

اور پھر بارش کے ساتھ ہی اولے شروع ہو گئے ... موسم اگرچہ ابھی سردی کا شروع نہیں ہوا تھا ... لیکن اللہ کی شان کہ اس موسم میں اولے برس رہے تھے ... گاڑی کے شیشے پر تڑ تڑ اولوں کا شور گونجنے لگا ... لمحہ بہ لمحہ اولے بڑھتے ہی چلے گئے ...

''اللہ اپنا رحم فرمائے ... سڑک اب سفید نظر آنے لگی ہے۔''

''تو کہیں رک کر پناہ کیوں نہ لے لی جائے۔'' خان رحمان نے کہا۔

''ہاں جمشید ... کہیں اولوں سے گاڑی کا شیشہ ٹوٹ گیا تو پھر بچت کا کوئی سامان نہیں رہ جائے گا۔''

''اچھی بات ہے، دیکھیں... دائیں بائیں ... کوئی جگہ نظر آتی ہے۔''

اب ان میں سے کچھ دائیں طرف اور کچھ بائیں طرف دیکھنے لگے ... اچانک فرزانہ کی آواز سنائی دی ...

''اس طرف ... کوئی نظر آیا ہے۔''

اس کا اشارہ بائیں طرف تھا... سب غور سے دیکھنے لگے ... انھیں بھی اس شخص کی جھلک نظر آنے لگی ...

''پتا نہیں ... اس طرف کوئی راستہ جاتا ہے یا نہیں ... اس وقت تو ساری زمین سفید ہو رہی ہے ... اور اس طرف گاڑی کو اتار دینا خطرناک ہو سکتا ہے ... اس وقت کم از کم ہم سڑک پر تو ہیں۔''

''یہ بات بھی ٹھیک ہے ... اس طرف ایک سایہ سا نمودار ہوا تھا ... کوئی شخص بہت موٹا کمبل اپنے اوپر لپیٹے سڑک کی طرف آرہا تھا...

''شاید ان لوگوں نے ہماری گاڑی دیکھ لی ہے ... ورنہ اولوں کے طوفان میں کون سڑک کی طرف آنے کی جرات کر سکتا تھا۔''

یہ کہتے ہی انہوں نے گاڑی روک دی اور اس شخص کے آنے کا انتظار کرنے لگے ... وہ لمحہ بہ لمحہ قریب آرہا تھا ... آخر خدا خدا کر کے وہ گاڑی تک آگیا ... اس نے سر اور چہرہ کمبل میں اس طرح لپیٹ رکھا تھا کہ صرف آنکھیں نظر آرہی تھیں ...

''آگے نہ جائیں صاحب ... اس طوفان میں گھر جائیں گے ... آگے چند خطرناک موڑ ہیں ... اور سڑک یہاں سے لمحہ بہ لمحہ بلند ہوتی چلی جائے گی ... سڑک کے دونوں طرف کھائیاں ہیں ... آپ کو پتا ہی نہیں چلے گا اور گاڑی کسی کھائی میں جاگرے گی۔''

''تب پھر کیا کریں۔''

''اس طرف ہمارے پاس جگہ ہے ... اولوں اور بارش کا طوفان تھمنے تک آپ وہاں ٹھہر سکتے ہیں ... لیکن ہم لوگ غریب ہیں ... مفت آپ کی خدمت نہیں کر سکتے۔''

''آپ اس کی فکر نہ کریں ... ہم لوگ غریب نہیں ہیں۔''

''آپ میرے پیچھے آئیں ... آپ کو پندرہ منٹ تک آنا پڑے گا۔''

''کوئی بات نہیں ... لیکن آپ گاڑی پر کیوں نہیں آجاتے۔''

''گاڑی پر بیٹھنے کی صورت میں سڑک کا درست اندازہ نہیں لگا سکوں گا ... اور سڑک بہت پتلی سی ہے ... یعنی مین سڑک سے ہماری رہائش تک سڑک پتلی بھی ہے اور ٹوٹی پھوٹی بھی ... اس لیے مجھے پیدل ہی چلنا ہو گا۔''

''اچھی بات ہے۔''

وہ چل پڑا ... گاڑی اس کا تعاقب کرنے لگی ... انھیں رہ رہ کر اس پر ترس آ رہا تھا ... بے چارہ روزی کے لیے کتنے طوفان میں گھر سے نکلا تھا... ترس کے ساتھ وہ یہ خیال بھی کر رہے تھے کہ کہیں وہاں ان کے لیے کوئی چکر نہ تیار ہو ... اس قسم کے نہ جانے کتنے واقعات ان کے ساتھ پیش آچکے تھے... لیکن وہ اس طرف جانے کے سوا اور کچھ کر بھی تو نہیں سکتے تھے ...

اور پھر پندرہ منٹ بعد وہ ایک بڑے اور پرانے مکان تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے ... مکان پتھروں کے ٹکڑوں سے بنایا گیا تھا... اور اس میں بہت کاری گری لڑائی گئی تھی ... مکان کے باہر برآمدہ تھا... وہ گاڑی سے اتر کر برآمدے میں آگئے ... اور ان دیواروں کو دیکھنے لگے ...

''یہ مکان آپ لوگوں نے خود بنایا ہے ... یا کسی سے بنوایا ہے۔''

''یہ ہمارے دادا جان نے بنایا تھا ... والد صاحب اور تین بھائیوں نے ان کی مدد کی تھی ... نہ جانے کتنی مدت تک وہ پتھر تراشتے رہے تھے ... اس علاقے میں دراصل اینٹوں کے مکان قائم نہیں رہتے ... بہت جلد گر جاتے ہیں یا ٹوٹ پھوٹ جاتے ہیں ... یہ سرزمین زلزلوں کی سرزمین ہے۔''اس نے منہ بنایا۔

''اوہ!'' ان کے منہ سے نکلا۔

''آئیے ... میں آپ کو وہ کمرہ دکھاتا ہوں ... جس میں آپ کو آرام کرنا ہے۔''

وہ اس کے پیچھے اندر داخل ہوئے اور پھر اس کمرے میں آگئے... کمرہ مستطیل تھا ... اور کافی بڑا تھا ... اس میں آٹھ نو چارپائیاں تھیں... چارپائیاں پرانی طرز کے بانوں سے بنائی گئی تھی ...

''ان پر سو سکیں گے آپ۔''اس نے پوچھا۔

''ہاں کیوں نہیں ... ہم ہر قسم کے حالات میں رہ سکتے ہیں ... آپ فکر نہ کریں۔''

اب اس نے ان کے سامنے اپنا کمبل
پر نظر پڑتے ہی انسپکٹر جمشید کو ایک زور دار جھٹکا

طوفان کے بعد

ساتھ ہی ان کے منہ سے مارے خوف کے نکلا:

"ارے باپ رے... یہ کیا۔"

"خیر تو ہے جمشید۔" پروفیسر داؤد گھبرا گئے۔

"لگتا ہے، ہم غلط جگہ آ گئے... لیکن اب تو آ گئے، اب کیا ہو سکتا ہے۔"

"کیا کہا آپ نے... غلط جگہ آ گئے۔"

"ہاں! میں نے یہی کہا ہے..." انسپکٹر جمشید نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔

"آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔" اس شخص نے حیران ہو کر کہا۔

"اگر میں غلطی نہیں کر رہا تو آپ کا نام رسال ہے۔"

"رسال۔" اس کے منہ سے مارے حیرت کے نکلا۔

"ہاں! رسال۔"

"نہیں جناب! آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے... میرا نام تو رزی ہے۔"

"آپ کا کوئی جڑواں بھائی تو نہیں ہے۔"

"جی میرا... نہیں تو، میرا تو کوئی بھائی ہے ہی نہیں... ہاں بہنیں ہیں تین... یہیں رہتی ہیں... ماں باپ بھی یہیں رہتے ہیں۔"

"ہوں... تب تو مجھے غلط فہمی ہی ہوئی ہے... خیر... ہم اس کمرے میں گزارہ کر لیں گے... آپ کا بہت بہت شکریہ۔"

"لل... لیکن میں نے آپ کو بتایا نا... کک۔"

"ہاں ہاں! آپ فکر نہ کریں... آج کا دن اور رات کو تو یہاں ٹھہرنا ہی ہو گا... صبح جب ہم جائیں گے تو آپ کا حساب کتاب کر کے جائیں گے۔"

"جی نہیں۔" اس نے انکار میں سر ہلا دیا۔

"کیا نہیں۔"

"ایک بار ایک فیملی ہمارے ہاں ٹھہری تھی... صبح منہ اندھیرے حساب کتاب دیے بغیر چلی گئی... حالانکہ ہم نے انھیں رات کا کھانا بھی کھلایا تھا۔"

"اوہ اچھا! یہ بات ہے... خیر آپ بتائیں... ایک رات کا

کرایہ کتنا ہے... اور ہاں! ہم کھانا بھی کھائیں گے ...اس کا بل بھی
ساتھ ہی بتا دیں۔''

''وہ تو پہلے آپ بتائیں گے۔'' اس نے حیران ہو کر کہا۔

''کیا بتائیں گے ... اور آپ کو حیرت کس بات پر ہے۔''
انہوں نے پوچھا۔

''آپ کو بتانا ہوگا کہ آپ کیا کھانا پسند کریں گے ... پھر میں
بتاؤں گا... آپ کا کتنا خرچ آئے گا۔''

''آپ کی بات معقول ہے ... اچھا بیٹھ کر بات کر لیتے ہیں ...
یوں کب تک کھڑے رہیں گے۔''

اور وہ سب چارپائیوں کی پٹیوں پر ٹک گئے۔

''ہاں! اب بتائیں ... آپ ہمیں کیا کھلا سکتے ہیں۔''

''ہمارے ہاں آپ کو بکرے کا گوشت مل سکتا ہے ... دیسی
مرغیاں مل سکتی ہیں ... کوئی دال کھانا پسند کریں گے تو وہ بھی مل سکتی
ہے ... میٹھی چیزوں میں زردہ، یا کھیر مل سکتی ہے ...''

''یہ چیزیں آپ کو پکانا پڑیں گی یا آپ کے پاس پکی پکائی
موجود ہیں۔''

''جی نہیں ... ہم لوگ تو اپنے مطابق کھانا تیار کرتے ہیں ...

کوئی چاہے تو اس کی مرضی کے مطابق تیار کرتے ہیں۔''

''اور تیار کون کرتا ہے ... آپ خود؟'' انہوں نے پوچھا۔

''میں کیوں کرنے لگا تیار ... میری والدہ اور بہنیں جو ہیں۔''

''خوب! ہمارے لیے چھوٹا گوشت تیار کرا دیں ... اور ہم نان
نہیں کھاتے ... روٹیاں پسند کرتے ہیں ... میٹھی چیز میں کھیر چلے گی ...''

''بس آپ فکر نہ کریں ... ایک گھنٹے بعد آپ کو کھانا مل جائے
گا... اس کمرے کا ایک رات کا کرایہ تین سو روپے اور کھانے کا بل
چار سو روپے بنے گا۔'' اس نے کہا۔

''کیا!!!'' مارے حیرت کے خان رحمان کے منہ سے نکلا۔

''کک ... کیا میں نے کچھ زیادہ بتا دیا۔'' وہ بوکھلا اٹھا۔

انہوں نے کوئی جواب نہ دیا ... وہ تو اسے غور سے گھور رہے
تھے... جب ان کی طرف سے کوئی جواب نہ ملا تو اس نے پھر کہا۔

''آپ کمرے کا کرایہ دو سو روپے دے دیجیے گا اور کھانے کے
بھی تین سو روپے دے دیجیے گا۔''

''میرا مطلب یہ نہیں تھا...'' خان رحمان بڑبڑائے...

''جی کیا مطلب ... کیا مطلب تھا آپ کا۔''

''میرا مطلب ہے ... اتنا کم کرایہ ... اور کھانے کا بل اتنا کم

... ہم چھ افراد ہیں ... چھ آدمیوں کے کھانے کا بل آج کل کم از کم ... اور سستے سے سستے ہوٹل میں بھی 1200 سو روپے تو بن جاتا ہے ... اور یہ اتنا بڑا کمرہ ہے... اس میں آٹھ چارپائیاں ہیں ... اس کا کرایہ بھی کم از کم 400روپے ہونا چاہیے ۔''

''نہیں جناب ... کون دیتا ہے ... اتنا بل ... اور کرایہ ... میں نے بتایا نا ایک فیملی تو صبح اٹھ کر بل دیے بغیر چلی گئی تھی ۔''

''یہ کب کی بات ہے ۔''

''ابھی آٹھ روز پہلے کی ۔''

''اور ان لوگوں کو جانا کہاں تھا ؟''

''ریاست نواب سے کچھ پہلے ایک قصبہ آتا ہے ... قصبہ ہیرو۔''

''ان میں کسی کا حلیہ بتا سکتے ہیں ۔''

''حلیہ ... کیوں ... یہ آپ حلیہ کیوں پوچھ رہے ہیں ۔'' اس نے حیران ہو کر پوچھا۔

''اس بات کو چھوڑیں ... اور اگر بتا سکتے ہیں تو بتا دیں ۔''

''ہاں ! ان میں سے ایک تو بہت آسانی سے پہچانا جا سکتا ہے ... کیونکہ اس کا بایاں کان کٹا ہوا تھا ... جیسے کسی جانور نے کاٹ ڈالا ہو ۔''

''بس اتنا ہی حلیہ کافی ہے ... انھیں آپ نے کمرے کا کرایہ اور کھانے کا بل کتنا بتایا تھا ۔''

''بس یہی تین ... تین سو روپے کرایے کے اور تین سو کھانے کے ۔''

''اور وہ چھ سو روپے دیے بغیر چلے گئے ... ان کے لہجے میں افسوس ہی افسوس تھا ۔''

''جی ... جی ہاں ... دنیا میں سبھی طرح کے لوگ ہوتے ہیں ۔''

''خان رحمان ... پہلے تو انھیں وہ چھ سو روپے اور شامل کر کے دے دو ... پھر اپنے بل کو چار سے ضرب دے کر دے دو ۔''

''مم ... مم ۔'' خان رحمان ہکلائے ۔

''رہنے دیجیے صاحب ... آپ اپنے کھانے کا بل اور کرایہ ہی دے دیں ۔'' اس نے خان رحمان کی ہکلاہٹ کا غلط مطلب سمجھا ۔

''آپ غلط سمجھے ۔'' خان رحمان نے جلدی سے کہا ۔

''اور میں کیا غلط سمجھا ؟''

''مم ... تو کہنا لگا تھا ... ضرب تو میں اسکول میں دیا کرتا تھا ... اب کیسے دوں ... اب تو ۔''

''حد ہو گئی خان رحمان ... مذاق نہ کرو ... انھیں پیسے دے دو۔''

''اچھی بات ہے... یہ لیں میاں۔'' انہوں نے جیب سے ہزار ہزار روپے کے دس نوٹ نکال کر اسے دے دیے۔

''یہ... یہ... یہ کیا۔'' وہ بوکھلا اٹھا۔

''یہ دس ہزار ہیں... اس میں اس فیملی کے چھ سو روپے بھی شامل ہیں۔''

''لیکن ان چھ سو کے علاوہ بھی تو آپ نو ہزار چار سو دے رہے ہیں۔''

''آپ یہ رکھ لیں... ہم اپنی مرضی سے دے رہے ہیں۔''

''یہ... یعنی... یہ سارے۔''

''ہاں! یہ آج رات کے کھانے اور کمرے کا بل ہے... صبح کے ناشتے کا بل صبح دیں گے۔''

''جی نہیں... آپ مجھے شرمندہ نہ کریں... ان پیسوں سے تو ہم آپ کو پندرہ دن تک کھانا کھلا سکتے ہیں۔''

''ہرگز نہیں۔'' خان رحمان نے بلند آواز میں کہا۔

''جی کیا مطلب۔''

''میرا مطلب ہے... یہ صرف رات کا بل ہے... صبح کے ناشتے کا بل صبح... اب آپ جائیں اور کھانا تیار کرائیں... ہمیں اب بھوک

لگی ہے۔''

''اچھی بات ہے۔''

وہ حیرت زدہ اور خوش خوش چلا گیا۔

''یہ... یہ کیا چکر ہے... ابا جان! آپ پہچاننے میں غلطی نہیں کر سکتے... اور یہ رسال کون ہے۔''

''ایک پرانا جرائم پیشہ... اس شخص رزی کی شکل صورت بالکل اس جیسی ہے۔''

''تب تو یہ وہی ہوگا۔'' محمود بڑبڑایا۔

''ضروری نہیں... مجھ سے غلطی ہو سکتی ہے... لیکن اگر یہ وہی ہے تو ہمارے ساتھ رات کو کوئی گڑبڑ ضرور ہوگی... اس لیے باری باری جاگ کر پہرہ دیں گے۔''

''بالکل ٹھیک۔'' سب نے ایک ساتھ کہا۔

ٹھیک ایک گھنٹے بعد رزی اندر داخل ہوا... اس نے دونوں ہاتھوں میں ایک بڑی ٹرے پکڑ رکھی تھی... انہوں نے دیکھا... ٹرے کھانے سے بھری ہوئی تھی...

''یہ تو آپ بہت زیادہ کھانا لے آئے۔''

''آپ نے رقم بھی تو اس قدر زیادہ دی ہے۔

''وہ ہم نے اس لیے نہیں دی تھی ... کہ بہت زیادہ کھانا ہوا تا چاہتے تھے۔ ہم بہت کم کھانے والے لوگ ہیں ... یعنی ضرورت سے زیادہ ہرگز نہیں کھاتے ... بلکہ ہم تو بھوک رکھ کر کھاتے ہیں ... خیر اب کچھ نہ کچھ کھانا پڑے گا ... آخر آپ لوگوں نے اتنی محنت کی ہے۔''

''یہ تو ہمارا کام ہے جناب!'' رزی مسکرایا۔

اور وہ چلا گیا ... وہ کھانے کی طرف متوجہ ہو گئے ... اور پھر ایک عجیب بات ہوئی ... آدھ گھنٹے بعد رزی اندر داخل ہوا اور بری طرح اچھلا ... ادھر وہ اسے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہے تھے ...

''یہ ... یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں۔'' اس کے منہ سے نکلا۔

''جو آپ دیکھ رہے ہیں ... وہی بات ہے۔''

''لیکن! آپ نے تو بتایا تھا کہ آپ بہت کم کھاتے ہیں ... بھوک رکھ کر کھاتے ہیں ... لیکن ... یہاں تو۔'' وہ کہتے کہتے رک گیا۔

''ہاں! آپ لوگوں نے جو کچھ تیار کیا تھا ... وہ اگرچہ بہت زیادہ تھا ... آٹھ دس آدمیوں کو کافی تھا ... لیکن ہم پانچ آدمیوں نے وہ سب کا سب کھا لیا اور۔'' انسپکٹر جمشید کہتے کہتے رک گئے ...

''اور وہ کیا؟''

''اور ... ایسا زندگی میں شاید پہلی مرتبہ ہوا ہے۔''

''کک ... کیا۔''

''یہ کہ میں نے اتنا زیادہ کھایا ہے ... لیکن ہم کیا کرتے ... ہم نے اتنا مزے دار کھانا زندگی میں پہلی بار ہی کھایا ہے ... خود میری بیگم کھانے بنانے کی بہت بڑی ماہر ہیں ... اور ان کے بنائے ہوئے کھانے اس قدر لذیذ ہوتے ہیں کہ کیا بتاؤں ... لیکن یہ بھی سچ ہے کہ یہ کھانے ان کے کھانوں سے بھی بازی لے گئے ... اور ہمیں حیرت تو ان لوگوں پر ہے ... جو آپ کا بل دیے بغیر چلے گئے ... آپ کو تو انہیں انعام دے کر جانا چاہیے تھا ... خیر ... یہ کام ہم کریں گے۔''

''نہیں نہیں ... آپ نے تو پہلے ہی بہت زیادہ پیسے دے دیے ہیں ... پورے دس ہزار روپے۔''

''یہ کچھ بھی نہیں۔'' خان رحمان نے جلدی سے بولے۔

''خیر! اب آپ یہ برتن لے جائیں ... صبح ہم ناشتہ کر کے جائیں گے ... یہاں سے ریاست نواب کتنی دور ہے۔''

''ایک گھنٹے کا فاصلہ باقی ہے۔''

''بہت خوب؟''

رزی برتن اٹھا کر چلا گیا ... کھانے کے بعد چہل قدمی کے لیے تو جا نہیں سکتے تھے ... وہیں گھر کے صحن میں گھومنے لگے ...

دوسری صبح ان کے لیے ناشتا تیار تھا ... ناشتا بھی بہت زیادہ مزے دار تھا ... چائے بھی بہت زبردست تھی ... انھوں نے سارا ناشتا اور چائے صاف کر دی ... اس وقت پروفیسر داؤد نے کہا۔

''میں اگر چند دن یہاں رہ جاؤں تو پیٹو بن جاؤں گا۔''

وہ ہنس دیے ... خان رحمان نے پانچ ہزار روپے کے نوٹ رزی کے ہاتھ میں تھما دیے۔

''نہیں صاحب ... یہ ... یہ بہت زیادہ ہیں۔''

''بس آپ رکھ لیں ... واپسی پر بھی ان شاء اللہ ہم ایک رات یہاں ضرور ٹھہریں گے ... اس وقت تو ہمیں خراب موسم کی وجہ سے آنا پڑا تھا ... لیکن واپسی پر صاف موسم کے باوجود ہم یہاں رکیں گے۔''

''ہم لوگ آپ کے شکر گزار ہوں گے۔'' اس نے خوش ہو کر کہا۔

اور پھر وہ وہاں سے روانہ ہوئے ... سڑک اب صاف ہو چکی تھی ... اولے پگھل چکے تھے ... اور سورج بھی نکل آیا تھا ... لہٰذا ہر چیز دھلی دھلی اور نہائی نہائی لگ رہی تھی ... وہ خوش گوار موڈ میں روانہ ہوئے تھے ... اور ارادہ تھا کہ اب ریاست نواب میں جا کر ہی دم لیں گے ... ایسے میں انسپکٹر جمشید کی نظریں سنگِ میل پر پڑیں ... اس پر لکھے

ہوئے نام نے انھیں چونکا دیا ... وہ اچانک پکار اٹھے ...

''ذرا رکنا خان رحمان۔''

''خیر تو ہے۔''

''ہاں ... وہ دیکھیے ... سنگِ میل آ رہا ہے ... اس پر کیا لکھا ہے بھلا۔''

انھوں نے عجیب سے لہجے میں کہا:

☆☆☆☆☆

نور خان

خان رحمان نے گاڑی آہستہ کر لی... اس پر لکھا تھا...

''قصبہ پیرو... اکلو میٹر۔''

''اس پر قصبہ پیرو لکھا ہے... اور قصبہ پیرو یہاں سے ایک کلو میٹر کے فاصلے پر ہے... کیوں نہ کچھ وقت اس قصبے میں بھی گزار لیں... ریاست کے قریب تو ہم پہنچ ہی چکے ہیں۔''

''لیکن ابا جان! ہم وہاں جا کر کیا کریں گے؟'' فاروق نے منہ بنایا۔

''بھئی کرنا کرانا کیا ہے... بس ذرا سیر ہو جائے گی۔''

''گھبراؤ نہیں... اس قصبے میں کوئی کیس ہمارے پلے نہیں پڑے گا۔'' محمود نے مسکرا کر کہا۔

''یہ بات تم یقین سے کیسے کہہ سکتے ہو۔'' فاروق اس کی طرف پلٹ پڑا۔

''میں نے کب کہا... کہ یہ بات میں یقین سے کہہ رہا ہوں... میں نے تو بس ایک خیال ظاہر کیا ہے... ورنہ ہونے کو اس دنیا میں کیا نہیں ہو سکتا۔''

''چلیے پھر، ایک چکر اس قصبے کا بھی سہی۔''

خان رحمان نے گاڑی قصبے والی سڑک پر موڑ دی... جلد ہی قصبے کے آثار نظر آنے لگے اور پھر ان کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں... قصبہ بے حد خوب صورت تھا اور اس میں بلند و بالا عمارتیں نظر آ رہی تھیں... گویا وہ صرف نام کا قصبہ تھا... ورنہ وہ تو کئی بڑے شہروں سے زیادہ خوب صورت تھا... البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ رقبے کے اعتبار سے وہ چھوٹی سی جگہ ہو... ابھی وہ آہستہ رفتار سے چلے جا رہے تھے کہ سڑک پر ایک شخص کھڑا نظر آیا... اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا سرخ جھنڈا تھا... وہ جھنڈے کو اس طرح حرکت دے رہا تھا... گویا انہیں رکنے کا اشارہ کر رہا تھا...

''کیا خیال ہے جمشید... رک کر اس کی بات سن لی جائے۔''

''ہاں بالکل! یہ علاقہ ہمارے لیے بالکل نیا ہے... ہو سکتا ہے، اس سے معلومات حاصل ہو جائیں۔'' انہوں نے کہا۔

خان رحمان نے گاڑی اس شخص کے بالکل قریب روک دی...

وہ لپک کر کھڑکی کے پاس آیا...

''قصبے کا سب سے اچھا ہوٹل... ہوٹل براری سر... آپ کو گھر جیسا آرام ملے گا... کھانے بھی اتنے لذیذ کہ دنیا کے تختے پر آپ نے نہیں کھائے ہوں گے۔''

''یہ تو خیر نہیں ہو سکتا۔'' خان رحمان مسکرائے۔

''کیا نہیں ہو سکتا۔''

''کھانے تو ہم نے بہت بہت لذیذ کھا رکھے ہیں... کوئی اور بات کرو۔''

''ہمارے ہوٹل میں... یعنی ہوٹل براری میں آپ کو دنیا کی ہر چیز ملے گی۔''

''تو کیا... ہوٹل براری اس قصبے کا سب سے اچھا ہوٹل ہے۔'' خان رحمان نے کہا۔

''اس میں شک نہیں۔'' وہ فوراً بولا۔

''کیا خیال ہے جمشید۔''

''چلو اس کی بات مان لیتے ہیں... بے چارہ ضرورت مند لگتا ہے... اور غالباً یہ ہوٹل کا ملازم نہیں ہے... بس ہوٹل کے لیے گاہک وہاں تک لے جاتا ہے... اور وہ لوگ اسے پیسے دیتے ہیں...

کیوں بھئی... یہی بات ہے نا۔'' انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

اس کا رنگ اڑ گیا... پھر چہرے پر شدید حیرت نظر آئی... آخر اس نے کہا۔

''آپ نے اس قدر درست اندازہ کس طرح لگایا۔''

''تو بات یہی ہے۔'' خان رحمان نے حیران ہو کر پوچھا۔

''ہاں جناب! آپ کے ساتھی نے سو فیصد درست اندازہ لگایا ہے۔''

''تب ہم ضرور ہوٹل براری ہی جائیں گے... کم از کم اس طرح تمہارا تو بھلا ہو جائے گا... ویسے گاہک وہاں لے جانے کے کتنے پیسے دیتے ہیں آپ کو۔'' انہوں نے پوچھا۔

''سو روپے فی گاہک... آپ پانچ ہیں... گویا وہ پانچ سو روپے دیں گے۔''

''اوہ اچھا... آ جائیں آپ بھی گاڑی پر۔''

''میں پیدل چلتا ہوں... آپ کے آگے۔''

''اس طرح آپ کو دوڑنا پڑے گا... یہ اچھا نہیں لگے گا۔'' خان رحمان نے کہا۔

''کیا اچھا نہیں لگے گا۔''

"یہ کہ ہم گاڑی پر سوار ہوں اور کوئی ہمیں راستہ دکھانے کے
لیے آگے آگے دوڑے ... یا تو ہم سب پیدل جائیں یا آپ گاڑی پر
چلیں گے ۔"

"اچھی بات ہے ... جیسے آپ کی مرضی ۔"

انہوں نے اسے گاڑی پر بٹھا لیا ... اب وہ انہیں راستہ بتانے لگا
... ایسے میں فاروق نے کہا ۔

"لیکن انکل ! ہم یہاں رات نہیں گزاریں گے ... لہذا ہوٹل
میں ٹھہر کر کیا کریں گے ۔"

"ہوٹل میں رات گزارنے کا پروگرام نہیں ہے ... کچھ وقت گزار
لیں گے ... دوپہر کا کھانا کھا لیں گے ... اس طرح انہیں پانچ سو
روپے مل جائیں گے ۔"

"بلکہ ایک ہزار ۔" پروفیسر داؤد نے کہا ۔

"بلکہ پندرہ سو ۔" انسپکٹر جمشید بول اٹھے ۔

"تو کیا ہم بھی پانچ پانچ سو روپے بڑھا دیں ۔" محمود نے گھبرا
کر کہا ۔

"تو اس میں گھبرانے کی کیا ضرورت ہے ۔" فاروق نے اسے
گھورا ۔

"ہاں واقعی ... گھبرانے کی تو کوئی بات نہیں ... بلکہ یہ تو خوشی
کی بات ہے ۔" فرزانہ مسکرائی ۔

"اگر یہ بات خوشی کی بات ہے تو پھر میں پانچ سو روپے شامل
کر لیتا ہوں ۔" محمود نے فوراً کہا ۔

"اور میں بھی ۔" فاروق کی آواز ابھری ۔

اب سب نے پانچ پانچ سو روپے نکالے اور اس کے ہاتھ پر رکھ
دیے ...

"کیا مطلب ؟" مارے حیرت کے اس کے منہ سے نکلا ۔

"ہوٹل والے تو آپ کو پانچ سو روپے دیں گے ... یہ ہماری
طرف سے بھی رکھ لیں ۔"

"لیکن یہ بہت زیادہ ہیں ۔"

"کوئی بات نہیں ... ویسے آپ ہوٹل میں ملازمت کیوں نہیں کر
لیتے ۔"

"وہ ملازمت دیتے ہی نہیں ... بس کہتے ہیں ... گاہک لے آؤ
... پیسے دے دیں گے ... یعنی فی گاہک ایک سو روپے ۔"

"تو پھر ا اس طرح کتنے روز کما لیتے ہیں ۔"

"دو چار سو بن جاتے ہیں ... کبھی ایک سو بھی نہیں ... ہاں

برف باری کے موسم میں سیر کرنے والے بہت آتے ہیں ... ان دنوں کافی پیسے بن جاتے ہیں ... وہ ہم سال بھر احتیاط سے خرچ کرتے ہیں۔"

"ہوں ... کیا آپ پڑھے لکھے نہیں ہیں۔"

"میں نے بی اے کیا تھا ... لیکن کوئی ملازمت نہیں ملی۔" اس کا لہجہ دکھ بھرا تھا۔

"یہ جان کر رنج ہوا ... خیر ... اگر آپ دارالحکومت میں کوئی ملازمت کرنا چاہیں تو ہم اس سلسلے میں آپ کی مدد کریں گے۔"

"جی ... دارالحکومت ... لیکن یہاں میرے بوڑھے ماں باپ بھی رہتے ہیں ... وہ کسی صورت میں اپنا گھر چھوڑ کر نہیں جائیں گے۔"

"ہوں ... خیر ... پھر تو مجبوری ہے۔"

"لیجیے! ہم پہنچ گئے۔"

انہوں نے چونک کر دیکھا ... ان کے سامنے ایک بہت شان دار ہوٹل تھا ... عمارت بلند اور کافی رقبے میں پھیلی ہوئی تھی ... جونہی ان کی گاڑی دروازے پر رکی ... تین بیرے ان کی طرف لپکے ... ایک نے آتے ہی خان رحمان سے کہا ...

"یہ لایا ہے آپ کو۔"

"ہاں!"

"نور خان ... تم شرط جانتے ہی ہو ... اگر ان حضرات نے ہوٹل میں وقت گزارا تو صبح تمھیں تمھارے پیسے مل جائیں گے ... کاؤنٹر پر لکھوا دو ... تم پانچ افراد کو لے کر آئے ہو۔"

"جی اچھا۔"

اس نے کہا اور اندر چلا گیا ... ادھر بیرے ان کا سامان اٹھانے لگے ...

"نہیں بھئی ... ہم رات یہاں نہیں ٹھہریں گے ... ہاں کچھ دیر ضرور ٹھہریں گے ... کھانا کھائیں گے اور بس۔"

"پھر تو بے چارے نور خان کے پیسے مارے گئے۔"

"وہ کیوں؟"

"اس سے رات کو ٹھہرنے کی شرط ہے۔"

"خیر ... انہوں نے کندھے اچکائے ... وہ چلے اندر کی طرف ... اسی وقت نور خان آتا نظر آیا ... انھیں دیکھ کر اس نے مسکرا کر ہاتھ ہلایا ...

"نور خان! یہ لوگ تو تمھیں صرف اسی صورت میں پیسے دیتے ہیں ... جب تمھارے لائے ہوئے لوگ رات کو یہاں ٹھہریں ...

''جی ہاں! یہی بات ہے۔''

''پھر تم اندر کیوں گئے تھے۔''

''اندراج تو کرانا پڑتا ہے... بعض لوگوں کا ٹھہرنے کا پروگرام نہیں ہوتا، پھر بھی وہ ٹھہر جاتے ہیں۔''

''اوہ اچھا... ویسے نور خان... ہماری ایک خواہش ہے۔'' خان رحمان کی آواز ابھری۔

سب نے چونک کر ان کی طرف دیکھا... کیونکہ انھیں نہیں معلوم تھا کہ ان کی خواہش کیا ہے۔''

''جی فرمایے۔''

''آپ آج ہمارے ساتھ کھانا کھائیں۔''

''جی... م... میں۔'' اس نے گھبرا کر بیروں کی طرف دیکھا۔

''ہاں ہاں... ہم آپ کو دعوت دے رہے ہیں... ان حضرات کو بھلا کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔''

''نہیں سر... کوئی اعتراض نہیں۔'' ایک بیرے نے جلدی سے کہا۔

''بس نور خان... سن لیا۔''

''جی سر... لیکن میں آپ کے ساتھ کھانا نہیں کھاؤں گا۔''

''کیوں۔'' ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

اس وقت تک وہ اندر داخل ہو چکے تھے... انھوں نے دیکھا... ہوٹل اندر سے بھی شان دار تھا... دروازے کے بائیں طرف کاؤنٹر تھا... اور ساتھ ہی ایک بہت بڑا ہال تھا... ہال میں شاہانہ قسم کی میز اور کرسیاں رکھی گئی تھیں... ہال کے آخری سرے پر لفٹ کا انتظام تھا...

وہ کاؤنٹر پر رک گئے... کاؤنٹر کلرک ان کی طرف متوجہ ہو گیا... ایسے میں انسپکٹر جمشید نے کہا۔

''ایک منٹ! پہلے ہم ذرا خان نور سے بات کر لیں... ہاں نور خان... کیا کہا آپ نے... آپ ہمارے ساتھ کھانا کیوں نہیں کھائیں گے۔''

''م... میں۔''

''ہاں... ہاں... کہہ دیں جو کہنا چاہتے ہیں۔''

''یہ... یہ مجھے کسی طرح بھی اچھا نہیں لگے گا کہ میں یہاں ہوٹل میں بہترین کھانا کھاؤں... اور میرے ماں باپ اور بیوی بچے روکھے سوکھے کھانے پر میرا انتظار کرتے رہ جائیں اور میں انھیں گھر جا کر بتاؤں... میں کھانا کھا آیا ہوں... یہ مجھ سے نہیں ہو گا... میں ان کے ساتھ روکھی سوکھی کھا تا ہی پسند کروں گا اور وہی کھانا کھا کر سکون

محسوس کروں گا... ورنہ اگر میں آپ کے پاس رکا رہا اور یہاں آپ کے ساتھ کھانا کھاتا رہا تو میں بے چین رہوں گا... پرسکون رہ کر کھانا نہیں کھا سکوں گا... ادھر میرے گھر والے بے چین رہیں گے...'' یہاں تک کہہ کر وہ خاموش ہو گیا...

''خوب خوب... بہت خوب... نوجوان! آپ کی بات سن کر بہت خوشی ہوئی... اب آپ ہماری خوشی بھی سن لیں... آپ بے شک یہاں کھانا نہ کھائیں... ہم کھانا پیک کرا دیتے ہیں... آپ وہ گھر لے جائیں۔''

''ہاں! یہ ہو سکتا ہے۔''

''بس ٹھیک ہے... آپ اپنی اور اپنے گھر والوں کی پسند کی چیزوں کا آرڈر خود دے دیں... ہم اپنا آرڈر بعد میں دیتے رہیں گے۔'' انسپکٹر جمشید نے کہا۔

''اچھی بات ہے۔''

یہ کہہ کر نور خان کاؤنٹر کی طرف چلا گیا... اس نے آرڈر لکھوا دیا... پھر ان کی طرف آ گیا... وہ اس وقت تک ہال کی ایک کونے والی میز پر قبضہ کر چکے تھے... کیونکہ کافی میزیں پر ہو چکی تھیں... ان کی میز کا ویٹر ان کا آرڈر لینے کے لیے آ گیا... وہ اپنی پسند کی چیزیں

لکھوانے لگے...

پندرہ منٹ بعد نور خان کا آرڈر پیک شدہ وہاں لا کر رکھ دیا گیا...

''آپ تو جائیں... آپ کے ماں باپ اور بیوی بچے آپ کا انتظار کر رہے ہوں گے۔''

''ابھی نہیں۔'' اس نے کہا۔

''ابھی نہیں کیا؟'' انہوں نے پوچھا۔

''ابھی ہمارے دوپہر کے کھانے کا وقت نہیں ہوا... لہٰذا میں ابھی کچھ دیر اور آپ کے پاس بیٹھ سکتا ہوں۔''

''اور آپ کا گھر یہاں سے کتنی دور ہے۔''

''پیدل دس منٹ کا راستہ ہے۔''

''ٹھیک ہے... آپ جب تک چاہیں بیٹھ سکتے ہیں۔''

''دراصل میں آج بے حد خوشی محسوس کر رہا ہوں اور سوچ رہا ہوں... آپ جیسے لوگ زندگی میں پھر کہاں ملیں گے۔''

''ایسی بات نہیں۔'' خان رحمان مسکرائے۔

''جی... کیا مطلب... کیسی بات نہیں۔''

''میرا مطلب ہے... آپ ہمارے موبائل نمبر نوٹ کر لیں...

اس طرح ہماری پھر ملاقات ہو سکتی ہے۔''

''اوہو... واقعی۔'' اس نے بے یقینی کے عالم میں کہا۔

''ہاں کیوں نہیں۔''

عین اس وقت صدر دروازے پر شور گونجا... ان کی نظریں دروازے کی طرف اٹھ گئیں... ساتھ ہی انسپکٹر جمشید کے منہ سے مارے حیرت کے نکلا:

''اوہو! یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں۔''

☆☆☆☆☆

مفت کی تفریح

انہوں نے دیکھا دروازے سے گزر کر کچھ لوگ ہال کی طرف بڑھ رہے ہیں... ہال میں موجود لوگ بجھے بجھے نظر آ رہے تھے... لیکن انہیں کوئی ایسی بات نظر نہ آئی جسے دیکھ کر یہ کہا جا سکے:

''اوہو! یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں۔''

''آپ جو دیکھ رہے ہیں، وہ ذرا ہمیں بھی دکھا دیں۔'' فاروق نے کہا۔

''بھئی اللہ تعالیٰ نے آنکھیں دی ہیں... تم خود ہی ان سے دیکھ لو۔'' محمود نے اسے گھورا۔

''یہی تو میں پوچھ رہا ہوں... کیا دیکھ لوں۔''

''وہی جو ابا جان کو نظر آیا ہے۔'' فرزانہ مسکرائی۔

''تو کیا تمہیں کچھ نظر آ چکا ہے۔''

''نہیں... نظر تو خیر ابھی کوئی چیز نہیں آئی... بس یہ نظر آیا ہے

کہ چھ غنڈہ صورت افراد اندر آئے ہیں۔''

''یہ تو سبھی کو نظر آرہا ہے ... اتنی سی بات میں کیا خاص بات ہے بھلا۔'' فاروق نے منہ بنایا۔

''یہ تم بتاؤ۔'' انسپکٹر جمشید نے آنکھیں نکالیں۔

''ج ... جی ... میں بتاؤں ... یہ آپ مجھ سے کہہ رہے ہیں۔''

''کیوں ... یہاں اور ہے کون۔''

''ہونے کو تو یہاں محمود ہے، فرزانہ ہے ... دونوں انکل ہیں۔''

''دیکھو ... سیدھی طرح بات کرو ... ورنہ۔'' انسپکٹر جمشید نے گویا اسے دھمکی دی۔

''ارے باپ رے۔'' فاروق کانپ گیا۔

''ارے باپ رے کہنے سے کام نہیں چلے گا ... بات بتانے سے بات بنے گی۔'' ان کا لہجہ سرد ہو گیا۔

''اچھی بات ہے ... ان میں ایک شخص ایسا ہے ... جس کا کان کٹا ہوا ہے۔''

''واہ ... بہت خوب ... شان دار فاروق۔'' انسپکٹر جمشید نے خوش ہو کر کہا۔

''حد ہو گئی جمشید ... اتنی سی بات بتانے پر اس کی اتنی تعریف۔''

''ہاں! لیکن یہ بات اتنی سی نہیں۔''

''آپ نے ٹھیک کہا ابا جان۔'' محمود نے فوراً کہا۔

''گویا تم بھی سمجھ گئے۔''

''جی ہاں ... زری نے بتایا تھا ... جو لوگ ان کے کھانے کے پیسے دیے بغیر چلے گئے ... ان میں سے ایک کا کان کٹا ہوا تھا ... وہ بھی اس طرح گویا کسی جانور نے کاٹ لیا ہو۔''

''بالکل ٹھیک۔''

اب ان کی نظریں اس شخص پر جم گئیں ... وہ کافی سخت قسم کے نقوش والا نظر آیا ... یوں لگتا تھا جیسے اس میں رحم نام کی کوئی چیز نہ ہو ... جلد ہی انہوں نے ان سب کو ایک میز کے گرد بیٹھے دیکھا ... پھر کان کٹا میز پر زور سے ہاتھ مار کر دہاڑا:

''کہاں مر گئے سب ... اب تک ادھر کیوں نہیں آیا کوئی۔''

ایک بیرا دوڑ کر ان کی میز تک پہنچا ... اس کا رنگ اڑا ہوا تھا اور ٹانگوں میں لرزش تھی ...

''بے وقوف ... الو ... احمق ... گدھے ... اتنی دیر لگا دی ... جاؤ ... جو جو کچھ تیار ہے سب لے آؤ۔''

''او کے سر۔'' بیرے نے بوکھلا کر کہا اور واپس دوڑ گیا۔

"دیکھنا یہ ہے کہ یہ یہاں کا بل بھی دیتا ہے یا نہیں۔"

"تمام بیروں کے چہروں پر خوف ہے... کاؤنٹر پر بیٹھے تینوں کلرک بھی سہمے ہوئے ہیں... اس لیے لگتا تو یہی ہے کہ یہ ہوٹل کا بل بھی نہیں دیں گے۔" پروفیسر بولے۔

"خیر... دیکھتے ہیں۔" انسپکٹر جمشید نے کندھے اچکا دیے۔

جلد ہی ان کی چیزیں آ گئیں... ادھر بیرے ان چھ کی میز کو کھانے کی چیزوں سے پر کرنے لگے... ساتھ ہی وہ چھ کھانے پر ٹوٹ پڑے... اگرچہ ابھی بیرے رکھ کر فارغ نہیں ہوئے تھے اور ان کا کام باقی تھا...

یہ لوگ بھی کھانا کھانے لگے اور ان لوگوں سے کافی پہلے ہی فارغ ہو گئے... انہوں نے کھانے کا بل بھی ادا کر دیا... اب صرف اس انتظار میں تھے کہ کب وہ فارغ ہوتے ہیں... آخر خدا خدا کر کے وہ فارغ ہو گئے... انہوں نے میز کی چیزیں صاف کر دی تھیں...

پھر وہ ٹشو سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے اٹھے اور چلے باہر کی طرف... کسی نے انہیں روکنے کی کوشش نہیں کی تھی... گویا ہوٹل کے ملازمین میں ان سے بل مانگنے کی جرات نہیں تھی... یہ دیکھ کر انسپکٹر جمشید پکار اٹھے:

"یہ کیا... بل دیے بغیر جا رہے ہیں... بل دے کر جائیں۔"

ان کی آواز ہال میں گونج گئی... ایک پل کے لیے موت کا سناٹا چھا گیا... وہ چھ بھی جاتے جاتے پہلے صرف رکے... مڑے نہیں... شاید وہ دوبارہ سننا چاہتے تھے... کیونکہ ظاہر ہے... انہیں اپنے کانوں پر یقین نہیں آیا تھا... وہ بھلا ایسی بات سننے کے عادی کہاں تھے... اب وہ نہ مڑے اور دوبارہ سننے کے انتظار میں جوں کے توں رکے رہے... تب انسپکٹر جمشید نے کہا اور زیادہ بلند آواز میں کہا:

"تم نے سنا نہیں... بل ادا کر کے جاؤ۔"

اب وہ مڑے... انہوں نے خون خوار نظروں سے سب کی طرف دیکھا... آخر کان کنا غرایا:

"یہ کون بولا تھا؟"

سب کی نظریں انسپکٹر جمشید کی طرف گھوم گئیں... اسے بھی یہ جاننے میں دیر نہ لگی کہ یہ الفاظ کس نے کہے ہیں...

وہ چھے کے چھے ایک ایک قدم آگے بڑھنے لگے... آخر ان کے نزدیک پہنچ کر اس نے سرسراتی آواز میں کہا...

"تو تم نے کہا ہے... بل دے کر جاؤ؟"

"جی ہاں!" انسپکٹر جمشید نے ڈرے ڈرے انداز میں کہا... یہ

دیکھ کر وہ شیر ہو گیا... ورنہ پہلے وہ قدرے الجھن میں نظر آیا تھا۔

''کیا یہ تمہارا ہوٹل ہے۔''

''نہیں۔''

''پھر تمھیں کیا تکلیف ہے۔''

''انصاف کی تکلیف۔'' انسپکٹر جمشید نے فوراً کہا۔

''کیا کہا... انصاف کی تکلیف۔'' مارے حیرت کے ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

''ہاں! انصاف کی تکلیف۔''

''ہوٹل کا مالک کہاں ہے۔''

''میں یہیں ہوں سرکار۔'' ایک طرف سے آواز آئی اور پھر ایک بھاری بھرکم آدمی اس طرف بڑھتا نظر آیا۔

''کون ہیں یہ آنکڑے۔''

''سرکار! مجھے نہیں معلوم... پہلی بار دیکھ رہا ہوں انھیں۔''

''یہ کون ہوتے ہیں... بل کے لیے کہنے والے۔''

''بالکل کوئی نہیں ہوتے... نہ میں نے ان سے کہا ہے... میں نے کہا نا... پہلی بار دیکھ رہا ہوں انھیں۔''

''اچھی بات ہے... اب تم ایک طرف ہو جاؤ... ہم جائیں...

یہ جائیں۔''

''جی اچھا۔''

''تم عجیب آدمی ہو۔'' محمود کو اس پر غصہ آ گیا۔

''کون میں؟'' آنکڑے نے بھنا کر کہا۔

''ہاں تم... اور کون... جو لوگ تمھاری حمایت کر رہے... تمہاری مدد کرنا چاہتے ہیں... تم ان کا ساتھ نہیں دے رہے... اور ان کا ساتھ دے رہے ہو... جو تمھارا بل ادا کیے بغیر جا رہا تھا۔''

''بل... ان سے... کیا بات کرتے ہیں... آپ شاید اس قصبے میں بالکل نئے ہیں۔''

''نئے تو خیر ہیں۔''

''اسی لیے... خیر میں تعارف کرائے دیتا ہوں اور آپ لوگوں سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ اس معاملے میں نہ پڑیں... نقصان اٹھائیں گے... جب میں ہی ان سے بل نہیں مانگ رہا تو آپ کیوں الجھتے ہیں...'' ہوٹل کے مالک نے منت بھرے لہجے میں کہا۔

''آنکڑے صاحب... یہ ہماری عادت ہے۔''

''آنکڑے نہیں... آنکڑے۔'' اس نے فوراً برا مان کر کہا پھر جلدی سے کہنے لگا:

''اور کیا عادت ہے ... آپ کی۔''

''ہم ناانصافی کو پسند نہیں کرتے۔''

''ارے تو نہ کرو ... تم ہمارے معاملے میں دخل دینے والے ہو کون۔'' آنکڑے چلایا۔

''آپ ہمیں انصاف پسند کا نام دے سکتے ہیں۔''

''اب میں انھیں کیسے سمجھاؤں ... یہ تو کوئی بات ہی نہیں سن رہے۔''

''بس تم ان کے اور ہمارے درمیان سے ہٹ جاؤ ... ہم ان سے خود ہی نبٹ لیں گے۔''

''بہت اچھا فرجی دادا۔''

''فرجی دادا ... کیا مطلب ... یہ دادا ہیں ... عمر تو ان کی اتنی نہیں لگتی ... '' فرزانہ نے حیران ہو کر کہا۔

''لو اور سنو ... یہ لوگ تو دادا کا مطلب بھی نہیں سمجھتے۔'' آنکڑے ہنسا۔

''آنکڑے ... میں تمھارے ہوٹل کا نقصان نہیں چاہتا ... ان کی مرمت کے سلسلے میں یہاں ٹوٹ پھوٹ ہو جائے گی ... لہذا میں ان لوگوں کو گھسیٹ کر باہر لے جاتا ہوں۔''

''چلو اسی پر فیصلہ سہی۔'' انسپکٹر جمشید نے خوش ہو کر کہا۔

''کیا مطلب ... کس پر؟'' فرجی نے حیران ہو کر کہا۔

''اگر تم صرف مجھے گھسیٹ لے گئے تو میرے باقی ساتھی خود بخود واپس آ جائیں گے۔''

''تمھارا مطلب ہے ... ہم تمھیں گھسیٹ کر نہیں لے جا سکتے۔''

''خیال یہی ہے ... لیکن خیال تو اپنا اپنا ہوتا ہے ... ہو سکتا ہے تمھارا خیال کچھ اور ہو۔'' اس مرتبہ خان رحمان کی آواز سنائی دی۔

فرجی نے نظر بھر کر ان کی طرف دیکھا ... پھر اچانک اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہوا ...

''اس شخص کو اٹھا لو ... اور باہر لے چلو۔''

اس کے پانچ ساتھی انسپکٹر جمشید کی طرف بڑھے ... انھوں نے مل کر انھیں اٹھانے کی کوشش کی ... لیکن پورا زور لگانے کے باوجود وہ پانچوں مل کر انسپکٹر جمشید کو نہ اٹھا سکے ... حالانکہ دیکھنے میں وہ دبلے پتلے نظر آ رہے تھے ... اور انھیں اٹھانا کوئی مشکل کام محسوس نہیں ہو رہا تھا ... جب وہ خوب زور لگا کر تھک گئے تو پیچھے ہٹ گئے ... ان کے چہروں پر ہوائیاں اڑنے لگیں ... دوسری طرف فرجی کی آنکھیں مارے حیرت کے پھیل چکی تھیں ... اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا ...

آخر اس نے کہا...

''رہنے دو... یہ خود ہی باہر آئیں گے... آخر کب تک ہوٹل میں ٹھہریں گے۔''

''ہم ابھی چلتے ہیں... میں تو یہ دیکھ رہا تھا کہ تم لوگ مل کر بھی مجھے نہیں اٹھا سکتے... آؤ باہر چل کر مقابلہ بھی کر لیں... میں خود نہیں چاہتا کہ ہوٹل کا نقصان ہو۔'' یہ کہہ کر وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

''آئیں بھئی... باہر چلیں۔''

وہ سب باہر کی طرف چلے... ہوٹل میں اس وقت جتنے بھی گاہک تھے... وہ سب بھی اٹھ کھڑے ہوئے... میزوں پر رکھا کھانا رکھا رہ گیا... گویا اب کسی کو بھی کھانے میں کوئی دلچسپی نہیں رہ گئی تھی... بلکہ سب اس کوشش میں تھے کہ جلد از جلد باہر نکل جائیں... لڑائی کا کوئی سین دیکھنے سے رہ نہ جائے... صورت حال بہت دلچسپ ہو گئی تھی... اب تقریباً سبھی لوگوں کی ہمدردی انسپکٹر جمشید سے ہو چکی تھی... چند افراد اگر فرجی کی طرف داری ظاہر کر رہے تھے تو وہ بھی اس کے خوف کی وجہ سے... ورنہ انھیں بھی اس سے حقیقی ہمدردی نہیں تھی...

آخر سب ہوٹل سے باہر آئے... ہوٹل کے باہر ایک بہت بڑا میدان تھا... اس میں گھاس لگائی تھی اور اس کے چاروں طرف خوب

صورت درخت لہلہا رہے تھے... وہ سب اب گراؤنڈ میں چلے آئے... ان کے گرد ایک دائرے میں کھڑے ہو گئے... انسپکٹر جمشید... عین درمیان میں آ گئے اور پکارے...

''آؤ بھئی... کون آتا ہے... میرے مقابلے پر۔''

''چلو... مزا چکھا دو اسے۔'' فرجی نے اپنے پانچوں ساتھیوں سے کہا۔

''کیوں نہیں استاد۔''

وہ پانچوں ان کے سامنے آ کھڑے ہوئے... انھوں نے ایک نظر ہی میں تاڑ لیا... وہ پہلے ہی ہمت ہار چکے ہیں... کیونکہ وہ مل کر بھی انھیں اٹھا نہیں سکے تھے... پھر انسپکٹر جمشید نے اپنا رخ فرجی کی طرف کیا۔

''مسٹر فرجی... ان بے چاروں کو نہ لڑاؤ... تم خود مقابلے پر آ جاؤ... یا کسی اور کو بلا لو... یہ صرف تمھارے حکم پر آگے آئے ہیں... ورنہ ان کا لڑنے کو جی نہیں چاہ رہا... بے شک تم ان پانچوں سے پوچھ لو۔''

فرجی ان کی بات سن کر حیران رہ گیا... پھر اس نے پانچوں سے کہا۔

''کیا یہ شخص ٹھیک کہہ رہا ہے۔''

''نہیں استاد ... یہ چال چل رہا ہے ... ہم اسے ابھی تگنی کا ناچ نچا دیں گے۔''

''بس تو پھر نچا دو۔'' اس نے ہاتھ ہلایا۔

پانچوں نے یک بارگی ان پر حملہ کیا اور یہ گمان کر کے کیا کہ وہ بے دھیان ہیں لیکن ان کی یہ خوش فہمی اس وقت دور ہو گئی جب وہ ان کے درمیان سے بالکل صاف بچ کر نکل گئے اور وہ ایک دوسرے سے ٹکرا ٹکرا کر ادھر ادھر گرے ... ساتھ ہی فرزی چلایا

''یہ کیا ... یہ تم نے حملہ کیا ہے ... سوچ سمجھ کر مقابلہ کرو ... یہ کوئی عام شخص نہیں لگتا۔''

''ہم دھوکے میں مارے گئے استاد ... فکر نہ کرو۔''

ایک بار پھر انہوں نے حملہ کرنے کے لیے پر تول لیے ... انسپکٹر جمشید اب بھی ان سے کچھ ہی فاصلے پر کھڑے مسکرا رہے تھے ... ایسے میں فرزانہ کی آواز آئی ...

''اس طرح مزہ نہیں آ رہا ابا جان۔''

''کیا مطلب ... کیا کہنا چاہتی ہو؟''

''یہ بے چارے ڈر گئے ہیں ... ہم انہیں بے خوف ہونے کا

ایک موقع کیوں نہ دیں۔''

''کیا مطلب؟'' انسپکٹر جمشید نے حیران ہو کر کہا۔

''مطلب یہ کہ آپ ادھر آ جائیں ... مجھے ان سے مقابلہ کرنے دیں ... کم از کم یہ مجھ سے بے خوف ہو کر تو لڑیں گے ... اور دیکھنے والوں کو بھی ایک مفت کی تفریح ہاتھ آ جائے گی۔''

''خوب فرزانہ خوب ... تجویز دلچسپ ہے ... آؤ ... تم ہی آ جاؤ۔''

ایسے میں ایک بھاری بھرکم آواز ابھری۔

''ختم کرو ... یہ سب!''

☆☆☆☆☆

آپ کون ہیں

ان سب نے آواز کی سمت دیکھا... ایک پولیس انسپکٹر کھڑا نظر آیا... اس کے دائیں بائیں نو پولیس مین کھڑے تھے...

"یہ کیا ہو رہا ہے۔"

"آیئے انسپکٹر صاحب..." فرجی نے جھک کر کہا... گویا اسے پولیس کے آنے سے خوشی ہوئی تھی...

"میں نے پوچھا ہے... یہ کیا ہو رہا ہے... یہ کیسی لڑائی ہے... میرے قصبے میں... میرے ہوتے ہوئے... لڑائی جھگڑا... فرجی... تم مجھے جانتے نہیں۔" انسپکٹر جمشید کا لہجہ سرد تھا...

"ہم تو آپ کو جانتے ہیں... یہ لوگ آپ کو نہیں جانتے۔"

"اور یہ کون لوگ ہیں۔"

"پتا نہیں... بس بلاوجہ ہم سے لڑنا جھگڑنا چاہتے ہیں۔"

"کیوں... کون ہو تم لوگ۔"

"مسافر۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"مسافر؟" انسپکٹر نے حیران ہو کر کہا۔

"ہاں جناب! مسافر... ہم دراصل ریاست نواب جا رہے تھے... سڑک پر اس قصبے کا نام پڑھا... سوچا چلو یہاں سے کھانا کھا کر آگے چلیں گے... کیا ہم نے کوئی جرم کیا ہے۔"

"یہاں تک کوئی جرم نہیں بنتا۔"

"تو آگے ہی کون سا بنتا ہے۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"کیا مطلب؟" انسپکٹر نے اس طرف مڑتے ہوئے کہا... ساتھ ہی اس نے فاروق کو گھورا بھی۔

"مطلب یہ کہ ہم نے یہاں آنے کے بعد بھی کوئی جرم نہیں کیا۔"

"پہلے مجھے ساری بات سننے دو۔"

"میں سناتا ہوں انسپکٹر صاحب۔" فرجی نے جلدی سے کہا۔

"ٹھیک ہے سناؤ۔"

وہ لگا بات بتانے... پھر اس نے کہا۔

"اب آپ خود سوچیں... ہوٹل کا بل ہم ہوٹل والوں کو ابھی ادا کریں یا بعد میں ادا کریں، یہ کون ہوتے ہیں دخل اندازی کرنے والے

... بھئی ہمارا ہوٹل سے حساب چلتا ہے ... ہم پورے مہینے کا بل ایک بار ہی ادا کر دیتے ہیں... ان حالات میں ان لوگوں نے بلا وجہ ہم سے جھگڑا شروع کر دیا۔"

"اصل میں یہ لوگ یہ سمجھے کہ تم بل ادا کیے بغیر جا رہے ہو... اور کوئی بات نہیں... آپ لوگ کھانا کھا چکے؟" آخری الفاظ اس نے ان سے کہے...

"جی ہاں کھا چکے؟"

"بس تو آپ جائیں۔"

"کیا مطلب؟" انسپکٹر جمشید حیران رہ گئے۔

"آپ اس قصبے سے رخصت ہو جائیں... قصبے میں امن امان قائم رکھنا میری ذمے داری ہے... آپ کی وجہ سے یہاں کا امن خراب ہونے کا ڈر ہے۔"

"ہماری وجہ سے نہیں... فرجی کی وجہ سے۔" وہ مسکرائے۔

"یہ تو یہیں رہتے ہیں... آپ یہاں نہیں رہتے... اس لیے جانا آپ کو ہوگا یہاں سے... نہ کہ انہیں۔"

"ہمیں ان سے حساب کتاب کرنا ہے... اگر ہمارا حساب کتاب کردیں تو ہم وہ لے کر چلے جائیں گے۔"

"کیا مطلب؟" فرجی نے مارے حیرت کے چونک کر کہا۔

"تم لوگوں نے پتھروں والے مکان میں رات بسر کی تھی... وہاں رزی نامی ایک شخص رہتا ہے... تم نے وہاں کھانا کھایا تھا... اور ان کے کھانے کے پیسے دیے بغیر وہاں سے چلے آئے تھے... جب کہ کھانے کی رقم کچھ اتنی زیادہ نہیں بنتی تھی... بس تم ہمیں اس کا بل دے دو... کیونکہ وہ بل ہم نے ادا کیا ہے... تاکہ اس غریب کا بھلا ہو جائے۔"

"تم... تم۔" فرجی نے مارے غصے کے مٹھیاں بھینچ لیں۔

"فرجی... اگر ایسی کوئی بات ہے تو رقم انہیں دے دو۔" انسپکٹر کی آواز نے انہیں چونکا دیا... ادھر فرجی دادا نے حیران ہو کر انسپکٹر کی طرف دیکھا... پھر فوراً ہی اس نے جیب میں ہاتھ ڈال دیا... اور کچھ کرنسی نوٹ گن کر ان کی طرف بڑھا دیے... انہوں نے نوٹ لیے اور گن کر جیب میں رکھ لیے... ساتھ ہی انہوں نے کہا۔

"ہم جا رہے ہیں... آئندہ ایسی حرکت نہ کرنا... ورنہ ہم تم سے رقم وصول کرنے پھر آجائیں گے... اور اس وقت ہم اصل رقم کے علاوہ تم سے بہت کچھ وصول کریں گے۔"

"آپ... آپ دیکھ رہے ہیں... انسپکٹر صاحب۔" فرجی دادا

چلا اٹھا۔

''ہاں دیکھ رہا ہوں ... تم فکر نہ کرو۔''

اور پھر وہ وہاں سے ہٹ کر ہوٹل میں چلے آئے ... ان کا سامان تو وہیں رہ گیا تھا ...

''کیا خیال ہے جمشید۔''

''لگتا ہے ... انسپکٹر ہمیں پہچانتا ہے ... اسی لیے وہ چاہتا ہے ... معاملہ ختم ہو جائے۔''

''اس بات کا امکان ہے ... بہر حال یہ بات طے ہے کہ انسپکٹر ... اوہ ہم نے انسپکٹر کا نام نہیں پوچھا۔'' وہ کہتے کہتے رک گئے۔

''اب پوچھ لیتے ہیں ... نام تو کوئی بھی بتا دے گا۔''

''ہاں ٹھیک ہے ... میں کہہ رہا تھا ... یہ بات طے ہے کہ انسپکٹر یہاں کے غنڈوں سے باقاعدہ ملا ہوا ہے ... اور یہ لوگ خوب کھل کر کھاتے پیتے ہیں ... اور میں سمجھتا ہوں ... قصبے کے لوگ سب تنگ ہیں ... جب کہ ہمیں ریاست نواب جانا ہے ... ورنہ ہم یہاں ٹھہرتے ... خیر واپسی پر ہم اس قصبے کے معاملات بھی درست کرتے جائیں گے انشاء اللہ!''

''جب کہ میرا جی چاہتا ہے ... ہم ابھی معاملات درست کرتے

جائیں ... اس طرح قصبے کے لوگوں کو ان کے ظلم سے کچھ دن پہلے ہی نجات مل جائے گی ...'' پروفیسر داؤد نے کہا۔

''تم کیا کہتے ہو خان رحمان۔''

''میں بھی یہی کہتا ہوں۔''

''اچھی بات ہے ... ہم ابھی یہاں سے نہیں جائیں گے ... خان رحمان ... ہوٹل میں آج رات کے لیے کمرے لے لو۔''

وہ پھر اسی میز پر بیٹھ گئے ... خان رحمان کاؤنٹر پر چلے گئے ...

''ہمیں آج رات کے لیے دو کمرے دے دیں۔'' انہوں نے کہا۔

''کیا!!!'' مارے حیرت کے کاؤنٹر کلرک کے منہ سے نکلا۔

''آج رات کے لیے دو کمرے۔'' خان رحمان نے ناخوش گوار انداز میں کہا۔

''کیا آپ نے سنا نہیں ... انسپکٹر داور صاحب نے کیا کہا ہے آپ سے۔''

''انہوں نے کہا تھا ... آپ قصبے سے رخصت ہو جائیں ... ابھی اور اسی وقت۔''

''ہاں! انہوں نے یہی کہا تھا اور ہم بھی جا رہے تھے ... لیکن

اب ہم نے رات یہیں ٹھہرنے کا ارادہ کر لیا ہے ... اور ہمارا خیال ہے، اس میں کوئی حرج نہیں۔''

''تب پھر ہمیں پہلے انسپکٹر صاحب کی اجازت لینا پڑے گی ... دراصل یہ ایک چھوٹا سا قصبہ ہے ... اور یہاں کے تمام معاملات کے انچارج انسپکٹر دادور ہیں ... اب اگر ہم نے آپ کو ان کی اجازت کے بغیر رکھ لیا تو نہ جانے وہ ہم سے کیا سلوک کریں۔''

''ٹھیک ہے ... آپ ان سے اجازت لے لیں۔''

''یہ ہوئی نا بات۔'' کلرک نے خوش ہو کر کہا اور موبائل پر نمبر ڈائل کرنے لگا ... جلدی سلسلہ مل گیا ... اس نے کہا۔

''سر! ہوٹل براری سے بات کر رہا ہوں ... جنگ کلرک ... یہ لوگ آج رات یہیں ٹھہرنا چاہتے ہیں۔''

دوسری طرف کی بات سن کر اس نے کہا ...

''جی وہی لوگ ... جنہیں آپ نے حکم دیا ہے کہ قصبے سے ابھی چلے جائیں ... یعنی جن کی فرجی دادا سے جھڑپ ہوئی تھی۔''

وہ دوسری طرف کی بات سننے لگا ... آخر اس نے کہا۔

''بہت بہتر سر۔''

اس نے موبائل بند کر دیا اور ان کی طرف مڑا۔

''وہ آ رہے ہیں ... آپ سے خود بات کریں گے۔''

''اچھی بات ہے ... آپ ہمارے لیے کمرے بک کر لیں۔''

''آپ پہلے انہیں آلینے دیں نا۔''

''آپ کی مرضی ... کمرے تو آپ کو بک کرنے پڑیں گے۔''

''ہم ضرور کریں گے ... اگر انسپکٹر صاحب نے نہ روکا۔''

''ٹھیک ہے۔''

وہ واپس اپنی میز پر آگئے ...

کھانا وہ پہلے ہی کھا چکے تھے ... اس لیے اب سوائے انتظار کے اور کوئی کام نہیں تھا ... آخر انسپکٹر دادور اندر آتا دکھائی دیا ... فرجی دادا اب اس کے ساتھ نہیں تھا ... وہ سیدھا ان کی میز پر آیا ... کانسٹیبل کاؤنٹر کے پاس کرسیوں پر بیٹھ گئے ...

''ہاں کیا بات ہے۔'' اس نے اکھڑ لہجے میں کہا۔

''ہمیں رات یہاں ٹھہرنے کی اجازت دی جائے۔'' انسپکٹر جمشید نے نرم انداز میں کہا۔

''میں نے آپ سے کہا تھا ... آپ اس قصبے سے چلے جائیں ... میں اپنے قصبے میں کسی قسم کی بدامنی پسند نہیں کرتا۔''

''کیا ہماری وجہ سے یہاں بدامنی کا امکان ہے۔'' انہوں نے

پوچھا۔

''ہاں! میں نے فرجی دادا کو بہت مشکل سے روکا ہے... ورنہ وہ آپ لوگوں کا ناک میں دم کر دیتا... اور قصبے کا امن تباہ ہوتا... اب بھی میں آپ سے یہی کہنے آیا ہوں... فرجی دادا کے معاملات میں جب کوئی ٹانگ اڑا دیتا ہے تو پھر وہ آرام سے نہیں بیٹھتا۔''

''آپ قانون کے محافظ ہیں یا اس کے ملازم۔'' انسپکٹر جمشید نے جھلاتے ہوئے لہجے میں کہا۔

''میں قانون کا محافظ ہوں... لیکن ہر علاقے کے اپنے اپنے حالات ہوتے ہیں... میرے پاس یہاں عملہ بھی بہت کم ہے، اسی سے کام چلانا پڑتا ہے... لہذا فرجی دادا جیسے لوگوں سے بنا کر رکھنی پڑتی ہے۔''

''یہ تو کوئی بات نہ ہوئی... آپ اپنے افسران کو حالات لکھیں کہ مزید عملے کی ضرورت ہے... انھیں بتائیں... ان جیسے لوگوں کو جیل میں بند کریں... تب دیکھیں... قصبے میں امن قائم رہتا ہے یا نہیں۔''

''باتیں کرنا آسان ہے... لیکن عمل کے میدان میں جب انسان آتا ہے تو اسے پتا چل جاتا ہے۔''

''ٹھیک ہے... ہم رات کو یہیں ٹھہریں گے... آپ قانوناً

ہمیں قصبے سے جانے کے لیے نہیں کہہ سکتے... ہم اس ملک کے آزاد شہری ہیں... اور یہ قصبہ بھی ہمارے ملک کا قصبہ ہے... نہ یہاں آنے پر کوئی پابندی ہے... نہ اس قصبے میں کوئی دوسری پابندی ہے۔''

''آپ کی مرضی... میں نے آپ کو خبردار کر دیا... جونہی فرجی دادا کو پتا چلے گا... وہ آپے سے باہر ہو جائے گا۔''

اس نے کہا اور کاؤنٹر کلرک سے بولا...

''انھیں کمرے دے دو۔'' یہ کہہ کر وہ رکا نہیں اور سیدھا نکلتا چلا گیا۔

''پہلے میرا خیال تھا کہ یہ ہمیں پہچانتا ہے... لیکن اس کی گفتگو کے بعد مجھے یقین ہو گیا ہے کہ یہ ہمیں نہیں جانتا... لہذا اب ہمیں فرجی دادا کا انتظار کرنا ہوگا... وہ پوری طاقت کے ساتھ آئے گا۔''

''اللہ اپنا رحم فرمائے... کیا ہم ہوٹل کے اندر رہ کر اس کا انتظار کریں گے۔''

''نہیں... ہوٹل کے باہر مورچے سنبھالیں گے۔''

''یہ ٹھیک رہے گا...'' محمود نے خوش ہو کر کہا۔

''پہلے ہم اپنے کمروں میں جائیں گے... پھر گھومنے کے بہانے ہوٹل سے نکل جائیں گے اور کوئی مناسب جگہ دیکھ کر ان کا استقبال

کریں گے۔"

"یہ ٹھیک رہے گا۔"

اور پھر پروگرام کے مطابق وہ اپنے کمروں میں آ گئے... کچھ دیر آرام کرنے کے بعد وہ ہوٹل سے نکل آئے... انداز ایسا تھا جیسے گھومنے کے لیے نکلے ہوں... کاؤنٹر کے پاس سے گزرنے لگے تو اس نے کہا:

"ہوٹل کے دروازے رات گیارہ بجے کے بعد نہیں کھولے جاتے... اس لیے آپ گیارہ بجے تک باہر رہ سکتے ہیں... ٹھیک گیارہ بجے تک آپ کو واپس آنا ہوگا۔"

"کوئی بات نہیں... اگر ہم نہ آ سکے... تو کہیں باہر وقت گزار لیں گے۔"

"یہ آپ کے لیے اور زیادہ خطرناک ہوگا۔"

"وہ کیوں؟"

"رات کے وقت پورے قصبے پر فرزی دادا کی حکومت ہوتی ہے... اس کے غنڈے دندناتے پھرتے ہیں... اور آپ لوگوں کی تلاش تو وہ شکاری کتوں کے ذریعے کرا لیں گے۔"

"کیا مطلب... کیا ان کے پاس شکاری کتے بھی ہیں۔"

"فرزی دادا کی اصل دہشت وہ کتے ہی ہیں... کوئی اس سے

ٹکرانے کی جرات نہیں کرتا... انسپکٹر داور جیسے لوگ اس کے سامنے بھیگی بلی بن کر رہتے ہیں۔"

"اوہ... تو یہ بات بھی ہے۔" انسپکٹر جمشید بڑبڑائے۔

"ہاں! اسی لیے تو جب آپ کا اس سے مقابلہ ہونے لگا تھا تو انسپکٹر داور درمیان میں آ گیا تھا... وہ چاہتا تھا... آپ کی وجہ سے کہیں کوئی نئی الجھن نہ پیش آ جائے... ایک طرح سے آپ یوں سمجھ لیں، اس قصبے پر فرزی دادا کی حکومت ہے... انسپکٹر داور کہنے کو حکومت کا ملازم ہے... لیکن دراصل اس کے احکامات پر عمل کرتا ہے۔"

"اب بات سمجھ میں آئی... وہ یہ کیوں چاہتا تھا کہ ہم یہاں سے فوراً چلے جائیں... دراصل اس نے ہمیں پہچان لیا تھا اور ہمارے یہاں رکنے سے اسے فرزی دادا کی حکومت ختم ہوتی نظر آ رہی تھی... اور اس کی حکومت کے ختم ہونے میں انسپکٹر داور کے پلے کچھ نہ رہ جاتا۔"

"کیا مطلب... آپ کون ہیں۔" کاؤنٹر کلرک نے چونک کر کہا۔

"اس سوال کا جواب فی الحال ہم نہیں دیں گے... ہمیں باہر نکل کر اپنا کام کرنا ہے... آؤ بھئی چلیں۔"

یہ کہتے ہوئے وہ ہوٹل کے بیرونی دروازے کی طرف چل

کریں گے۔"

"یہ ٹھیک رہے گا۔"

اور پھر پروگرام کے مطابق وہ اپنے کمروں میں آ گئے ... کچھ دیر آرام کرنے کے بعد وہ ہوٹل سے نکل آئے ... انداز ایسا تھا جیسے گھومنے کے لیے نکلے ہوں ... کاؤنٹر کے پاس سے گزرنے لگے تو اس نے کہا۔

"ہوٹل کے دروازے رات گیارہ بجے کے بعد نہیں کھولے جاتے ... اس لیے آپ گیارہ بجے تک باہر رہ سکتے ہیں ... ٹھیک گیارہ بجے تک آپ کو واپس آنا ہوگا۔"

"کوئی بات نہیں ... اگر ہم نہ آسکے ... تو کہیں باہر وقت گزار لیں گے۔"

"یہ آپ کے لیے اور زیادہ خطرناک ہو گا۔"

"وہ کیوں؟"

"رات کے وقت پورے قصبے پر فرجی دادا کی حکومت ہوتی ہے ... اس کے غنڈے دندناتے پھرتے ہیں ... اور آپ لوگوں کی تلاش تو وہ شکاری کتوں کے ذریعے کرالیں گے۔"

"کیا مطلب ... کیا ان کے پاس شکاری کتے بھی ہیں۔"

"فرجی دادا کی اصل دہشت وہ کتے ہی ہیں ... کوئی اس سے

ٹکرانے کی جرات نہیں کرتا ... انسپکٹر داور جیسے لوگ اس کے سامنے بھیگی بلی بن کر رہتے ہیں۔"

"اوہ ... تو یہ بات بھی ہے۔" انسپکٹر جمشید بڑبڑائے۔

"ہاں! اسی لیے تو جب آپ کا اس سے مقابلہ ہونے لگا تھا تو انسپکٹر داور درمیان میں آ گیا تھا ... وہ چاہتا تھا ... آپ کی وجہ سے کہیں کوئی نئی الجھن نہ پیش آجائے ... ایک طرح سے آپ یوں سمجھ لیں، اس قصبے پر فرجی دادا کی حکومت ہے ... انسپکٹر داور کہنے کو حکومت کا ملازم ہے ... لیکن دراصل اس کے احکامات پر عمل کرتا ہے۔"

"اب بات سمجھ میں آئی ... وہ یہ کیوں چاہتا تھا کہ ہم یہاں سے فوراً چلے جائیں ... دراصل اس نے ہمیں پہچان لیا تھا اور ہمارے یہاں رکنے سے اسے فرجی دادا کی حکومت ختم ہوتی نظر آرہی تھی ... اور اس کی حکومت کے ختم ہونے میں انسپکٹر داور کے پلے کچھ نہ رہ جاتا۔"

"کیا مطلب ... آپ کون ہیں۔" کاؤنٹر کلرک نے چونک کر کہا۔

"اس سوال کا جواب فی الحال ہم نہیں دیں گے ... ہمیں باہر نکل کر اپنا کام کرنا ہے ... آؤ بھئی چلیں۔"

یہ کہتے ہوئے وہ ہوٹل کے بیرونی دروازے کی طرف چل

پڑے... ایسے میں کاؤنٹر پر رکھے فون کی گھنٹی بج اٹھی... انہوں نے مڑ کر دیکھا... کلرک فون کا ریسیور اٹھا رہا تھا... انہوں نے اسے کہتے سنا

"جی... جی ہاں... وہ یہیں ہیں... گئے نہیں... ابھی ابھی ہوٹل سے باہر نکلے ہیں... گھومنے پھرنے۔"

☆☆☆☆☆

کتے

"ہم... مجھے ڈر لگ رہا ہے۔" فاروق نے کانپتی آواز میں کہا۔

"تو تم ہوٹل کے کمرے میں دبک جاؤ... بزدل صاحب۔" محمود نے اسے گھورا۔

"سچی بات یہ ہے کہ ڈر تو مجھے بھی لگ رہا ہے... مجھے شکاری کتوں سے خوف آتا ہے۔" پروفیسر داؤد کی آواز میں خوف شامل ہو چکا تھا۔

"پستول ہاتھ میں لے لیں... کوئی کتا بھی ہماری طرف بڑھا ہم فوراً اسے نشانہ بنا دیں گے... ویسے بھی کتے درختوں پر نہیں چڑھ سکتے۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"آپ کا مطلب ہے... ہم درختوں پر چڑھ جائیں گے۔"

"چڑھ جائیں گے نہیں... ابھی چڑھ جاتے ہیں... ہم یہ جنگ اس ہوٹل کے نزدیک ہی لڑیں گے... تاکہ ہوٹل والے اور ہوٹل کے

مسافر بھی لطف اندوز ہوں۔''

''آپ کا مطلب ہے... ہم اپنا اسلحہ تیار کر لیں۔''

''ہاں بھی... جنگ کے بغیر ہم اس قصبے کو آزاد نہیں کرا سکیں گے۔''

''اچھی بات ہے... تب ہم خوف کی چادر کو اتار کر پھینک دیتے ہیں۔'' فاروق ہنسا۔

''اور خوف کی چادر اوپر سر پہ لپیٹنے کے لیے کہا کس نے تھا۔'' فرزانہ جل گئی۔

''کسی نے بھی نہیں۔'' فاروق اس کی طرف پلٹا۔

باہر نکل کر انہوں نے چاروں طرف کا جائزہ لیا... ہوٹل سے کچھ فاصلے پر چاروں طرف درخت تھے... درخت کافی بلند تھے اور ان پر چڑھنا آسان کام نہیں تھا... لیکن وہ ایسے درختوں پر چڑھنا جانتے تھے...

''آؤ... بسم اللہ کریں... ایک ایک درخت پر ایک ایک ساتھی ٹھیک رہے گا... خود کو درختوں کی شاخوں میں چھپا کر رکھنا ہے... کتوں کے بھونکنے کی آوازیں شروع ہو جائیں تو بس فائرنگ کرنے کے لیے بالکل تیار ہو جائیں اور کتوں کا بالکل خیال نہ کریں... انہیں ہلاک

کرنا ہوگا۔''

''ٹھیک ہے جمشید... تم فکر نہ کرو... ہم ان شاء اللہ فرجی کے کتوں کو دیکھ لیں گے۔''

انہیں درختوں پر چھپے ایک گھنٹہ گزر گیا... پھر انہوں نے کتوں کی آوازیں سنیں... انہوں نے دس پندرہ کتوں کو آتے دیکھا... وہ بہت خوفناک اور بہت بڑے سائز کے تھے... ان کی زنجیریں پکڑے پندرہ آدمی انہیں لا رہے تھے... وہ سیدھے ہوٹل کی طرف آئے...

عین اس لمحے ہوٹل کا دروازہ کھل گیا... ان کے سامنے ان کے کچھ کپڑے اور رومال وغیرہ ڈال دیے گئے... اس کا مطلب ہے، فرجی دادا نے کاؤنٹر کلرک کو یہ حکم دیا تھا کہ ان کے کمرے سے ان کے کچھ کپڑے وغیرہ لا کر دروازے پر ڈال دیے جائیں... کتے ان کپڑوں کو سونگھنے لگے... پھر اچانک انہوں نے بلند آوازوں میں بھونکنا شروع کر دیا... ان پندرہ آدمیوں نے اب ان کے گلوں سے زنجیریں الگ کر دیں... زنجیروں کا الگ ہونا تھا کہ کتے زمین کو سونگھتے ہوئے ان درختوں کی طرف بڑھنے لگے... وہ پہلے ہی تیار تھے... جونہی کتے ان کی زد میں آئے... انہوں نے تابڑ توڑ انداز میں فائرنگ کر دی...

دوسرا لمحہ ان کے لیے خوفناک تھا... کتے بلا کی تیزی سے اچھلے

اور ان کے وار بچا گئے ... وہ اس مہارت سے اچھلے تھے کہ انسپکٹر جمشید جیسے شخص ہکے بکے رہ گئے ...

"خوب نشانہ لے کر فائر کریں۔" انہوں نے بلند آواز میں کہا۔

اب انہوں نے تاک تاک کر فائرنگ شروع کر دی ... اور اس وقت ان کی سٹی گم ہو گئی ... جب ان میں سے کسی کی گولی بھی کسی ایک کتے کو بھی نہ لگی ... یہاں تک کہ انسپکٹر جمشید کی گولیاں بھی ضائع چلی گئیں ... ایسے میں سپیکر پر آواز ابھری ...

"اسے کہتے ہیں مہارت۔ تم لوگ خود کو سمجھتے کیا ہو ... ہم نے تمہیں نیک مشورہ دیا تھا ... کہ چپ چاپ یہاں سے چلے جاؤ ... یہاں کے معاملات میں دخل نہ دو ... لیکن تم پتا نہیں کس گھمنڈ میں تھے ... اب کرو ان کا مقابلہ ... جب تک یہ تمہاری بوٹیاں نہیں نوچ لیتے ... اس وقت تک یہ یہاں سے نہیں جائیں گے ... چاہے ہفتے گزر جائیں ... اور تم ... تم آخر کب تک درختوں پر ٹکے رہو گے ... بھوک پیاس تمہیں کسی قابل نہیں چھوڑے گی ... جب جان نکلنے لگے گی تو تم نیچے آ گرو گے اور ان کا لقمہ بن جاؤ گے ... یہی تمہارا مقدر ہے، ہم تو چلے ... ہوٹل والوں کا جب تک جی چاہے ... یہ تماشہ دیکھ سکتے ہیں ... ہم کیوں اپنی رات برباد کریں ... کتے تم سے خود نپٹ لیں گے ...

... بے آئے تھے سو رہا ... لیکن ایسے تم لوگ کبھی نہیں پھنسے ہو گے۔"

انہوں نے کاروں کو واپس جاتے دیکھا ... ساتھ ہی ہوٹل کا صدر دروازہ بند کر لیا گیا ... درختوں کی طرف کھلنے والی کھڑکیاں البتہ کھلی تھیں اور یہ سب دوسری منزل پر تھیں ...

کتے برابر بھونک رہے تھے ... اچھل رہے تھے ... ان کا بس نہیں چل رہا تھا ... ورنہ درختوں پر چڑھ کر ان کی تکا بوٹی کر دیتے ...

"میں ایک کوشش اور کرتا ہوں ... فی الحال تم فائر کرو گے۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"جی بہتر۔"

اب انہوں نے خوب سوچ سمجھ کر ایک کتے کا نشانہ لیا ... اس نے فوراً بھانپ لیا کہ اس کا نشانہ لیا گیا ہے ... یہ دیکھ کر انہیں بہت حیرت ہوئی ... اس قدر چوکنے کتے انہوں نے پہلی بار دیکھے تھے ...

آخر انہوں نے نہایت مہارت سے فائر کیا ... کتا بہت اونچا اچھلا اور انہوں نے صاف محسوس کر لیا کہ گولی اسے نہیں لگی ... اس کے نیچے سے نکل گئی ہے ... گویا اس نے بالکل درست چھلانگ لگائی تھی ...

"اس بار میں دو فائر کروں گا ... آپ لوگ صرف دیکھیں گے۔"

"اچھی بات ہے جمشید ... ویسے ہماری پریشانی بڑھتی جا رہی

ہے۔''

''اللہ مالک ہے۔''

انسپکٹر جمشید نے ایک کتے کا نشانہ لیا... اس نے فوراً بھانپ لیا کہ اس کا نشانہ لیا گیا ہے... وہ پھر حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکے... اس قدر زبردست تربیت یافتہ کتے اور اس قصبے میں... یہ بات ان کے لیے انتہائی حیرت کی تھی... آخر ایک بار پھر انہوں نے فائر کیا... فوراً بعد ہی دوسرا فائر کیا... کتا اپنی مہارت کے مطابق اچھلا تھا... اور پھر اس کی چیخ بلند ہوئی... دوسری گولی اس کے لگ گئی تھی...

''وہ مارا۔'' محمود چلا اٹھا۔

''بہت خوب جمشید۔''

ادھر کتوں نے اپنے ساتھی کو گر کر تڑپتے دیکھا تو وہ فوراً وہاں سے بھاگ نکلے...

''ارے یہ کیا۔'' خان رحمان کے منہ سے مارے حیرت کے نکلا۔

''فائر کرو جلدی۔'' انسپکٹر جمشید چلائے۔

انہوں نے بھاگتے کتوں کا نشانہ لیا اور فائر کرتے چلے گئے... کئی بھاگتے کتے گولیوں سے بچنے کے لیے اچھل نہ سکے، اس لیے کئی

ڈھیر ہو گئے... لیکن اتنی دیر میں بچ جانے والے کتے کافی فاصلے پر جا چکے تھے... انہوں نے بچ جانے والے کتوں کو دیکھا... وہ سات تھے... گویا آٹھ کتوں کو وہ ٹھکانے لگا چکے تھے...

''اب ان کا کیا کرو گے جمشید... یہ تو دور چلے گئے ہیں...'' خان رحمان پکارے۔

''انہیں نزدیک لانا ہوگا۔'' انسپکٹر جمشید نے کچھ سوچ کر کہا۔

''لیکن کیسے؟'' پروفیسر داؤد نے فوراً کہا۔

''نزدیک تو یہ آجائیں گے... مشکل یہ ہے کہ آپ لوگ انہیں نشانہ نہیں بنا سکیں گے۔''

''تم جو ہو۔''

''نہیں!'' انہوں نے انکار میں سر ہلا دیا۔

''نہیں کیا؟''

''میں درخت پر نہیں ہوں گا... انہیں نزدیک لانے کے لیے درخت سے نیچے اتروں گا۔''

''نن... نہیں... یہ... یہ بہت خطرناک ہوگا جمشید...'' خان رحمان نے گھبرا گئے۔''

''اس صورت میں ہم سب مارے جائیں گے... کیونکہ یہ

درختوں سے فاصلے پر تو رہیں گے... لیکن جائیں گے نہیں... آخر کب تک اوپر چڑھے رہیں گے... آخر ہمیں اترنا ہو گا۔"

"اف مالک... لیکن آپ کیا کریں گے... پہلے تو یہ بتائیں۔" فرزانہ نے پریشانی کے عالم میں کہا۔

"میں محمود کا چاقو ہاتھ میں لے نیچے اتروں گا اور نزدیک آنے پر ان سے جنگ کروں گا۔"

"خطرناک... انتہائی خطرناک۔" پروفیسر چلائے۔

"ہمیں یہ خطرہ مول لینا ہی ہو گا۔"

"یا اللہ رحم۔"

"جمشید... ہم سب مل کر ان پر فائر کریں گے اور جس طرح تم نے ایک کو نشانہ بنایا تھا... اسی طرح ہم بنانے کی کوشش کریں گے..." خان رحمان نے بلند آواز میں کہا۔

"لیکن صرف اس وقت تک جب تک یہ میرے نزدیک نہیں پہنچ جاتے... جب میں ان سے بھڑ جاؤں... تب فائرنگ نہیں ہو گی... ورنہ میں خود نشانہ بن سکتا ہوں..." انہوں نے جلدی جلدی کہا۔

"اچھی بات ہے۔" خان رحمان نے گویا بات منظور کر لی... پھر انہوں نے کہا۔

"محمود! تم اپنا چاقو بند کر کے میری طرف اچھال دو... اس انداز میں اچھالو کہ اگر میں اسے کیچ نہ کر سکوں تو وہ میرے درخت کے تنے کے پاس نیچے گرے... اس طرح میں نیچے چھلانگ لگاتے ہی چاقو اٹھا لوں گا اور کتے مجھ تک بعد میں پہنچیں گے۔"

"اچھی بات ہے۔"

"تو پھر شروع کرتے ہیں۔"

اور پھر محمود نے جوتے کی ایڑی میں سے چاقو نکال لیا... اسے بند کرتے ہی اس نے کہا۔

"سنبھالیے چاقو۔"

انسپکٹر جمشید چاقو کیچ کرنے کے لیے تیار ہو گئے... آخر محمود نے چاقو ان کی طرف پھینک دیا... انہوں نے ایک ہاتھ سے شاخ کو تھاما اور دوسرے سے چاقو پکڑنے کی کوشش کی... وہ چاقو کیچ کرنے میں کامیاب ہو گئے...

"بہت خوب جمشید۔" خان رحمان اور پروفیسر داؤد کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"شکریہ! اب آپ سب تیار ہو جائیں... کتوں کا نشانہ لینے کے لیے۔ میرا خیال ہے... مجھے نیچے دیکھ کر کتے مجھ پر حملہ ضرور کریں

گے ... اور یہی وقت ہوگا ... انھیں نشانہ بنانے کا۔''

''ٹھیک ہے۔''

''اور اس وقت چونکہ وہ پوری طرح میری طرف متوجہ ہوں گے ... اس لیے امید ہے، آسانی سے گولیوں کا نشانہ بن جائیں گے۔''

''ان شاء اللہ؟'' سب نے ایک ساتھ کہا۔

انسپکٹر جمشید نے چاقو دانتوں میں دبایا اور نیچے اتر گئے ... ادھر اوپر والوں نے کتوں کا نشانہ لے کر فائرنگ کی تیاری کر لی ... پھر جونہی انسپکٹر جمشید کے پاؤں نیچے لگے ... کتے بے تحاشہ بھاگتے ہوئے ان کی طرف لپکے ... اور اندھا دھند لپکے ... اس وقت وہ بھول گئے کہ درختوں پر ان کے ساتھی بھی موجود ہیں ... اوپر موجود ساتھیوں نے کتوں کو اپنے نشانے پر رکھ لیا ... چند کتے تڑ اتڑ گرے ... وہ چاقو کھول چکے تھے اور ایسے کسی بھی حملے کے لیے پوری طرح تیار تھے۔

کتے نے ان پر بہت ہی پھرتیلے اور خونخوار انداز میں چھلانگ لگائی ... وہ فوراً جھکائی دے گئے اور چاقو والا ہاتھ اٹھا دیا ... چاقو کتے کی ایک ٹانگ پر لگا ... اس کی ٹانگ کٹ گئی ... لیکن ساتھ ہی وہ ان پر آپڑا ... انھوں نے بلا کی رفتار سے پلٹی کھائی اور کتا زمین سے ٹکرایا ... فوراً ہی وہ اٹھا ... ادھر انھوں نے چاقو والا ہاتھ گھمایا، اس

بار چاقو اس کی کھال کاٹتا چلا گیا ... لیکن یہ وار بھی کاری نہیں تھا ... کتا اب پھر حملے کے لیے پر تول چکا تھا ... ادھر وہ چاقو اس انداز میں پکڑ چکے کہ جونہی وہ آئے ... وار کر سکیں ... پھر یہی ہوا ... ادھر اس نے ان پر چھلانگ لگائی، ادھر ان کا چاقو والا ہاتھ حرکت میں آگیا ... وہ چیخ مار کر گرا ... ساتھ ہی باقی کتے ان کی طرف دوڑ پڑے ... اب چونکہ ان کی پوری توجہ انسپکٹر جمشید پر تھی، اس لیے اوپر سے ہونے والی فائرنگ سے وہ خود کو بچا نہ سکے اور ڈھیر ہوتے چلے گئے ... ان کے گرتے ہی پروفیسر داؤد کی آواز سنائی دی۔

''خوب ... جمشید ... بہت خوب؟''

انھوں نے چاروں طرف کا جائزہ لیا ... کوئی کتا زندہ نظر نہ آیا ... وہ سب مارے جا چکے تھے ...

''ابھی آپ لوگ نیچے نہ آئیں ... بلکہ میں بھی اوپر آرہا ہوں ... کیونکہ فریحی دادا اپنے کتوں کی خبر لینے کے لیے ادھر ضرور آئے گا۔''

یہ کہتے ہی انسپکٹر جمشید اوپر چڑھنے لگے ... یہاں تک کہ اسی جگہ آگئے ... جہاں پہلے موجود تھے ...

''جمشید ... لگتا ہے کہ ہم زیادہ ہی الجھ گئے ہیں۔'' خان رحمان کی آواز سنائی دی۔

"تم دیکھ ہی رہے ہو خان رحمان ... اس میں ہمارا کوئی قصور نہیں ... سارا کیا دھرا فرجی داوا کا ہے ... اس غریب رزی کے تھوڑے سے پیسے بھی یہ لوگ ادا کیے بغیر آ گئے تھے ... اسی لیے ہمیں ادھر آنا پڑا۔"

"لیکن اب ہم ۔" خان رحمان کے الفاظ درمیان میں رہ گئے ... اسی وقت ایک تیز آواز گونجی تھی ...

"اس دائرے کے اندر اندر درختوں کو آگ لگا دو۔"

☆☆☆☆☆

بہادر شاہ

جونہی انہوں نے فرجی داو کے یہ الفاظ سنے، انسپکٹر جمشید نے سرگوشی کے انداز میں کہا

"نیچے اتر چلو ... اور تیر کی طرح سڑک کی طرف دوڑ پڑو ... اس سے پہلے کہ درخت آگ پکڑیں ... ہمیں آگ کے دائرے سے باہر نکلنا ہے۔"

انہوں نے ان کی ہدایت پر فوراً عمل کیا ... بلا کی تیزی سے نیچے اترے اور سڑک کی طرف دوڑ پڑے ... لیکن وہ سیدھے ہو کر نہیں دوڑ رہے تھے ... بلکہ رکوع کے انداز میں دوڑ رہے تھے ... تاکہ انہیں دیکھ نہ لیا جائے ... ایسے میں انہوں نے شعلے اٹھتے دیکھے ... درخت اس قدر جلد آگ نہیں پکڑ سکتے تھے ... کیونکہ درخت تو سرسبز ہوتے ہیں ... اس کا مطلب ہے ... انہوں نے پٹرول چھڑک کر انہیں آگ لگائی تھی ... ہوا کا رخ چونکہ دوسری طرف تھا ... اس لیے انہیں پٹرول کی بو

محسوس نہیں ہوئی تھی ... وہ نکلتے چلے گئے ... یہاں تک کہ آگے کے دائرے تک پہنچ گئے ... ابھی دائرہ مکمل نہیں ہوا تھا ... درمیان میں ایسی جگہیں تھیں ... جہاں آگ نہیں تھی ... انہوں نے اللہ کا شکر ادا کیا اور نکلتے چلے گئے ...

وہ سڑک پر پہنچ گئے ...

''میرا خیال ہے جمشید ... اب یہاں سے ریاست نواب چلتے ہیں ... فرجی دادا کو واپسی پر دیکھ لیں گے۔'' خان رحمان نے پریشانی کے عالم میں کہا۔

''لیکن خان رحمان ... تم یہ بھی تو سوچو کہ فرجی دادا اور اس کے ساتھی ہم پر ہنسیں گے۔''

''اچھی بات ہے ... تمہاری مرضی ... میں تو اس لیے کہہ رہا تھا کہ ہمارے پہنچنے سے پہلے وہاں کوئی کام نہ شروع ہو جائے۔''

''دیکھا جائے گا۔'' انہوں نے کندھے اچکائے۔

اور پھر آگ پھیلنے لگی ... وہاں کون سا فائر بریگیڈ کا لمبا چوڑا انتظام تھا کہ اس آگ کو بجھایا جا سکتا ... اور پھر فائر بریگیڈ آتا ہی کیوں ... فرجی دادا ایسی کوئی کوشش بھلا کیوں ہونے دیتا ... نتیجہ یہ کہ صبح تک آگ کے شعلے اٹھتے رہے ... دن نکلنے پر آہستہ آہستہ آگ بجھ

گئی ...

انسپکٹر داور صبح اپنے دفتر میں داخل ہوا تو اپنی کرسی پر کسی اور کو بیٹھے دیکھ کر بوکھلا اٹھا ... اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا ...

''یہ کیا ... میری کرسی پر کوئی اور۔'' وہ چلا اٹھا۔

کرسی پر بیٹھے شخص نے سر اوپر اٹھایا تو وہ بری طرح اچھلا ...

''تت ... تم ... تم زندہ ہو ... تم وہی ہونا۔''

''ہاں میں وہی ہوں ... میرے ساتھی بھی وہی ہیں ... وہ آرام سے کمرے میں آرام کر رہے ہیں ... رات ہم بہت تھک گئے تھے ... بس آگ سے بچ کر سیدھے ادھر چلے آئے، جانے کو ہم ہوٹل میں بھی جا سکتے تھے ... لیکن یہ جگہ زیادہ مناسب لگی۔''

''اور ... اور میرا عملہ۔''

''وہ ہمارے لیے ناشتا تیار کرنے کے لیے گیا ہے ... ناشتا لے کر آتا ہی ہوگا ... تمہیں بھی کرائیں گے۔ فکر نہ کرو۔''

''تمہارا دماغ تو نہیں چل گیا۔''

''یہ بات میں اپنے ساتھیوں سے پوچھ کر بتا سکتا ہوں۔'' انہوں نے ہنس کر کہا۔

''کون سی بات؟'' وہ جھلا کر بولا۔

''یہی کہ میرا دماغ چلا ہے یا نہیں۔''

''لگتا ہے... پاگل ہو گئے ہو۔''

''ہم نہیں... تم... بس چند ہی لمحوں میں تم پاگل نظر آؤ گے... حوالات کا دروازہ دیکھ رہے ہو... چپ چاپ اسے کھول کر اس کے اندر چلے جاؤ... اب تمہیں چند دن یہاں رہنا ہے... پھر جیل بھیج دیا جائے گا۔''

''کیا بکواس ہے... میں اس قصبے کا پولیس انسپکٹر ہوں۔''

''کل تک تھے... اب نہیں... یہ لو... اپنی معطلی کے احکامات پڑھ لو... ڈی آئی جی افتخار احمد صاحب کے احکامات۔''

''کیا... کیا کہہ رہے ہو تم... راتوں رات بھلا یہ آرڈر کیسے آسکتے ہیں۔''

''ہم جو کام کرتے ہیں... راتوں رات کرتے ہیں، ایک فون کیا اور یہ آرڈر یہاں بھجوا دیے گئے۔''

''تب تمہارے پاس یہ نقلی کاغذات ہیں۔''

''یہ رہا ڈی آئی جی صاحب کا نمبر... لو میں خود ہی ملا کر تمہیں ان کے احکامات سنا دیتا ہوں۔''

یہ کہتے ہوئے انہوں نے خان صاحب کا نمبر ملایا... جلد ہی ان

کی آواز سنائی دی:

''السلام علیکم سر۔''

''ہاں جمشید...'' ان کی آواز سنائی دی...

''جی سر... میرے پاس انسپکٹر داور کی معطلی اور گرفتاری کے احکامات ہیں... آپ ذرا ان صاحب کو بتا دیں کہ یہ احکامات اصلی ہیں یا نقلی۔''

''ٹھیک ہے جمشید... تم موبائل اسے دو۔''

''یہ لو انسپکٹر احکامات خود ڈی آئی جی صاحب کے ذریعے سن لو... اور چپ چاپ حوالات میں چلے جاؤ۔''

یہ کہہ کر انہوں نے موبائل اسے دے دیا... اس نے کانپتے ہاتھوں سے موبائل کو کان سے لگا لیا... ادھر سے کہا گیا...

''تم معطل ہو اور گرفتار بھی... سمجھے؟''

اتنا کہہ کر دوسری طرف سے فون بند کر دیا گیا... اسی وقت انسپکٹر جمشید کے ہاتھوں میں پستول نظر آیا...

''چلو جاؤ... حوالات میں... ابھی تمہارا ساتھی بھی آتا ہوگا۔''

اس کا رنگ پوری طرح اڑ چکا تھا... اس نے منہ سے کچھ نہ کہا اور حوالات میں چلا گیا... انہوں نے اٹھ کر دروازے کو تالا لگا دیا...

جلد ہی چند خفیہ فورس والے فرتی دادا کو لے آئے، انہوں نے بتایا یہ ہوٹل براری میں چھپے ہوئے تھے ... اور پھر اسی روز دارالحکومت سے نئے انسپکٹر اور نیا عملہ آ گیا ... یہ لوگ انسپکٹر جمشید کے دیکھے بھالے تھے اور اعتماد والے تھے ... انہوں نے انہیں ہدایات دیں ... پھر رکتے ہوئے بولے۔

"اس قصبے کو تمام خرابیوں سے پاک کرنا آپ کا کام ہے ... ہم واپسی پر یہاں سے ہو کر یہ اطمینان لے کر جائیں گے کہ یہاں کا نظام بالکل ٹھیک ہو گیا ہے ... ان کے ساتھیوں کو پکڑ کر بند کر دیں۔"

"آپ فکر نہ کریں۔"

اب وہ وہاں سے ریاست کی طرف روانہ ہوئے ...

"کافی لمبا ہو گیا یہ معاملہ ... اور مزے کی بات یہ ہے کہ اس سارے معاملے کا تعلق ریاست نواب سے بالکل نہیں۔" محمود نے کہا۔

"یہ تم نے کیسے کہہ دیا؟" انسپکٹر جمشید نے ان کی طرف دیکھا۔

"جی ... کیا مطلب؟" محمود نے حیرت زدہ انداز میں کہا۔

"ریاست نواب میں چل کر پتا چلے گا ... یہاں پیش آنے والے واقعات کا ریاست سے کوئی تعلق ہے یا نہیں۔"

"ت ... تو کیا ... رزی کے گھرانے سے بھی ریاست کا کوئی

تعلق ہے۔"

"نہیں! یہ میں نہیں کہتا ... رزی اور اس کے گھر والے بالکل الگ تھلگ زندگی گزار رہے ہیں ... البتہ اس قصبے کا ریاست نواب سے کوئی تعلق ہے ضرور ... یہ بات ریاست میں معلوم ہو گی۔"

"اور جمشید ... اب راستے میں رکنا نہیں۔" پروفیسر نے فوراً کہا۔

"میں تو پہلے بھی نہیں رکا تھا ... ہمیں تو اولوں نے روک لیا تھا۔"

"لیکن اس قصبے میں تو ہمیں اولوں کی وجہ سے نہیں جانا پڑا تھا۔"

"ہاں ... لیکن یہ اچھا ہی ہوا ... اگر یہ لوگ رزی کا حل دے آتے تو ہم بھی یہاں نہ آتے ... اللہ تعالیٰ ظالموں کو اسی طرح سزا دیتے ہیں۔"

اب ان کا سفر ریاست کی طرف شروع ہوا ... راستہ ان کا دیکھا بھالا تھا اور وہ ہر سال آتے ہی رہتے تھے ... پہلے کبھی انہیں راستے میں رکنا نہیں پڑا تھا ... یہ پہلا موقع تھا کہ اولوں نے انہیں گھیر لیا تھا ... آخر دو گھنٹے کے سفر کے بعد وہ ریاست میں داخلے کے دروازے پر پہنچ گئے ... یہ ایک مکمل آزاد ریاست تھی ... اگرچہ ملک میں شامل تھی ...

لیکن اس کا انتظام نواب ریاست علی کے ہاتھ میں تھا... حکومت تو بس ریاست سے ٹیکس اور دوسرے واجبات وصول کرتی تھی... اسی لیے دروازے پر کاغذات وغیرہ دکھانے پڑتے تھے... ان کے کاغذات فوراً ہی درست قرار دے دیے گئے اور وہ اندر داخل ہوئے... اب وہ ریاست کی کشادہ اور صاف شفاف سڑک پر چل رہے تھے... سڑک کے دونوں طرف بلند وبالا اور ہرے بھرے درختوں کی قطار تھی... نظارہ بہت خوب صورت تھا... سڑک کے دائیں بائیں جنگل تھا...

انھیں تقریباً بیس منٹ تک چلنا پڑا... پھر آبادی شروع ہوئی... چمکتی دمکتی گاڑیاں سڑکوں پر رواں دواں تھیں... کسی نے ان کی طرف توجہ نہ دی... توجہ دیتا بھی کون... یہ ریاست دولت مندوں کی ریاست تھی... ہر طرف گاڑیاں ہی گاڑیاں تھیں... وہ آگے بڑھتے رہے... یہاں تک کہ انھیں نواب صاحب کا محل نظر آنے لگا... محل کا دروازہ کسی قلعے کے دروازے جیسا تھا... مسلح پہرے دار انھیں دور سے ہی نظر آ گئے... جونہی ان کی گاڑی گیٹ پر پہنچی... دو مسلح پہرے دار گاڑی کے نزدیک آ گئے... پھر فوراً ہی چونک اٹھے... انھوں نے دروازہ کھولنے کا اشارہ کر دیا... گویا وہ انھیں اچھی طرح پہچانتے تھے... گیٹ کھلتے ہی ان کی گاڑی اندر داخل ہوئی... ساتھ ہی چند خادم ان کی طرف لپکے...

''گاڑی کے لیے اس طرف جگہ بنائی گئی ہے... آپ یہاں اتر جائیں... گاڑی ہم خود پارک کریں گے۔''

''آؤ بھئی۔'' انسپکٹر جمشید نے کہا۔

وہ نیچے اتر آئے... وہ ملازم انھیں اپنے ساتھ لے چلے... ان کے سامنے درختوں کے درمیان کھڑی ایک طویل وعریض عمارت تھی... دونوں ملازم انھیں ایک برآمدے میں لے آئے...

''آپ کے نام؟'' ایک نے کہا۔

''پروفیسر داؤد، خان رحمان، انسپکٹر جمشید اور محمود فاروق فرزانہ۔''

''ارے باپ رے... نواب صاحب تو کل سے آپ کا بے چینی سے انتظار کر رہے ہیں... آیئے... یہاں آپ بعد میں آیئے گا۔''

وہ وہاں سے واپس مڑے اور ان کے ساتھ چلتے ایک بڑے دروازے پر پہنچے... وہ اس دروازے کو پہچانتے تھے... ایک ملازم نے دروازے پر دستک دی... اندر سے فوراً دروازہ کھولا گیا... دروازے میں اندر کی طرف ملازم موجود تھا...

''انسپکٹر جمشید۔''

''ارے باپ رے... میرا خیال ہے... نواب صاحب تو یا دس

مرتبہ پوچھ چکے ہیں ... آپ فوراً اندر آجائیں۔''

اندر داخل ہونے سے پہلے انہوں نے ان دونوں ملازموں کی طرف دیکھا...

''گاڑی کی چابی۔''

''وہ آپ کو آپ کے کمرے میں ملے گی ... فکر نہ کریں۔''

وہ اندر داخل ہو گئے ... اندر شاہانہ کرسی پر نواب صاحب بیٹھے اپنے کسی سیکرٹری سے بات کر رہے تھے ... انہیں دیکھتے ہی انہوں نے بات درمیان میں چھوڑ دی اور بولے...

''ہم یہ بات پھر کریں گے ... میرے وہ مہمان آگئے ہیں... جن کا شدت سے انتظار تھا... تم جا سکتے ہو۔''

''بہت بہتر نواب صاحب ... لل ... لیکن۔''

''لیکن کیا۔''

''ایک ضروری بات رہ جاتی ہے۔''

''جلدی کہو۔'' انہوں نے کہا۔

''بہادر شاہ کا چکر۔''

''میں سمجھ گیا ... تم جاؤ ... پھر بات کریں گے۔''

''بہادر شاہ۔'' انسپکٹر جمشید اور بچوں نے یہ نام دل ہی دل میں

دہرایا...

''یہ بہادر کون ہیں؟'' انسپکٹر جمشید نے سیکرٹری کے جانے کے بعد کہا۔

''چھوڑیں کوئی خاص بات نہیں ... پہلے آپ لوگ سنائیں... آپ کو تو یہاں کل پہنچنا تھا... آپ لوگ آج کیوں آئے ہیں۔''

''درمیان میں ہمیں اولوں نے آلیا تھا... ہمیں ایک رات کہیں ٹھہرنا پڑا ... پھر کچھ دیر قصبہ پیرو میں لگ گئی۔''

''قصبہ پیرو۔'' نواب صاحب زور سے چونکے ... ان کے چہرے کا رنگ اڑ گیا... اب تو وہ بھی حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکے...

''خیر تو ہے نواب صاحب... آپ قصبہ پیرو کے نام پر چونک کیوں گئے۔''

''قصبہ پیرو آج کل ریاست کے لیے سازش کا گڑھ بنا ہوا ہے اور سچ تو یہ ہے کہ میں آپ لوگوں سے اسی کے سلسلے میں بات کرنے کے لیے بے چین تھا... آپ نے خود ہی ذکر چھیڑ دیا... پہلے آپ یہ بتائیں ... وہاں ہوا کیا؟''

''اب تو ہمیں ساری بات شروع سے بتانا پڑے گی ... کیونکہ معاملہ سنجیدہ لگتا ہے ... راستے میں جب ہمیں اولوں نے آلیا اور اولوں

کی وجہ سے ساری سڑک ڈھک گئی ... تو ہمیں راستے کے ایک گھر میں پناہ لینی پڑی ... وہ گھر پتھروں کا بنا ہوا تھا ... ہم نے رات وہاں گزاری ... رات کا کھانا بھی کھایا اور صبح کا ناشتا بھی کیا ... ان لوگوں کا یہ کام ہے کہ مسافروں کو بہت سستا کھانا تیار کر کے دیتے ہیں ... جب انہوں نے بہت تھوڑے پیسے بتائے تو ہمیں بہت زیادہ حیرت ہوئی ... اور ہم نے کئی گناہ پیسے دیے ... تو وہ حیران رہ گئے ... ایسے میں ان کے منہ سے نکل گیا کہ ایک آپ ہیں ... ایک وہ لوگ تھے ... جو کھانے کا بل دیے بغیر چلے گئے ... ہمیں بہت برا لگا کہ یہ بے چارے اتنا اچھا کھانا ... اتنے کم پیسوں میں کھلاتے ہیں اور ایسے غریب لوگوں کے پیسے بھی کچھ لوگ مار کر چلے جاتے ہیں ... انہوں نے ہمیں یہ بھی بتایا کہ وہ لوگ قصبہ بیرو کے تھے ... اور یہ کہ ان میں سے ایک کا کان کٹا ہوا تھا ... بس ہم سے رہا نہ گیا ... ہمارا جی چاہا ان لوگوں کو سبق سکھانا چاہیے اور ہم دوسرے دن وہاں پہنچ گئے۔"

"اوہ ... اوہ۔"

مارے حیرت اور خوف کے نواب صاحب اچھل پڑے ... ان کی حالت دیکھ کر ان کی حیرت میں بھی کئی گناہ اضافہ ہو گیا ...

ان کی آواز سے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ نیند میں ہوں ... لیکن

وہ نیند میں نہیں تھے ... بلکہ پورے ہوش میں تھے ... اس دوران وہ کمرے کا جائزہ لے چکے تھے ... سامنے والی دیوار پر ایک نوجوان کی تصویر بہت خوب صورت فریم میں لگائی گئی تھی ... انہوں نے فوراً جان لیا کہ وہ نواب صاحب کے بیٹے کی تصویر تھی ... انہیں تصویر کی طرف دیکھتے پا کر نواب صاحب نے خود ہی بتا دیا ...

"یہ میرے بیٹے وجاہت کی تصویر ہے ... ہاں تو کیا ہوا قصبے میں ؟"

"بس ہونا کیا تھا ... قصبے میں ایک ہوٹل ہے ، ہوٹل براری ... ہم اس میں چلے گئے ... وہاں وہی کان کٹا اپنے ساتھیوں کے ساتھ آ گیا ... ہم تو وہاں گئے ہی اس کے چکر میں تھے ... اس غریب آدمی کے چند سو روپے وہ سورما مار کر چلے آئے تھے ... ہمیں ان پر بے تحاشہ غصہ تھا ... بس ہم بھڑ گئے ان سے۔"

"نن نہیں۔" مارے حیرت کے نواب صاحب کے منہ سے نکلا۔

"کیوں ... کیا آپ کے خیال میں ہم ان سے ٹکر نہیں لے سکتے تھے۔"

"ہاں جمشید ... میرا یہی خیال ہے ... کیونکہ ..."

"کیونکہ کیا ؟" انہوں نے ایک ساتھ کہا۔

''کیونکہ ... فرجی ... ایک بہت خوفناک طاقت کا نام ہے۔''

''یہ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں۔'' خان رحمان نے حیران ہو کر کہا۔

''اس نے پندرہ کے قریب خونخوار کتے پال رکھے ہیں ... اب تک وہ ریاست کے کئی لوگوں کو ہلاک کر چکا ہے ... لیکن میں ... اس ریاست کا نواب ہوتے ہوئے، اس کے خلاف کچھ نہیں کر سکا ... اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکا ... پندرہ خوفناک کتوں کے علاوہ اس کے پاس غنڈے بھی ہیں ... وہ ان غنڈوں سے جو چاہتا ہے، کام لیتا ہے۔''

''ہم جانتے ہیں نواب انکل۔'' محمود مسکرایا۔

مارے حیرت کے ان کا برا حال ہو گیا ... انسپکٹر جمشید نے پھر اس تصویر کی طرف دیکھا ... انھیں اس نوجوان میں اور نواب صاحب میں کوئی فرق نظر نہیں آ رہا تھا ... ان سے رہا نہ گیا ... پوچھ بیٹھے ...

''یہ تو بالکل آپ کی تصویر لگتی ہے ... یعنی آپ کی جوانی کی تصویر۔''

''ہاں لگتی ضرور ہے ... لیکن یہ میرے بیٹے کی تصویر ہے ... ہاں تو وہاں قصبے میں کیا ہوا؟''

''ہونا کیا تھا ... مقابلہ ہوا۔''

''کیا!!!'' مارے حیرت کے ان کے منہ سے نکلا۔

خوش آمدید

چند لمحے سکتے کے عالم میں گزر گئے ... نواب صاحب انھیں اور وہ نواب صاحب کو ٹکٹکی باندھے دیکھ رہے تھے ...

''کیا کہا آپ نے جمشید ... آپ لوگوں نے ان کا مقابلہ کیا ... ان کے کتوں کے ہوتے ہوئے۔''

''ہاں! بالکل کیا۔''

''جب کہ میں سمجھتا ہوں ... ایسا نہیں ہو سکتا ... وہ کتے تو پورے سو آدمیوں کے قابو میں نہیں آئے تھے اور انہوں نے ان سو کو بھگا دیا تھا ... کیونکہ ان پر تو گولیاں بھی اثر نہیں کرتیں ... میرا مطلب ہے ... وہ گولیوں کے وار بھی بچا جاتے ہیں ... تو پھر بھلا آپ لوگ ان سے کیسے ٹکرا سکتے تھے ... لگتا ہے ... وہ آپ لوگوں کے مقابلے میں کتوں کو لائے ہی نہیں ہوں گے۔'' نواب صاحب روانی کے عالم میں کہتے چلے گئے۔

"یہ بات نہیں ... وہ ہمارے مقابلے میں کتوں کو لائے تھے۔"

"اوہو اچھا ... تو پھر۔"

"بس پھر کیا ... اس بے چارے ... میرا مطلب ہے فرجی کے کتے ہمارے ہاتھوں مارے گئے۔"

"نن نہیں ... نہیں۔" نواب صاحب اچھل کر کھڑے ہو گئے۔

"میرے نزدیک یہ ناممکن سے بڑھ کر بات ہے۔" نواب صاحب چلائے۔

"لیکن ہمارے نزدیک تو ممکن ہے؟"

"آخر کیسے ... جب وہ کتے پستولوں کی گولیوں تک کے وار بچا جاتے ہیں ... تو آپ لوگ ان کے مقابلے میں کیسے کامیاب ہو گئے۔"

"ان سے مقابلہ بہت مشکل ضرور تھا ... لیکن اللہ کی مہربانی سے ہم کامیاب رہے۔"

"اور ... فرجی دادا۔"

"وہ اور انسپکٹر داور اب حوالات میں ہے ... دارالحکومت سے نئے انسپکٹر آچکے ہیں۔"

"افسوس!" نواب صاحب نے دکھ بھرے لہجے میں کہا۔

"افسوس ... کس بات پر؟"

"آپ لوگوں کی خوش فہمی پر ... آپ اس نئے انسپکٹر کو فون کریں ... کیا نام ہے بھلا اس کا۔"

"انسپکٹر کمال سلیمی۔"

"کمال سلیمی کے نمبر اگر پاس ہیں تو ان سے رابطہ کریں اور نہیں ہیں تو دارالحکومت سے معلوم کر کے فون کریں۔"

"میرے پاس اس کے نمبر ہیں ... ہماری موجودگی ہی میں وہ قصبہ بیرو پہنچ گیا تھے ... لہٰذا میں نے اس کے نمبر لے لیے تھے۔"

یہ کہہ کر انہوں نے انسپکٹر کمال سلیمی کے نمبر ملائے ... لیکن ان کا موبائل بند تھا ... اب تو ان کی پیشانی پر بل پڑ گئے ...

"میں نے کیا کہا تھا ... حالات کا مجھے پہلے ہی اندازہ ہے ... اور اس دعوت کے بعد میں آپ لوگوں کو یہ تمام حالات بتاتا اور درخواست کرتا کہ واپسی پر آپ لوگ قصبہ بیرو ہوتے جائیں ... لیکن میں آپ لوگوں کو حالات سے پوری طرح باخبر کر کے بھیجتا ... اس طرح آپ لوگ وہاں خطرات میں نہ گھرتے ..."

"لیکن۔" انسپکٹر جمشید لیکن کہہ کر رک گئے ... نواب صاحب نے ان کی طرف دیکھا ...

"لیکن کیا!"

"آپ کو یہ تمام باتیں کیسے معلوم ہیں۔"

"اس لیے کہ ہم بھی فرجی دادا کی زد میں ہیں ... وہ ہمارے کئی ساتھی اغوا کر چکا ہے ... ابھی میرے سیکرٹری بہادر شاہ کا ذکر کر رہے تھے نا ... وہ بھی غائب ہیں۔"

"آخر کیوں ... وہ آپ سے کیا چاہتا ہے۔"

"وہ میری پوری ریاست پر قبضہ کرنے کا خواب دیکھ رہا ہے۔"

"حیرت ہے ... قصبہ ہیرو اور آپ کی ریاست کوئی مکمل آزاد ریاستیں نہیں ہیں ... جن پر کوئی شخص قبضہ کر لینا چاہے ... یہ تو ہماری اپنی حکومت میں شامل ہیں ... اگر کوئی طاقت ان پر قبضہ کرنے کی کوشش بھی کرے تو حکومت آڑے آئے گی ... آئے گی یا نہیں۔"

"ہاں ! یہی بات ہے ... لیکن۔" نواب صاحب کہتے کہتے رک گئے۔

"لیکن کیا؟"

فرجی دادا کو کوئی خوف نہیں ہے ... کچھ طاقتیں اس کی پشت پر ہیں اور ان طاقتوں کی خواہش کیا ہے ... یہ مجھے معلوم نہیں ... بس وہ ریاست میں گڑ بڑ کرنا چاہتی ہیں اور یہ کام وہ قصبہ ہیرو میں رہ کر کے رہی ہیں ... یہ سب میرے اندازے ہیں ... معلوم نہیں اندازے

درست ہیں یا نہیں ... اتنی بات طے ہے کہ گڑ بڑ ہو رہی ہے ... اور اس گڑ بڑ کا نشانہ میں ہوں ... یہ لوگ مجھے ختم کرنا چاہتے ہیں۔"

"تب بات کو سمجھنا کیا مشکل ہے۔" انسپکٹر جمشید نے حیران ہو کر پوچھا۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ اس بات کا جائزہ آسانی سے لیا جا سکتا ہے کہ آپ کو راستے سے ہٹا کر انہیں کیا فائدہ حاصل ہو گا۔"

"میں نے اس پر بہت غور کیا ہے ... لیکن کوئی بات پلے نہیں پڑی ... میری موت کی صورت میں میرا بیٹا ریاست کا نواب بن جائے گا ... اس طرح انہیں کوئی فائدہ نہیں ہو گا ..."

"انہیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا ... لیکن آپ کے بیٹے تو نواب بن جائیں گے۔" انسپکٹر جمشید نے فوراً کہا۔

"کیا مطلب؟" وہ زور سے اچھلے۔

"دیکھیے نا ... کیا خبر ... یہ ساری سازش آپ کے بیٹے کی ہو ... وہ آپ کو راستے سے ہٹانا چاہتے ہوں۔"

"نن نہیں ... اس پہلو پر تو میں نے کبھی سوچا ہی نہیں ... اور پھر اس طرح ان طاقتوں کو کیا فائدہ ہو گا۔"

”آپ کا بیٹا ان کے ہاتھ میں ہوگا... اس طرح پوری ریاست گویا ان کے ہاتھ میں ہوگی... ہمارے ملک کے کسی ایک حصے میں بھی اگر ہمارے دشمن ملکوں کو اس طرح قبضہ کرنے کا موقع مل جائے تو یہ بات ہمارے پورے ملک کے لیے نقصان دہ ہوگی... صرف یہی نہیں کہ ایک ریاست ان کے ہاتھ میں آجائے گی... بلکہ اس کا اثر پورے ملک پر پڑتا ہے... لہٰذا آپ پہلے اپنے بیٹے کے بارے میں بتائیں... وہ آج کل کہاں ہیں۔“

”انگلستان میں... اعلیٰ تعلیم حاصل کر رہا ہے... یہاں تو وہ ہے ہی نہیں۔“

”اوہ... اوہ۔“ مارے حیرت کے ان کے منہ سے نکلا۔

”کیوں... اس میں حیرت کی کیا بات ہے۔“

”حیرت کی بات ہو سکتی ہے... کیونکہ انگلستان کا طریقہ یہی ہے۔“

”میں سمجھا نہیں۔“ نواب ریاست نے حیران ہو کر کہا۔

”بڑوں کی اولاد غیر ممالک میں اعلیٰ تعلیم کے لیے جاتی ہے... تو وہاں ان کے ذہن تبدیل کرنے کی کوشش شروع کر دی جاتی ہے... انہیں اپنے رنگ میں رنگا جاتا ہے... تاکہ کل جب وہ اپنے ملک جا

کر عہدے سنبھال لیں... تو وہ ان سے اپنی مرضی کے کام لے سکیں... ایسی بہت سی مثالیں موجود ہیں... ایسے کئی افراد تو واپس آکر ملک کے حکمران بھی بنے ہیں... اب ظاہر ہے... وہ حکمران کن کی انگلیوں پر ناچیں گے... اس طرح بعض اوقات تو پورا ملک ہی ان کے قبضے میں چلا جاتا ہے... ظاہر ہے جب حکمران ہی ان کی انگلیوں پر ناچیں گے تو حکومت بھی انہی کی ہو جائے گی نا... آپ اپنے ملک کے حالات کا جائزہ لے لیں... یہ باتیں آپ صاف محسوس کر لیں گے... میرا مطلب ہے... اگر ان لوگوں نے آپ کے بیٹے کے دماغ پر قبضہ کر لیا ہے تو یہ ساری خرابی ہی ان کے ذریعے سے بھی ہو سکتی ہے... وہ طاقتیں چاہیں گی... آپ کو موت کے گھاٹ اتار دیا جائے اور آپ کے بیٹے کو ریاست کا نواب بنا دیا جائے... اور ریاست پر ان کا قبضہ ہو جائے... ظاہر میں قبضہ آپ کے بیٹے کا ہوگا، لیکن اندر خانے قبضہ ان کا ہوگا... کیونکہ آپ کا بیٹا ذہنی طور پر ان کا غلام بن کر آئے گا، غلام بنانے کے لیے وہ جو ہتھکنڈے استعمال کرتے ہیں، ان کے بارے میں آپ سوچ بھی نہیں سکتے... ان حالات میں ہم فوری طور پر واپس قصبہ ہیرو جانا پسند کریں گے... کیونکہ ہم فرحی دادا کا معاملہ عام معاملہ خیال کر بیٹھے... ہمیں نہیں معلوم تھا... معاملہ اس حد تک گہرائی میں جا

چکا ہے ... آپ پوری طرح ہوشیار رہیں ... ہو سکتا ہے ... آپ کی
زندگی خطرے میں ہو ... ہم نے یہاں آتے ہی آپ کے سیکرٹری
صاحب کو کہتے سنا تھا ... اور نواب صاحب ... بہادر خان ... آپ نے
اس سے کہہ دیا تھا کہ اس کا معاملہ پھر دیکھیں گے ... مہربانی فرما کر
ہمیں بتا دیں ... یہ بہادر خان کون ہیں اور ان کا کیا معاملہ ہے۔''

''اچھی بات ہے ... بہادر خان میرا ایک خاص آدمی ہے ...
آپ اسے میرا رازدار کہہ لیں ... وہ تین دن سے غائب ہے ... ہم
اسے ہر طرف تلاش کر چکے ہیں ... لیکن اس کا کوئی سراغ نہیں لگ
سکا۔''

''اوہ ... یہ معاملہ بھی غیر اہم نہیں ہے ... لگتا ہے ... آپ کی
ریاست اس وقت پوری طرح سازش کی زد میں ہے ... اور ان حالات
میں آپ دوستوں کو دعوت دے رہے ہیں ... کیا آپ اس دعوت کو
کینسل نہیں کر سکتے۔''

''یہ ... بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے ... دعوت نامے جا چکے ہیں ...
مہمانوں کی آمد پہلے ہی شروع ہے ... پرسوں کا پروگرام ہے... کل تک
تمام مہمان آچکے ہوں گے۔''

''اچھی بات ہے ... اب جو ہوگا ... دیکھا جائے گا ... انہوں

نے کندھے اچکائے ... پھر ساتھیوں کی طرف دیکھتے ہوئے انہوں نے
کہا۔

''ہم قصبہ بیرو جا رہے ہیں ... اگر وہاں حالات درست ہوئے تو
رات سے پہلے لوٹ آئیں گے ... کوئی گڑبڑ ہوئی تو وہاں ٹھہریں گے
اور کل شام تک آنے کی کوشش کریں گے۔''

''اس طرح تو میں اور زیادہ پریشان رہوں گا ... آپ لوگوں
کے آنے سے کچھ ڈھارس بندھ گئی ہے۔''

''یہاں جو کچھ ہوگا ... پرسوں سے پہلے نہیں ہوگا ... ہم کل
رات سے پہلے پہلے آجائیں گے۔''

''اور یہاں کیا ہوگا۔''

''مجھے کچھ اندازہ نہیں ... دراصل جب سے یہ معاملہ شروع ہوا
ہے، اس وقت سے اس کا کوئی سر پیر سمجھ میں نہیں آرہا ... سارا کا سارا
معاملہ ہی اٹ پٹانگ ہے ... پروفیسر صاحب کی تجربہ گاہ میں کوئی
عجیب و غریب وجود داخل ہوا تھا ... اندر داخل ہونے سے پہلے اس نے
تجربہ گاہ کے چار پہرے داروں کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا ... اس
کے بعد وہ اندر داخل ہوا تھا ... پروفیسر داؤد نے اسے دیکھ کر خوف
محسوس کیا ... ان کے خیال میں وہ یا تو کسی دوسری دنیا کی کوئی مخلوق

تھی یا پھر روبوٹ قسم کی کوئی چیز تھی ... بہر حال اس کے اندر آنے کے طریقے اور انداز نے انہیں خوف زدہ کر دیا ... اور یہ وہاں سے نکل آئے ... ہمیں ادھر آنا تھا ... ہم تیاری کر رہے تھے کہ اس مخلوق کی طرف سے پیغام ملا کہ ریاست نواب تو تم لوگوں کو آنا ہی ہے ... وہاں دیکھ لیں گے ... اس نے گویا دھمکی دی تھی ... اور یہ دھمکی تحریری طور پر ہمیں اپنے گھر سے ملی تھی ... ہمارا گھر بھی اس نے توڑا پھوڑا تھا ... ان حالات میں ہم ادھر کا رخ نہ کرتے تو کیا کرتے ... لیکن یہاں تو وہ کہیں بھی نظر نہیں آیا ... کیا آپ کو ان دنوں یہاں کوئی عجیب وغریب مخلوق نظر آئی ۔''

''بالکل نہیں ... لیکن قصبہ ہیرو کی طرف سے خوفناک خبریں ملتی رہتی ہیں ۔''

''اچھی بات ہے ... آپ پوری طرح ہوشیار رہیں ... ہم جلد واپس آنے کی کوشش کریں گے ۔''

''ہم ... مجھے ڈر لگ رہا ہے ... نہ جانے کیوں ... ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ ہم آخری بار مل رہے ہیں اور اب پھر کبھی نہیں مل سکیں گے ۔''

''ارے ارے ... یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں ... ہمیں تو یہاں

دور دور تک کسی خطرے کے آثار نظر نہیں آ رہے ... یہ آپ کا صرف خیال ہے ... اور اگر آپ زیادہ ہی پریشان ہو رہے ہیں تو میں بچوں کو اور پروفیسر صاحب کو یہاں چھوڑ جاتا ہوں ... میں اور خان رحمان قصبہ ہیرو ہو آتے ہیں ۔''

''یہ ... یہ ٹھیک رہے گا ۔'' نواب صاحب نے فوراً کہا ۔

''خود یہاں ٹھہر کر بچوں کو اس لیے نہیں بھیج سکتا کہ وہاں پہلے بھی خطرناک صورتِ حال پیش آئی تھی ۔''

''ٹھیک ہے ... جمشید ... تم نے میری اتنی بات تو مان لی ... کہ بچوں کو یہاں چھوڑے جا رہے ہو ... یہ بھی بہت ہے ... میں انہیں اچھی طرح جانتا ہوں ... خطرناک حالات میں بھی یہ حوصلہ جوان رکھتے ہیں ... اور رہ گئے پروفیسر صاحب ... یہ بھی کسی سے کم نہیں ۔''

''آپ کم از کم مجھے تو شرمندہ نہ کریں ۔'' پروفیسر مسکرائے ۔

''آپ کا مطلب ہے ... میں انہیں شرمندہ کر سکتا ہوں ۔'' نواب صاحب نے فوراً کہا ۔ اور وہ مسکرا دیے ۔

''اچھا ہم چل دیے ۔ السلام علیکم ۔''

''وعلیکم السلام ... کیا ہم آپ کو دروازے تک چھوڑ دیں ۔'' فرزانہ بولی ۔

"جی نہیں ... آپ لوگ یہیں ٹھہریں ۔" نواب صاحب نے پھر گھبرا کر کہا۔ وہ ہنس دیے ... ان دونوں کے نکلتے ہی فرزانہ نے کہا۔

"اب آپ بے فکر ہو جائیں ۔"

"پروفیسر صاحب ... آپ آرام کریں ... میں انھیں اپنی بیوی اور بیٹی سے ملواتا ہوں ..."

"اچھی بات ہے ۔"

"آئیں ... بھئی ۔"

وہ ان کے پیچھے چلتے ہوئے ایک بڑے صحن میں آئے ... اس کے دوسری طرف ایک بہت شان دار دروازہ تھا ... انہوں نے دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو گئے ... ان کے پیچھے ہی وہ تینوں داخل ہوئے ... ایسے میں انہوں نے ایک سرد آواز سنی ...

"خوش آمدید!"

☆☆☆☆☆

ان کا خوف

"یار جمشید!" گاڑی چلاتے ہوئے خان رحمان نے کہا۔

انسپکٹر جمشید نے ان کی طرف دیکھا ... وہ بہت فکر مند لگ رہے تھے ... انہوں نے فوراً کہا۔

"کیا بات ہے ... خیر تو ہے ۔"

"میں کچھ پریشانی محسوس کر رہا ہوں ... میرا جی چاہ رہا ہے ... ہم فی الحال یہیں ٹھہریں ... کہیں ہماری عدم موجودگی میں کوئی گڑ بڑ نہ ہو جائے ۔"

"ہمارا وہاں جانا بھی ضروری ہے خان رحمان ... ویسے تمہیں بھی زیادہ ڈر لگ رہا ہے تو تم ٹھہر سکتے ہو ... میں تمہیں واپس محل تک چھوڑ آتا ہوں ۔"

"نن ... نہیں ... یوں نہیں ... تم بھی واپس چلو ۔"

"تم بھول رہے ہو خان رحمان ... انسپکٹر کمال سلیمی کی طرف

سے کوئی جواب نہیں مل رہا... لہٰذا ثابت ہوا، وہاں کوئی شدید گڑ بڑ ہے ... اور انسپکٹر کمال سلیمی کو میں نے ہی قصبے میں بلوایا ہے ... لہٰذا میں ان کے لیے فکر مند ہوں ... ادھر چاہے کچھ کیوں نہ ہو جائے ... میں اودھر ضرور جاؤں گا ... ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ ہم جلد از جلد لوٹ آئیں۔''

''اچھی بات ہے جمشید ... اب میں کچھ نہیں کہوں گا ... اللہ مالک ہے۔''

''بالکل ٹھیک۔'' وہ ہنس دیے۔

ڈیڑھ گھنٹے کی تیز ڈرائیونگ کے بعد وہ قصبہ ہیرو میں داخل ہو رہے تھے ... اور یہ محسوس کر رہے تھے ... وہاں ہر طرف سکون اور اطمینان ہے ... کوئی گڑ بڑ نہیں ہے ... کیونکہ ہر طرف امن اور چین نظر آ رہا تھا ... راستے میں انھیں ایک جگہ تخت کچھڑ نظر آیا ... انھیں بچ کر چلنا پڑا ...

''لگتا ہے خان رحمان ... یہاں کوئی گڑ بڑ نہیں ہے۔'' انھوں نے کیچڑ پر نظریں جمائے ہوئے کہا۔

''تب پھر انسپکٹر کمال سلیمی کا فون کیوں بند ہے۔'' انسپکٹر جمشید بڑبڑائے۔

''خیر پتا چل جاتا ہے۔''

''ہم سیدھے پولیس اسٹیشن چلتے ہیں ... کیا خیال ہے۔''

''بالکل ٹھیک ہے۔''

وہ وقت شام کا تھا ... ابھی سورج غروب نہیں ہوا تھا ... پولیس اسٹیشن کے سامنے گاڑی روک کر وہ نیچے اترے ... گیٹ پر کوئی کانسٹیبل نہیں تھا ... دونوں آگے بڑھے ... دائیں بائیں ... تھانے کے عملے میں سے انھیں کوئی نظر نہ آیا ... اس پر انھیں حد درجے حیرت ہوئی ... آگے بڑھے تو انسپکٹر کا دفتر بھی خالی تھا ...

''حیرت ہے ... سب لوگ کہاں چلے گئے۔'' انسپکٹر جمشید کے منہ سے نکلا۔

''لگتا ہے ... کسی فوری ضرورت کے تحت سب لوگوں کو اچانک کہیں جانا پڑا ہے۔'' خان رحمان نے کہا۔

''ن ... نہیں ... ارے باپ رے ... بھاگو خان رحمان ... باہر کی طرف۔''

یہ کہتے ہی انھوں نے خان رحمان کا ہاتھ پکڑا اور دو تین لمبی چھلانگیں لگاتے ہوئے باہر نکل آئے ...

''گاڑی پولیس اسٹیشن سے دور لے چلو خان رحمان ... جلدی کرو۔''

خان رحمان نے منہ سے ایک لفظ نہ کہا اور گاڑی میں بیٹھتے ہی اسے اسٹارٹ کر دیا... اور اسی حالت میں واپس پلٹتے چلے گئے... انسپکٹر جمشید گاڑی کے ساتھ ساتھ دوڑ رہے تھے... کافی فاصلے پر آ کر وہ رک گئے...

"آخر تم نے کیا محسوس کیا ہے جمشید۔"

"یہ کہ پولیس اسٹیشن میں کوئی بم رکھا گیا ہے۔"

"لیکن یہ کیا بات ہے... ہمیں کوئی نظر کیوں نہیں آ رہا۔"

"اللہ اپنا رحم فرمائے... خان رحمان... مم... مجھے ڈر لگ رہا ہے۔"

خان رحمان کو ہنسی آ گئی... یہ ہنسی بے ساختہ آئی تھی... کیونکہ انھوں نے انسپکٹر جمشید کے منہ سے زندگی میں پہلی بار سنا تھا... مجھے ڈر لگ رہا ہے...

"ڈرا اور تمھیں۔" خان رحمان نے کہا اور پھر ہنسنے لگے۔

"یار تم ہنس رہے ہو اور مجھے ڈر لگ رہا ہے۔" انسپکٹر جمشید نے برا مان کر کہا۔

"مذاق نہ کرو جمشید۔"

"میں مذاق نہیں کر رہا۔"

"کک... کیا واقعی۔"

"ہاں... پورا قصبہ خالی نظر آ رہا ہے... آخر کیوں... لوگ گھروں میں کیوں دبکے ہوئے ہیں... پولیس اسٹیشن میں کیوں کوئی موجود نہیں ہے... آخر یہ سب کیا ہے... ان حالات میں اگر میں خوف محسوس کروں گا تو یہ بات عجیب نہیں... لیکن تم غلط سمجھے خان رحمان۔"

"کیا کہا جمشید... میں غلط سمجھا... اور میں کیا غلط سمجھا؟"

"یہ کہ میں اپنے لیے خوف زدہ ہوں... نہیں... میں دوسروں کے لیے خوف زدہ ہوں... میں کمال بیگی کے لیے اور اس کے ماتحتوں کے لیے اور سادہ لباس والوں کے لیے خوف زدہ ہوں۔"

"نن نہیں۔"

"بھلا انھیں کیا خطرہ ہو سکتا ہے جمشید۔"

"پتا نہیں... لیکن میں یہی محسوس کر رہا ہوں... ہمیں چاہیے تھا... پروفیسر صاحب کو ساتھ لے آتے... وہاں کے لیے محمود، فاروق اور فرزانہ کافی تھے... اب کیسے معلوم ہو کہ پولیس اسٹیشن میں کوئی بم رکھا گیا ہے یا نہیں۔"

"تم بھول رہے ہو جمشید۔" خان رحمان مسکرائے۔

''کیا مطلب ... میں کیا بھول رہا ہوں۔''

''یہ کام کوئی اپنی گھڑی سے بھی لے سکتا ہے۔''

''اوہ ہاں واقعی۔''

ان کی گھڑی میں بھی ایسا نظام تھا ... بم وغیرہ کا پتا چل سکتا تھا... انہوں نے گھڑی کا وہ بٹن دبایا جس سے یہ نظام جاری ہو جاتا...

''تم یہیں ٹھہرو ... میں پولیس اسٹیشن کے نزدیک جا کر دیکھتا ہوں... اس گھڑی کی مدد سے تو صرف قریب جا کر ہی پتا چل سکتا ہے۔''

''اچھی بات ہے... لیکن اب میں تمھارے لیے فکر مند ہونے لگا ہوں۔''

''اللہ مالک ہے۔''

اور پھر وہ پولیس اسٹیشن کی طرف بڑھنے لگے ... ان کی نظریں گھڑی کی سرخ رنگ کی باریک سوئیوں پر تھیں ... اس وقت تک وہ سوئیاں بالکل ساکن تھیں... پولیس اسٹیشن کے دروازے پر پہنچ کر بھی وہ ساکن ہی رہیں، اب انھیں کچھ اطمینان ہوا ... اندر قدم رکھنے پر بھی سوئیوں کی کوئی حرکت نہ ہوئی... اب وہ مختلف سمتوں میں دوڑ دوڑ کر گئے ... لیکن سوئیوں کو حرکت نہ ہوئی ...

''آجاؤ خان رحمان ... یہاں کچھ بھی نہیں ہے۔''

خان رحمان بھی ان کے پاس آگئے ... اب انہوں نے پولیس اسٹیشن کو چیک کرنا شروع کیا ... وہاں کوئی نہیں تھا ... ایسے میں ایک آواز گونجی...

''انسپکٹر جمشید ... قصبہ ہیرو تمھیں خوش آمدید کہتا ہے ... انسپکٹر کمال سلیمی اور اس کے ماتحتوں سے ملنے کے لیے تمھیں ہوٹل براری کے سامنے واقع جنگل میں آنا ہوگا ... اسی جگہ ... جہاں تم نے ہمارے پندرہ کتوں کو ہلاک کیا تھا... اور تمھاری اطلاع کے لیے عرض کر دیں ... نواب صاحب کے ہاں تمھارے تینوں بچے بھی اس وقت زندگی اور موت کی کش مکش سے دوچار ہیں ... بالکل اسی طرح جیسے اب تم بھی ہونے والے ہو ... کیونکہ ہم جانتے ہیں ... تم انسپکٹر کمال سلیمی اور اس کے ماتحتوں کے بارے میں جانے بغیر تو یہاں سے جاؤ گے نہیں ... لہٰذا چلے آؤ۔''

دونوں سکتے میں آگئے ... انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا ... جیسے کہہ رہے ہوں ...

''اب کیا کریں۔''

''آؤ خان رحمان۔'' پرسکون آواز ان کے منہ سے نکلی۔

دونوں باہر نکل کر گاڑی میں آ بیٹھے ...

''اب گاڑی میں چلاؤں گا خان رحمان ... اپنا پستول ہاتھ میں لے لو۔'' یہ کہتے ہوئے انہوں نے بھی پستول ہاتھ میں لے لیا اور گاڑی اسٹارٹ کر دی ... مناسب رفتار سے کار چلاتے وہ اس جنگل تک پہنچ گئے ... ان کے سامنے ہی ہوٹل براری تھا ...''

''اپنی خیر منا لو انسپکٹر ... پھر کوئی اور بات سوچنا ... لو ہم قصبے سے جا رہے ہیں ... تمہارا انجام دیکھنے کے لیے ہمیں یہاں رکنے کی ضرورت نہیں ... جہاں ہم جا رہے ہیں ... وہاں بیٹھ کر اس لڑائی کا منظر دیکھیں گے ... یہاں کھڑے رہ کر کون ٹانگیں تھکائے۔'' فرجی دادا کی آواز گونجی۔

''تم جہاں بھی ہو گے ... میں وہیں پہنچ جاؤں گا۔''

ان الفاظ کے ساتھ ہی درختوں کے ایک جھنڈ سے گاڑی اسٹارٹ ہوئی اور تیر کی طرح سڑک کی طرف چلی گئی ... انہوں نے بھی فوراً گاڑی اس کے پیچھے لگا دی ... لیکن پھر اچانک انہیں زور دار بریک لگانا پڑے ... ان کی آنکھوں میں حیرت کے دیے جل دیے ... ان کے سامنے روبوٹ نما وہ مخلوق کھڑی تھی ... جس کے بارے میں پروفیسر داؤد انہیں تفصیل سنا چکے تھے ... اس واقعے کے بعد ہی انہوں نے

ادھر آنے کا پروگرام ترتیب دیا تھا ... انہوں نے فوراً گاڑی اسٹارٹ کی اور اس کی سیدھ میں آگے بڑھا دی ... گاڑی زور دار انداز میں اس سے ٹکرائی ... اور الٹ گئی ... گاڑی میں پلٹیاں کھاتے انہوں نے دیکھا ... روبوٹ اسی طرح ، اسی جگہ کھڑا تھا ... پھر جونہی گاڑی رکی ... روبوٹ ان کی طرف بڑھا ... اس نے ان کی گاڑی کا دروازہ پکڑ کر ایک جھٹکے سے کھینچا ... وہ گاڑی سے الگ ہو گیا ... لیکن اتنی دیر میں وہ دوسری طرف کا دروازہ کھول کر نکل چکے تھے ... یہ دیکھ کر روبوٹ ان کی طرف مڑا ... ادھر وہ دونوں پستول ہاتھ میں لے چکے تھے ... دونوں نے ایک ساتھ ہی فائر کیے ... وہ اپنی جگہ سے ہلا تک نہیں ... جوں کا توں کھڑا رہا ... یہاں تک کہ ان کے دونوں پستول خالی ہو گئے ...

''خان رحمان۔''

''ہاں جمشید۔''

''ڈر تو نہیں رہے۔''

''بالکل نہیں ... تم فکر نہ کرو۔''

''بلا کی تیزی سے بھاگو اور ایک درخت پر چڑھتے چلے جاؤ۔''

''اور تم۔''

''میں زمین پر رہ کر اس کا مقابلہ کروں گا۔''

''تو میں بھی کیوں نہ مقابلہ کروں۔''

''خان رحمان۔'' انہوں نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

''ہاں جمشید۔''

''تم میرے دوست ہو... جو میں کہہ رہا ہوں... اس پر عمل کرو... حاتم نے۔'' ان کا لہجہ حد درجے عجیب ہو گیا۔''

''اچھا جمشید۔''

انہوں نے کہا اور دوڑ لگا دی... انسپکٹر جمشید وہیں کھڑے رہے... روبوٹ نے بھی اپنی جگہ سے ہلنے کی کوشش نہ کی... گویا اسے خان رحمان سے کوئی غرض نہیں تھی... یا تھی بھی تو پہلے وہ انسپکٹر جمشید کو راستے سے ہٹانا چاہتا تھا...

اب روبوٹ ان کی طرف بڑھا... انہوں نے یہ دیکھنے کے لیے کہ وہ دوڑ سکتا ہے یا نہیں... اور دوڑ سکتا ہے تو کتنی رفتار سے، ایک سمت میں دوڑ لگا دی... روبوٹ نے اپنی جگہ سے حرکت نہیں کی... اس کا صرف ایک ہاتھ حرکت میں آیا... اس نے کوئی چیز ان پر کھینچ ماری... اگر وہ فوری طور پر خود کو گرا نہ لیتے تو لوہے کی گیند نما چیز پوری قوت سے ان کے سر پر لگتی... اور اس کے بعد وہ اپنے پیروں پر کھڑے نہ رہتے...

وار خالی جاتے دیکھ کر روبوٹ کا دوسرا ہاتھ حرکت میں آیا... اس میں بھی گیند تھی... اس نے اب وہ گیند کھینچ ماری... وہ فوراً لڑھک گئے اور گیند ان کے سر پر سے گزر گئی...

''یہ شاید دوڑ نہیں سکتا جمشید... لہٰذا تم اس سے بہت فاصلے پر جا سکتے ہو۔''

''میں اس سے مقابلہ کرنا چاہتا ہوں۔ دور پہنچ کر میں اس کے خلاف کچھ نہیں کر سکوں گا... بس تم دیکھتے جاؤ۔''

اب روبوٹ ان کی طرف بڑھنے لگا... انہوں نے ادھر ادھر اپنے چاروں طرف نظریں دوڑائیں... پھر ایک طرف دوڑ لگا دی... یک دم وہ دوڑتے دوڑتے رک گئے... دراصل وہ ایک پتھر دیکھ کر دوڑے تھے... انہوں نے پتھر پھر دونوں ہاتھوں سے اٹھا لیا... وہ کافی بڑا تھا... انہوں نے دونوں ہاتھ سر سے بلند کر لیے... ادھر روبوٹ نے دیکھ لیا کہ وہ اس پر پتھر برسانے والے ہیں... اس کے جسم میں سرخ اور سبز بلب جلنے اور بجھنے لگے... گویا وہ خطرے کا سامنا کرنے کے لیے تیار ہو گیا...

''جمشید! ہوشیار... کہیں پتھر الٹ کر تمہیں نہ آ لگے۔''

''فکر نہ کرو... ادھر میں پتھر پھینکوں گا... ادھر یہ جگہ چھوڑ دوں

گا... ساتھ ہی یہ بات معلوم ہو جائے گی کہ اس کی طرف پھینکی جانے والی چیز پلٹ کر تو نہیں آتی۔"

"اچھی بات ہے... اللہ مالک ہے۔" خان رحمان نے کہا۔

"پتھر کافی وزنی ہے... مجھے اس کے نزدیک جانا ہو گا... کہیں یہ پتھر راستے ہی میں نہ رہ جائے۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"ہاں جمشید... میرا بھی یہی خیال ہے۔"

وہ روبوٹ کی طرف بڑھے... ادھر روبوٹ ان کی طرف آ رہا تھا... آخر مناسب فاصلے پر آتے ہی انہوں نے پتھر روبوٹ پر پھینک دیا...

☆☆☆☆☆

وہ کون تھا

انہوں نے چونک کر آواز کی طرف دیکھا... کمرے کے عین درمیان میں ایک کرسی رکھی گئی تھی اور اس کرسی پر بیٹھا ہوا خوفناک شخص ان کی طرف طنز بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا... کمرے کے ایک طرف شاہی بیڈ بچھا تھا... اس پر ایک خاتون اور ایک نوجوان لڑکی ریشم کی ڈوری سے بندھے پڑے تھے... ان کے منہ میں کپڑا ٹھونس کر اوپر سے رومال باندھا گیا تھا...

"م... میری بچی... میری بیگم۔" نواب صاحب نے لرز کر کہا اور بے تحاشہ ان کی طرف لپکے...

"نہیں نواب! اپنی جگہ پر کھڑے رہیں... ہم نے آپ سے کہا تھا نا... انسپکٹر جمشید یہاں دوڑے آئیں گے... تو دیکھ لیں... یہ آگئے۔"

"کیا مطلب... کیا یہ شخص یہاں پہلے سے موجود ہے۔" محمود

بری طرح چونکا۔

''تھوڑی دیر پہلے میں یہاں آیا تھا... اس وقت تو یہ یہاں تھا
نہیں۔''

''یہ تو کہہ رہا ہے، ہم نے آپ سے کہا تھا۔'' فرزانہ نے
حیران ہو کر کہا۔

''فون پر کسی نے یہ بات کہی تھی۔''

''اوہ اچھا۔''

اب وہ اس شخص کی طرف متوجہ ہوئے جو کرسی پر موجود تھا...
اس کے چہرے سے ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ ان کا مذاق اڑا رہا ہو...
اس کا رنگ سیاہی مائل تھا...

''یہ ہیں کون صاحب؟''

''میں پہلی بار دیکھ رہا ہوں۔'' نواب صاحب نے کہا۔

''اوہو اچھا! کمال ہے... حیرت ہے... کیوں بھئی... آپ
لوگ کون ہیں۔''

''خدائی فوج دار... ہمیں نواب صاحب کو مزہ چکھانا تھا...
سوچا تم لوگوں کے سامنے کیوں نہ چکھایا جائے... یہ تمہارے دوست
ہیں نا... اب اگر انسپکٹر جمشید کے سامنے ہم اپنا کام کریں تو ایک تو

انسپکٹر جمشید اور ان کی پارٹی کو چار چاند لگ جائیں گے... دوسرے
ہماری شہرت میں اضافہ ہو جائے گا... یعنی جو لوگ انسپکٹر جمشید پارٹی کو
شکست سے دوچار کر دیں گے... وہ کتنے مشہور ہو جائیں گے... اور
پھر لوگ ان سے کام لینا پسند کریں گے یا نہیں۔''

''تو کیا بس اس سارے پروگرام سے اتنا سا مقصد ہے۔''

''ارے نہیں... یہ تو مقصد کی ایک جھلک ہے۔'' وہ ہنسا۔

''کیا کہا... ہم... مقصد کی جھلک... مگر نہیں... یہ کسی ناول
کا نام نہیں ہو سکتا نا۔'' فاروق نے فوراً کہا۔

''دیکھا محمود!'' فرزانہ جلدی بولی۔

''ہاں دیکھا۔'' محمود نے جواب دیا۔

''لیکن کیا دیکھا۔'' فرزانہ جھلا اٹھی۔

''اب فاروق یہ بھی کہا کرے گا... یہ تو کسی ناول کا نام نہیں ہو
سکتا... توبہ ہے اس سے۔''

''واقعی ہے۔'' محمود نے جلدی سے کہا۔

''کیا ہے۔'' فرزانہ نے اسے گھورا۔

''توبہ اور کیا۔'' محمود مسکرایا۔

''دھت تیرے کی۔'' فاروق نے جھلا کر اپنی ران پر ہاتھ مارا۔

''لو اور سنو ... اب میرے تکیہ کلام پر ہاتھ صاف کر دیا۔''

''آگے آگے دیکھنا ہوتا ہے کیا۔''

''ہاں تو کیا کہہ رہے تھے ... آپ خدائی فوج دار ہیں اور آپ ہمارے سامنے نواب صاحب کو مزہ چکھانا چاہتے ہیں ... پھر ہمارے والد صاحب اور ان کے دوست کو یہاں سے کیوں جانے دیا۔''

''ہم نے نہیں جانے دیا ... وہ خود گئے ہیں ... فکر نہ کرو... وہاں ان کا بھی شان دار استقبال ہو رہا ہو گا ... وہاں ہم نے اس مخلوق کو رکھا ہے ... جسے دیکھ کر آپ کے پروفیسر داؤد کی سٹی گم ہو گئی تھی۔''

''کک ... کیا مطلب ... تم اس روبوٹ کی بات کر رہے ہو۔'' پروفیسر چونکے۔

''ہاں ... اور کس کی بات کروں گا۔''

''اور وہ وہاں ہے ... قصبہ پیرو میں۔''

''اس وقت تو وہاں جنگ شروع ہو چکی ہو گی ... اور انسپکٹر جمشید اور خان رحمان کی خوب چٹنی بن رہی ہو گی۔''

''جی نہیں ... لیکن مسٹر خدائی فوج دار! یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ خود آپ کے روبوٹ کی چٹنی بن رہی ہو۔''

''تم لوگ ایک تو خواب بہت دیکھتے ہو ... اپنی کامیابیوں کے

خواب۔''

''باتیں بہت ہو لیں ... اب ذرا اپنے پروگرام کی تفصیل سنا دیں ... ہم لوگ جو رزی کے گھر ٹھہرے تھے تو کیا یہ بھی پروگرام میں شامل تھا۔''

''پروگرام میں صرف یہ شامل تھا کہ فرچی دادا وہاں جا کر چھپے بغیر آ جائے گا ... تاکہ اگر انسپکٹر جمشید پارٹی وہاں ٹھہرے ... تو وہ وہیں سے قصبہ پیرو کا پروگرام بنا لے ... ورنہ رزی وغیرہ کو ہمارے پروگرام کا بالکل پتا نہیں تھا ... تم لوگ اگر وہاں نہ ٹھہرتے تو بھی ہم قصبہ پیرو کے پاس تم لوگوں کو رکنے پر مجبور کر دیتے۔''

''آخر تم لوگ چاہتے کیا ہو۔''

''ہاں! اب کام کی بات پوچھی ہے تم لوگوں نے۔''

''تو پھر جواب دیں کام کی بات کا۔'' محمود نے اس لمحے بہت بے چینی محسوس کی ...

''پہلے تم لوگوں کی چٹنی بنائی جائے گی ... پھر اس سوال کا جواب دیا جائے گا۔''

''چٹنی کی ایسی کیا خاص ضرورت پیش آ گئی۔'' فاروق نے برا سا منہ بنایا۔

''ضرورت بھی بتا دوں گا... تم مجھ سے باقاعدہ جنگ کرو گے یا اس سے پہلے ہی میری بات مان لو گے۔''

''آپ کی بات ہے کیا... پہلے یہ تو پتا چلے۔''

''خود کو ریشم کی ڈوری سے بندھوا لو... تاکہ میں اطمینان سے اپنا کام کر سکوں۔''

''آپ نے اب تک اپنا نام نہیں بتایا۔''

''ارے... کیا واقعی۔'' وہ ہنسا۔

''خیر سن لو... مجھے شنگ کہتے ہیں۔''

''کیا نام بتایا... شنگ۔'' فاروق نے حیران ہو کر کہا۔

''ہاں! کیوں کیا ہوا۔''

''شنگ کہتے ہوئے جھٹکا سا لگتا ہے۔'' فاروق نے منہ بنایا۔

''ابھی کیا ہے... اصل جھٹکے تو تمہیں اب لگیں گے... ہاں تو میں نے پوچھا تھا... خود کو لڑائی بھڑائی کے بغیر بندھوانا پسند کرو گے یا جنگ کے بعد۔''

''ابھی تک آپ نے یہ نہیں بتایا... آپ ہمیں باندھنے کے بعد کیا کرنا چاہتے ہیں...''

''نہیں بتاؤں گا... یا تو تم پہلے خود کو بندھواؤ گے یا پھر مار کھاؤ

گے۔''

''تم ہو کیا... جو اس قدر بڑھ بڑھ کر باتیں بنا رہے ہو... ہم نے تم جیسے نہ جانے کتنے دیکھے ہیں۔''

''اچھی بات ہے... نواب صاحب... آپ بیڈ پر چلے جائیں... اپنی بیوی اور بیٹی کے پاس... آپ کی باری بعد میں آئے گی۔''

''کک... کیا مطلب۔''

''آپ کے بیٹے کہاں ہیں۔''

''انٹارجہ میں۔'' نواب صاحب نے فوراً کہا... نہ جانے کیوں ان کا رنگ اڑتا جا رہا تھا... انہوں نے کھوئے کھوئے لہجے میں کہا۔

''کیا نام بتایا تم نے۔''

''شنگ... ایک بار اور بتاؤں... لو سن لو... شنگ۔''

''شنگ بالکل جنگ جیسا لگتا ہے۔'' فاروق نے پریشانی کے عالم میں کہا۔

''کیا بات ہے نواب صاحب... کیا میرا نام پسند نہیں آیا۔''

''م... میں نے یہ... یہ نام کہیں سنا ہے۔''

''نواب صاحب... ابھی آپ کو بہت کچھ یاد آئے گا... آپ فکر نہ کریں... فی الحال تو یہاں آپ کی مدد کے لیے صرف انسپکٹر جمشید

کے بچے ہیں... کچھ دیر بعد انسپکٹر جمشید بھی یہاں ہوں گے... ہم چاہتے تو انھیں قصبہ ہیرو سے یہاں نہ آنے دیتے... لیکن یوں مزہ نہیں آئے گا... ہم اپنا سارا کام ان کے سامنے کریں گے... ان کے بچوں کے سامنے کریں گے۔''

''اللہ اپنا رحم فرمائے... وہ کام کیا ہے۔''

''تھوڑا انتظار... آؤ بھئی... اپنے اور میرے درمیان فیصلہ کرلو... دیکھیں کون جیتتا ہے... لہولہان نہ کردیا تو شنگ نام نہیں۔''

''کان پک گئے آپ کی ڈینگیں سنتے ہوئے... لگتا ہے... آپ کے پاس باتوں کے سوا کچھ نہیں۔''

''ہاں واقعی... میں کچھ زیادہ باتیں کر گیا... لیکن کیا کروں... بہت دن سے تم پر خار کھائے بیٹھا تھا... بہت سورما بنتے ہو تم... بہت بے چین تھا... تم سے مقابلے کے لیے... لیکن کوئی موقع نہیں بن رہا تھا... آخر موقع ہاتھ آ ہی گیا۔''

''اف مالک! ہم... میں... میں سمجھ گیا۔'' ایسے میں نواب صاحب نے لرزتی آواز میں کہا۔

''اس پر میں جتنا حیران ہوں... اتنا کم ہے... بھلا آپ کیا سمجھ گئے۔''

''نہیں نہیں... یہ ناممکن ہے... سنو... تم... تم مجھ سے سب کچھ لے لو... سب کچھ... یہ ریاست، ریاست کی ہر چیز... مجھے کچھ نہیں چاہیے... میں اپنی بیوی... اور بیٹی کو لے کر کہیں دور... بہت دور چلا جاؤں گا... جو تم کرنے جارہے ہو... وہ نہ کرو۔''

''کیا مطلب... نواب انکل... یہ کیا کرنا چاہتے ہیں۔''

''ساری بات میری سمجھ میں آگئی... اف مالک... میں... میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔''

''پتا نہیں... آپ کیا کہہ رہے ہیں... آپ کیا نہیں سوچ سکتے ... اور شنگ کیا کرنے جارہا ہے...'' مارے الجھن کے محمود نے کہا۔

اس وقت فرزانہ اور فاروق بھی شدید بے چین نظر آئے...

''تم... تم لوگ یہاں سے چلے جاؤ... مجھے نہ تمھاری ضرورت ہے نہ انسپکٹر جمشید کی... نہ اس ریاست کی... مسٹر شنگ خدا کے لیے ... میری بات مان لیں...''

''یہ نہیں ہوگا... یہ نہیں ہوسکتا'' شنگ کا لہجہ سرد ہوگیا۔

''نواب صاحب! آخر یہ شخص کیا کرنا چاہتا ہے۔''

''یہ شخص... یعنی شنگ... یہ مجھے اور میری بیوی اور بچی کو ہلاک کرنا چاہتا ہے... اور ساتھ میں آپ لوگوں کو بھی... ادھر قصبہ ہیرو

میں آپ کے والد اور ان کے دوست کو بھی ... یہ ہم سب کو قتل کرنا چاہتا ہے۔''

''لیکن کیوں۔''

''آپ لوگوں کو تو صرف اس لیے کہ اس واردات میں اگر آپ کو شامل نہ کیا جاتا ... تو بعد میں آپ تفتیش کے لیے آتے اور اس کا سراغ لگا لیتے... ورنہ یہ صرف مجھے اور میری بیوی اور بیٹی کو ہلاک کرنا چاہتا ہے۔''

''سوال تو یہی ہے ... آخر کیوں؟''

''تاکہ ... یہ لوگ میرے بیٹے کو ریاست کی گدی پر بٹھا سکیں ... اور اسے ساری زندگی بلیک میل کر سکیں ... کیونکہ یہ بعد میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ نواب صاحب کے بیٹے نے ہی انہیں اس کام پر مقرر کیا تھا ... اگرچہ ایسی کوئی بات سرے سے نہیں ہو سکتی ... میرا بیٹا ایسا نہیں ... ہاں یہ لوگ ضرور اسے ایسا بنا دیں گے۔''

''اُف مالک ... یہ تو بہت خوفناک پروگرام ہے... کیوں مسٹر شنک ... کیا یہی پروگرام ہے ... تم لوگوں کا۔'' محمود نے اس کی طرف دیکھا۔

''اس ملک کے جتنے بھی صوبے ہیں ... ان میں سے ایک صوبے

کے برابر تو یہ ریاست ہی ہے ... بس یہاں کے لوگ اپنی حکومت کے بجائے نواب صاحب کی حکمرانی میں رہنا پسند کرتے ہیں ... اور امن چین کے لیے نواب صاحب ... میرا مطلب ہے ... ان نواب صاحب کے والد نواب صاحب نے حکومت سے یہ معاہدہ کیا تھا کہ سکہ ان کا چلے گا ... ریاست کی نصف آمدنی ہر سال انہیں دی جائے گی ... باقی اختیارات نواب صاحب کے چلنے دیں ... ورنہ اس ریاست کے لوگ کسی صورت حکومت کو تسلیم نہیں کریں گے ... یہ یہاں کے صوبوں کی پرانی ریاست ہے ... ہمیشہ سے آزاد ریاست چلی آ رہی ہے ... بلکہ حد تو یہ ہے کہ انگریز دور میں بھی ایسا ہی رہا ہے ... یہاں کے لوگوں نے انگریز حکومت سے بھی یہی بات منوائی تھی ... ورنہ سب کے سب کٹ مرنے پر تل گئے تھے ... ان کی جرات اور ہمت کو دیکھ کر ... پھر کسی نے ریاست کو ہڑپ کرنے کی کوشش نہیں کی ... حکومتیں ضرور تبدیل ہوتی رہتی ہیں ... ریاست پر حکومت نواب ہی کرتے رہے ہیں۔''

''تب پھر آپ کے بیٹے کو کیا سوجھی۔''

''میں نے غلطی کی ... اسے انگلینڈ بھیج دیا ... اپنے ملک میں ہی تعلیم حاصل کرتا رہتا ... لگتا ہے ... انہوں نے اس کی برین واشنگ کر دی ہے ... ورنہ وہ ایسا نہیں تھا۔'' نواب صاحب نے انتہائی دکھ

کے عالم میں کہا۔

''ہوں ... مطلب یہ کہ ہم سب کو موت کے گھاٹ اتار دیا جائے گا... نواب صاحب کے بیٹے پر کوئی الزام تک نہیں آئے گا... اس پر مقدمہ تک درج نہیں ہو گا ... اور وہ آگر نواب بن جائے گا... کیونکہ باپ کی جگہ نواب کا بیٹا ہی لیتا ہے ... ''محمود نے سوچتے ہوئے کہا۔

''ہاں! بالکل۔''

''لیکن۔''محمود نے طنزیہ انداز میں کہا۔

''ہاں ہاں کہو... طنزیہ لہجے میں تم کیا کہنا چاہتے ہو۔''

''یہ سب تو اسی صورت میں ہو گا نا ... جب ہم تمہارے ہاتھوں مارے جائیں گے... ہمارے والد اور انکل اِدھر تم لوگوں کے ہاتھوں مارے جائیں گے۔''

''ہاں ! بالکل۔''

''لیکن ابھی ایسا نہیں ہوا اور نہ ان شاء اللہ ایسا ہو گا... کیونکہ یہ بازو ہمارے آزمائے ہوئے ہیں ... تمہارے آزمائے ہوئے نہیں ہیں۔'' محمود کا لہجہ انتہائی سرد ہو گیا۔

''اس میں شک نہیں ... کہ تمہارے بازو میرے آزمائے ہوئے

نہیں ہیں ... لیکن تم بھی ایک بات نہیں جانتے۔''یہ کہتے ہوئے وہ ہنسا۔

''اور وہ کیا؟''

''میرے بازو بھی تم نے نہیں آزمائے۔''

''ملاقات ہی اب ہوئی ہے ... آزماتے کیسے؟''محمود نے منہ بنایا۔

''اس سے پہلے کہ ہم مقابلہ شروع کریں ... ایک بات بتا دیں۔''

''پوچھو... ''اس نے کندھے اچکائے۔

''تم اندر کیسے آگئے ... یعنی نواب صاحب کو پتا تک نہیں چلا۔''

''اسی بات پر تو میں نے کہا تھا ... میں سمجھ گیا۔'' نواب صاحب کا لہجہ زہریلا ہو گیا۔

''اور وہ کیا۔''

''محل سے ایک خفیہ راستہ باہر جاتا ہے... باہر سے بھی اندر آیا جا سکتا ہے ... اور یہ بات صرف ہم چار کو اور بہادر شاہ کو معلوم ہے ... اب اگر شنگ اس راستے سے اندر آیا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ میرے بیٹے نے یا بہادر شاہ نے انھیں اس راستے کے بارے میں بتایا

ہے...''

''اوہ۔'' وہ دھک سے رہ گئے... انہیں ایک شدید دکھ کا احساس ہو رہا تھا... وہ سوچ رہے تھے... کیا کوئی بیٹا اس حد تک بھی جا سکتا ہے۔ یا کوئی ملازم بھی اس حد تک بھی جا سکتا ہے۔

''پہلے میں قصبہ بیرو کی رپورٹ لے لوں...'' یہ کہہ کر شک نے موبائل پر نمبر ملایا اور کہنے لگا۔

''ہاں فرجی دادا... کیا رپورٹ ہے۔''

''یہاں جنگ ہو رہی ہے... روبوٹ اور انسپکٹر جمشید ایک انوکھی جنگ لڑ رہے ہیں۔''

''اوہ اچھا۔''

اس نے موبائل بند کرتے ہوئے ان کی طرف دیکھا۔

''تم نے سنا... وہاں روبوٹ اور انسپکٹر جمشید میں جنگ ہو رہی ہے... دونوں ایک انوکھی جنگ لڑ رہے ہیں۔''

''بس تو پھر مسٹر شک سمجھ لو... تمہارا روبوٹ گیا کام سے۔''

''اور میں یہ کہوں گا... انسپکٹر جمشید گئے کام سے۔''

''اللہ مالک ہے۔''

''ایک تو تم ہر بات میں اپنے اللہ کو لے آتے ہو۔'' اس نے

منہ بنایا۔

''اور ہم کر بھی کیا سکتے ہیں... اس نے ہمیں پیدا کیا ہے... وہی موت دے گا... زندگی اور موت تو ہے ہی اس کے ہاتھ میں۔''

''اچھا یہ بات ہے... تو یہ دیکھو... یہ کیا ہے۔''

ساتھ ہی انہوں نے ایک ہولناک آواز سنی...

☆☆☆☆☆

کیسا مقابلہ

پتھر جس طاقت سے پھینکا گیا تھا، اسی طاقت سے واپس آیا اور ایک درخت سے ٹک کر لگا... انسپکٹر جمشید اگر ہوشیار نہ ہوتے تو وہ اس وقت گئے تھے کام سے... روبوٹ کو جیسے پتھر کا کوئی احساس ہی نہیں تھا... وہ مسلسل آگے بڑھ رہا تھا... اور اس کی رفتار بھی کافی تیز تھی... انسپکٹر جمشید اس سے کافی فاصلے پر موجود تھے... انہوں نے تیز دوڑ کر ایک چکر کاٹا اور اس کی کمر کی طرف آگئے، جونہی وہ اس کی طرف آئے، روبوٹ نے بھی اپنا رخ ان کی طرف کر دیا...

''یار خان رحمان! اب کیا کریں۔'' انہوں نے پریشانی کے عالم میں کہا۔

''مقابلہ۔'' اوپر سے خان رحمان نے کہا۔

''لیکن کس چیز سے۔''

''عقل سے۔'' خان رحمان بولے۔

''ٹھیک کہتے ہو خان رحمان... ویسے تم پوری طرح ہوشیار ہوتا۔''

''ہاں بالکل۔''

''میرا مطلب ہے... فرزی دادا اور اس کے ساتھی بھی اس جنگ میں حصہ لے سکتے ہیں۔''

''تم فکر نہ کرو، میں ان کے لیے بالکل تیار ہوں۔''

''بس ٹھیک ہے... اب میں ایک تجربہ کرنا چاہتا ہوں۔''

''ضرور کرو جمشید... میں بھی چاہتا ہوں... اب تم کوئی تجربہ کر ہی گزرو... دشمن نے ہمیں دو طرفہ الجھا لیا ہے... اگر ہم اس وقت باقی ساتھیوں کے ساتھ محل میں ہوتے تو یہ زیادہ مناسب تھا۔''

''تم ٹھیک کہتے ہو خان رحمان... خیر میں جلد از جلد اس روبوٹ سے فارغ ہونے کی کوشش کرتا ہوں۔''

''بہت خوب۔'' خان رحمان کی آواز ابھری۔

اسی وقت انسپکٹر جمشید نے دوڑ لگا دی... اور لمحہ بہ لمحہ روبوٹ سے دور ہوتے چلے گئے... اس وقت انہوں نے ایک عجیب منظر دیکھا... روبوٹ کے سینے پر لگا ایک پنکھا نہایت تیزی سے چلنے لگا... اس کے چاروں طرف بلب جلنے بجھنے لگے... اور پھر اس نے اس طرح

چھلانگ لگائی جیسے پرندے اڑنے کے لیے چھلانگ لگاتے ہیں ... انھوں نے دیکھا ... وہ گویا ہوا میں تیرتا ہوا ان کی طرف آرہا تھا ... لیکن اس کا اس طرح آنا مسلسل نہیں تھا ... بلکہ راستے میں اسے رکنا پڑ رہا تھا ... لیکن اس سے اتنا ہوا کہ وہ انسپکٹر جمشید کے نزدیک ہوتا جا رہا تھا ... انسپکٹر جمشید اگرچہ پوری رفتار سے دوڑ رہے تھے ... لیکن اب روبوٹ کی رفتار ان سے زیادہ ہو گئی تھی، لہذا درمیانی فاصلہ ہر لمحے کم ہو رہا تھا ... درخت پر بیٹھے خان رحمان اب کافی بے چین ہو چلے تھے ... انھوں نے پکار کر کہا۔

''جمشید! اب میں اوپر بیٹھا نہیں رہ سکتا۔''

''لیکن خان رحمان ... نیچے اتر کر بھی تم کیا کرلو گے۔''

''میں کچھ کرسکوں گا یا نہیں ... تمھارے ساتھ اس روبوٹ کے ہاتھوں مارا جاؤں گا ... کوئی یہ تو نہیں کہے گا ... خان رحمان نے بزدلوں کی طرح اپنی جان ... ارے ... یار جمشید ... لگتا ہے ... آج تمھاری عقل بھی گھاس کھانے چلی گئی ہے۔''

''وہ کیسے؟''

''تم کسی درخت پر کیوں نہیں چڑھ جاتے۔''

''اوہ ہاں۔''

انھوں نے کہا اور آؤ دیکھا نہ تاؤ ایک درخت پر چڑھتے چلے گئے ... روبوٹ ان کی سیدھ میں تیرتا آرہا تھا ... لہذا وہ درخت سے آکر لگا ... پورا درخت ہل گیا ...

''ارے باپ رے۔'' انسپکٹر جمشید نے خوف کے عالم میں کہا۔

''کیا تم ہمت ہار رہے ہو جمشید۔'' خان رحمان نے پکار کر کہا۔

''ارے نہیں، میں ہمت جیت رہا ہوں۔'' وہ ہنس دیے۔

ادھر روبوٹ پیچھے ہٹ رہا تھا ... اچانک وہ تیرتا ہوا درخت کی طرف آیا ... اور پوری قوت سے درخت سے ٹکرا گیا ... درخت درمیان سے ٹوٹ گیا اور اس کا اوپر والا حصہ نیچے آنے لگا ... اس سے پہلے کہ وہ زمین سے آلگتا ... انھوں نے چھلانگ لگا دی اور دوڑتے چلے گئے ... اس وقت تک خان رحمان بھی نیچے آچکے تھے ... اور ایک جگہ کھڑے سوچ رہے تھے کہ اب کیا کریں ...

''خان رحمان۔'' انھوں نے انسپکٹر جمشید کی آواز سنی۔

''ہاں جمشید۔''

''گاڑی۔'' وہ چلائے۔

''اوہ اچھا۔''

انھوں نے کہا اور گاڑی کی طرف دوڑ لگا دی ... جلد ہی وہ گاڑی

میں بیٹھ چکے تھے ... انہوں نے گاڑی کا رخ انسپکٹر جمشید کی طرف کر دیا... وہ دوڑتے ہوئے ایک بار پھر روبوٹ سے کافی فاصلے پر آ چکے تھے ... لیکن روبوٹ اب پھر ان کے پیچھے تھا اور اس کا پہیے والا پنجا چل رہا تھا ... پھر جونہی گاڑی ان کے نزدیک پہنچی ... خان رحمان نے بریک لگائے اور وہ ایک جھٹکے سے اس پر سوار ہو گئے ...

''ہاں خان رحمان ... پوری رفتار سے سڑک کی طرف ...'' انہوں نے فوراً کہا۔

خان رحمان پہلے ہی سمجھ چکے تھے ... لہٰذا انہوں نے گاڑی پوری رفتار سے چھوڑ دی ... انہوں نے دیکھا ... روبوٹ بہت پیچھے رہ گیا تھا ... عین اس وقت چند فائر ہوئے اور گاڑی کے ٹائر پھٹ گئے ... خان رحمان نے فوراً بریک لگائے اور گاڑی الٹتے الٹتے بچی ...

''خان رحمان تم کسی درخت کی اوٹ لے کر ان لوگوں کی فائرنگ کا جواب دو ... میں روبوٹ سے دو دو ہاتھ کرتا ہوں ...''

''اچھی بات ہے ... ویسے یار لگتا ہے ... ہم آج برے پھنسے ہیں ...''

''کہنے کو تو خان رحمان ... ہم یہ کہہ سکتے ہیں ... ہم اچھے پھنسے ہی کب ہیں ...''

خان رحمان ہنسنے لگے ... پھر دونوں گاڑی سے نیچے اتر آئے ... خان رحمان نے گاڑی پنکچر کرنے والوں کی سمت میں پوزیشن لے لی ... اور انسپکٹر جمشید روبوٹ کی طرف مڑ گئے ... ابھی تک وہ اس روبوٹ کو ذرا سا بھی نقصان نہیں پہنچا سکے تھے ... جب کہ ان کی گاڑی پنکچر ہو چکی تھی اور درختوں پر چڑھنے والا حربہ بھی ناکام ہو گیا تھا ... اچانک انہیں ایک بات یاد آئی اور وہ ایک سمت میں بھاگ کھڑے ہوئے ... روبوٹ کا رخ بھی فوراً ان کی طرف ہو گیا اور وہ گویا تیر کر ان کی طرف آنے لگا ... اس وقت وہ ایک ایسی جگہ کھڑے تھے ... جہاں صرف ایک قدم دور زبردست کیچڑ تھا ... جب وہ اس قصبے میں داخل ہوئے تو اس وقت انہوں نے اس کیچڑ کو دیکھا تھا ... اور انہیں اس سے بچ کر چلنا پڑا تھا ... اب انہیں یہی کیچڑ یاد آیا تھا ...

انہوں نے روبوٹ کی طرف دیکھا ... پھر کیچڑ کی لمبائی اور چوڑائی کی طرف دیکھا ... آخر انہوں نے بلا کی رفتار سے ایک چکر کاٹا اور کیچڑ کے دوسری طرف خشک جگہ پر پہنچ گئے اور دوڑتے ہوئے بالکل روبوٹ کی سیدھ میں آ گئے ... اب ظاہر ہے ... روبوٹ کو تو ان کی سیدھ میں آنا تھا ... اسے تو چکر کاٹنے کی ضرورت نہیں تھی ... وہ اس کا انتظار کرنے لگے اور سوچنے لگے ... دیکھیں اب کیا ہوتا ہے ... کیچڑ

اس روبوٹ کا کچھ بگاڑتا ہے یا نہیں...

ادھر روبوٹ گویا تیرتا ہوا آ رہا تھا... یہ بات صرف محسوس ہوتی تھی... ورنہ وہ دوڑتا تھا... سینے پر لگے پنکھے کے ذریعے اس کی رفتار اس قدر تیز ہو جاتی تھی کہ تیرتا نظر آتا تھا... آخر وہ کیچڑ تک پہنچ گیا اور پھر انہوں نے اسے پھسل کر کمر کے بل گرتے دیکھا... ان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی... روبوٹ کے مقابلے میں یہ ان کی پہلی کامیابی تھی... انہوں نے دیکھا... روبوٹ اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا... لیکن اس کا جسم پھسلتا جا رہا تھا... کئی بار وہ اٹھا اور پھر گر گیا... دراصل اس کا وزن اتنا تھا کہ کیچڑ میں ایک گڑھا بن گیا تھا... اور اس کی کوشش سے گڑھا اور گہرا ہوتا جا رہا تھا... نتیجہ یہ کہ جتنا اس نے نکلنے کی کوشش کی اتنا ہی اور گہرائی میں جانے لگا...

ان حالات میں انہوں نے خان رحمان کو آواز دی...

"خان رحمان... میں یہاں ہوں... تم بھی ادھر ہی آ جاؤ۔"

اس وقت تک خان رحمان پر کوئی حملہ آور نہیں ہوا تھا... وہ بس پوزیشن لیے بیٹھے تھے... گاڑی کا ٹائر پھاڑنے کے بعد وہ پھر نظر نہیں آئے تھے... خان رحمان نے ان کی آواز سنتے ہی ان کی طرف دوڑ لگا دی... نزدیک پہنچنے پر جو انہوں نے روبوٹ کا حشر دیکھا تو ہنسے بغیر نہ

رہ سکے...

"جواب نہیں تمہارا بھی جمشید۔"

"نہیں بھئی... تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے ہمیں عقل دی... یہ بات اس نے عقل میں ڈال دی تھی کہ ہم ایک جگہ کیچڑ دیکھ چکے ہیں۔"

"ہاں جمشید! یہ تم نے ٹھیک کہا۔"

ان کی نظریں روبوٹ پر جم گئیں... گڑھا اس کے گردش کرنے کی وجہ سے گہرا ہی گہرا ہوتا جا رہا تھا... آخر وہ لوہے کا تھا اور تھا بھی بہت وزنی...

"میرا خیال ہے... اب یہ بے چارہ نہیں نکل سکے گا... یہیں اس کی قبر بنے گی۔"

"کک... کیا کہا... روبوٹ کی قبر۔"

"ہاں لیکن تم فاروق نہیں ہو... لہذا یہ نہیں کہہ سکتے... یہ تو کسی ناول کا نام ہو سکتا ہے۔"

"دھت تیرے کی۔" خان رحمان نے جھلا کر اپنی ران پر ہاتھ مارا اور دونوں ہنس دیے۔

"اب کیا کریں جمشید... روبوٹ سے تو نجات مل گئی... لیکن

ہماری گاڑی بے کار ہو گئی ہے ... یوں بھی اگر گاڑی درست ہوتی تو کون سا ہم جا سکتے تھے ... جب تک ہم انسپکٹر کمال سلیمی اور اس کے ساتھیوں کو مصیبت سے نجات نہیں دلاتے، یہاں سے نہیں جائیں گے۔''

''تم نے ٹھیک کہا جمشید ...''

''تو پھر آؤ ... پولیس اسٹیشن کی طرف چلتے ہیں۔''

خان رحمان نے سر ہلا دیا اور ان کے ساتھ قدم اٹھانے لگے ... وہ پوری طرح چوکنے ہو کر قدم اٹھا رہے تھے ... کیونکہ کسی طرف سے بھی گولیاں آسکتی تھیں ... لیکن ایسا نہ ہوا ... شاید ان کے دشمن روبوٹ کا انجام دیکھ کر خوف زدہ ہو گئے تھے اور کونوں کھدروں میں جا چھپے تھے ... اب انہیں فکر تھی انسپکٹر کمال کی ... اور اس کے ساتھیوں کی ...

درختوں کی اوٹ لیتے آخر وہ ہوٹل برازی کے پاس پہنچ گئے ... یہاں سے پولیس اسٹیشن کا راستہ سیدھا تھا ... اور درمیان میں درخت نہیں تھے ... اس لیے انہوں نے پہلے چاروں طرف کا جائزہ لیا ... جب کوئی خطرہ نظر نہ آیا تو پولیس اسٹیشن کی طرف قدم اٹھانے لگے ... آخر خدا خدا کر کے وہ پولیس اسٹیشن پہنچ گئے ... وہاں ہو کا عالم تھا ... نہ بندہ تھا نہ بندے کی ذات ...

''یہاں تو کوئی بھی نہیں ہے۔''

''حوالات کی کوٹھریاں دیکھتے ہیں۔''

انہوں نے کوٹھریوں کا رخ کیا ... ان کے آنے سے پہلے تھانہ مکمل تاریکی میں تھا ... انہوں نے آ کر پہلے بلب جلائے تھے ... پھر جائزہ لینا شروع کیا تھا ... پھر جونہی وہ کوٹھریوں کے پاس پہنچے ... چونک اٹھے ... انسپکٹر کمال اور اس کے سب ساتھی اندر بند تھے ... انہیں بند دیکھ کر ان سب کے چہروں پر رونق آ گئی ...

''اللہ کا شکر ہے! آپ آ گئے۔''

''لیکن ہمارے پاس چابیاں نہیں ہیں ... اوہ ہاں ... خیر ... کوئی بات نہیں۔'' یہ کہہ کر انہوں نے جیب سے ماسٹر کی نکالی اور اسے آزمانے لگے ... چند منٹ کی کوشش کے بعد وہ سب کوٹھریوں سے باہر آ گئے ...

''یا اللہ تیرا شکر ہے ... ورنہ ہم تو سمجھ رہے تھے ... آپ لوگ بھی کہیں ان کے جال میں آ گئے ہیں۔'' انسپکٹر کمال نے خوش ہو کر کہا۔

''آپ لوگوں کے ساتھ کیا ہوا ... کیسے ان کے قابو میں آ گئے ... انہیں تو حوالات میں بند کر دیا گیا تھا۔''

''جی ہاں! رات کے وقت فرجی دادا بعض ساتھیوں نے آ کر

حوالات سے اپنے ساتھیوں کو نکالا اور سوتے میں ہم پر ٹوٹ پڑے... ہم ہوش میں آئے تو رائفلیں ہم پر اٹھی ہوئی تھیں... بس انھوں نے پہلے تو ہم سب کی خوب مرمت کی... پھر حوالات میں بند کر دیا... کہہ رہے تھے... ابھی تو ہم تم لوگوں کو انسپکٹر جمشید کے سامنے ماریں گے... لیکن اللہ کا شکر ہے... ہم دوبارہ مار کھانے سے بچ گئے۔"

"ابھی کچھ نہیں کہا جا سکتا۔" انسپکٹر جمشید نے فکر مند ہو کر کہا۔

"جی... کیا مطلب؟" انسپکٹر کمال نے بوکھلا کر کہا۔

"فی الحال تو ہم نے روبوٹ سے نجات حاصل کی ہے... فری دادا اور اس کے ساتھیوں سے مقابلہ باقی ہے... وہ لوگ بھی کہیں نہ کہیں موجود ہیں... اور کسی وقت بھی ان سے مقابلہ ہو سکتا ہے... آپ سب بھی رائفلیں سنبھال لیں۔"

"اچھی بات ہے... پہلے ہم سوتے میں مار کھا گئے تھے... انشاء اللہ اب ایسا نہیں ہوگا۔"

"بس ٹھیک ہے... آیئے چلیں... اور پوری احتیاط سے آگے بڑھنا ہے۔"

انھوں نے سڑک کا رخ کیا... کیچڑ کے پاس سے گزرے تو روبوٹ کا کوئی پتا نہیں تھا... گڑھا بھی پر ہو چکا تھا...

"حیرت ہے... گڑھا اتنا گہرا کس طرح ہو گیا... لگتا ہے... یہ کیچڑ نہیں، پوری دلدل ہے... اور دلدل میں تو ہاتھی بھی گر جائے تو نیچے ہی نیچے چلا جاتا ہے... اللہ اپنا رحم فرمائے۔"

"آمین!" سب نے ایک ساتھ کہا۔

وہ پیدل راستہ طے کرتے رہے... انسپکٹر کمال عیسیٰ اپنی جیپ میں ان کے پیچھے آ رہے تھے... اور ان کے ماتحت ان سے بھی پیچھے رائفلیں سنبھالے چل رہے تھے...

"اور یہ ہماری گاڑی کھڑی ہے... صبح اس کے پنچر لگوا دیجیے گا... ہم آ کر لے لیں گے۔"

"ٹھیک ہے... آپ فکر نہ کریں۔" کمال عیسیٰ کی آواز سنائی دی۔

ایسے میں اچانک ایک گولی آئی اور ایک درخت کو لگی... وہ سب رک گئے... آن کی آن میں درختوں کی اوٹ میں ہو گئے... خالد عیسیٰ بھی پیچھے آ گیا... انسپکٹر جمشید اور خان رحمان پہلے ہی مورچہ سنبھال چکے تھے، جلد ہی پھر گولیوں کی باڑ ماری گئی... اچانک پھر گولیاں آئیں... اس بار انھیں سمت کا اندازہ ہو گیا...

"اب یہ لوگ بچ کے نہیں جا سکتے۔"

یہ کہتے ہوئے انسپکٹر جمشید نے اس سمت میں فائر جھونک مارا... ان کے ساتھ ہی ان کے تمام ساتھیوں نے بھی فائر کیے... لیکن دوسری طرف سے ایک بھی چیخ سنائی نہ دی... اس کا مطلب تھا... انہوں نے مورچے سنبھال لیے تھے... رات کی گہری تاریکی نے ان کو بھی ایک دوسرے سے چھپا رکھا تھا...

دوسری طرف سے کوئی چیخ تو نہیں سنائی دی تھی... لیکن اس طرف سے پھر فائرنگ بھی نہیں کی گئی...

''خان رحمان۔'' انسپکٹر جمشید نے دبی آواز میں کہا۔

''ہاں جمشید۔''

''لگتا ہے... ہمارے گرد جال بچھایا جا رہا ہے... تاکہ ہم نکل نہ سکیں... میں اور تم تو یہاں سے نکل سکتے ہیں... لیکن باقی ساتھیوں کا کیا کریں... ایک جیپ میں یہ سب آئیں گے نہیں... اور ہماری گاڑی اس وقت بیکار ہے۔''

''پھر... تم کیا کہتے ہو؟''

''اسی الجھن میں ہوں... ہم کیا کریں اور کیا کر سکتے ہیں۔''

''کیا تم خطرہ محسوس کر رہے ہو۔''

''اپنے لیے نہیں... ان لوگوں کے لیے... ہمیں گھیرے میں لیا

جا رہا ہے... غور کرو، یہ جنگل ہے... اگر ہمارے چاروں طرف دشمن ہوں تو پھر درختوں کی اوٹ ہمارے کام نہیں آئے گی... اور وہ لوگ گھیرا تنگ کرتے چلے جائیں گے... تو وہ درختوں کی اوٹ میں ہوں گے... لہذا ہم انہیں نشانہ نہیں بنا سکیں گے۔''

''اوہ۔'' ان کے منہ سے نکلا۔

''اب ایک ہی ترکیب رہ جاتی ہے۔''

''اور وہ کیا جمشید۔''

''میں مسلسل فائرنگ سے ان کی توجہ اپنی طرف رکھتا ہوں... تم ان لوگوں کو لے کر یہاں سے واپس پلٹ جاؤ... اور رینگتے ہوئے جانا... تم دلدل کے پاس ہوتے ہوئے سڑک پر پہنچ سکتے ہو... اور خان رحمان سڑک پر پہنچتے ہی تم انہیں ساتھ لے کر دوڑ لگا دینا۔''

''ہم... کس سمت... ریاست کی طرف یا... دارالحکومت والی سمت۔''

''ہم ان لوگوں کو ریاست کی طرف نہیں لے جا سکتے... ہم تو پھر وہاں جائیں گے... اگرچہ میں جانتا ہوں...'' انسپکٹر جمشید کی آواز بھاری ہو گئی۔

''اور تم کیا جانتے ہو جمشید۔'' خان رحمان گھبرا گئے۔

"یہ کہ وہاں جاتے ہی ہم پھنس جائیں گے ... لیکن ایسا تو نہیں ہوگا... آخر وہاں پروفیسر داؤد ہیں ... تینوں بچے ہیں۔"

"اچھی بات ہے جمشید ... تم فکر نہ کرو... لیکن یہ تو بتا دو... تمہیں خطرے سے باہر پہنچا کر میں کیا کروں۔"

"تم واپس پلٹ آنا... لیکن قصبے میں داخل نہ ہونا... قصبے کے سامنے سڑک پر رک کر میرا انتظار کرنا۔"

"اچھی بات ہے جمشید ... اب تم اپنا پروگرام شروع کر دو۔"

انھوں نے دونوں ہاتھوں میں پستول لے لیے ... اور اندھا دھند فائرنگ شروع کر دی... یوں لگا جیسے بہت سے افراد ایک ساتھ فائر کر رہے ہوں ...

ادھر خان رحمان نے انسپکٹر کامل سلیمی اور ان کے ماتحتوں سے دبی آواز میں کہا:

"آؤ دوستو... میرے پیچھے۔"

وہ سب ان کے پیچھے چل پڑے ... وہ جھک کر چل رہے تھے... دوسری طرف انسپکٹر جمشید برابر فائرنگ کر رہے تھے ...اپنے دونوں پستولوں میں وہ بار بار گولیاں بھر رہے تھے ... وہ دشمن کو یہ احساس نہیں دلانا چاہتے تھے کہ وہ اکیلے ہیں ... اور ان کی تابڑ توڑ

فائرنگ سے لگ بھی یہی رہا تھا کہ کئی افراد بیک وقت فائرنگ کر رہے ہیں ... دشمنوں کی طرف سے بھی برابر فائرنگ کا جواب دیا جا رہا تھا ... جب پندرہ منٹ گزر گئے اور انھیں یقین ہو گیا کہ اس وقت تک خان رحمان سڑک پر پہنچ چکے ہوں گے اور انسپکٹر کامل سلیمی اور ان کے ماتحت خطرے سے باہر جا چکے ہوں گے ... تب انھوں نے اچانک فائرنگ ایک چیخ کے ساتھ بند کر دی ... انھوں نے ظاہر یہ کیا تھا کہ کسی کی گولی انھیں لگ گئی ہے... اس کے ساتھ ہی وہ دلدل کی طرف تیزی سے رینگتے چلے گئے ... اور پھر ان کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا ... دشمن کا دائرہ مکمل ہونے والا تھا... اگر وہ چند منٹ کی اور دیر کر دیتے تو پھر وہ نکل نہیں سکتے تھے ... ان کی گولیوں کا نشانہ بن جاتے ... انھوں نے تاریکی میں بھی سایوں کو دیکھ لیا اور جان لیا کہ درمیانی راستہ کتنی چوڑائی میں ہے ... اب وہ مزید دیر نہیں کر سکتے تھے... بس نکلتے چلے گئے ... یہاں تک کہ ان کے دائرے سے نکل آئے ... اس وقت انھوں نے اطمینان کا سانس لیا ... لیکن ابھی سیدھے کھڑے نہیں ہو سکتے تھے ... اس صورت میں انھیں دیکھ لیا جاتا ... مزید پانچ منٹ آگے بڑھنے کے بعد وہ سیدھے کھڑے ہو گئے ...اب وہ دلدل تک پہنچ چکے تھے اور سڑک یہاں سے زیادہ دور

نہیں تھی ...

عین اس لمحے ان کی ایک ٹانگ کسی کے شکنجے میں آ گئی۔

☆☆☆☆☆

چاقو والے

انہوں نے دیکھا ، وہ خوفناک آواز کمان دار چاقو کے کھلنے کی تھی... گویا اب شک کے ہاتھ میں ایک خوفناک چاقو تھا...

''یہ کیا مسٹر شک ... ہم غریبوں ، کمزوروں کا ، ننھے منے بچوں کا مقابلہ تم چاقو سے کرو گے ... جب کہ ہم خالی ہاتھ ہیں۔''

''بات دراصل یہ ہے کہ بچو ، میرے پاس وقت بہت کم ہے ... تم لوگوں نے ایک دن لیٹ آ کر پہلے ہی ہمارا بہت وقت ضائع کر دیا ہے ... اگر تم کل یہاں پہنچ جاتے تو ہم اس وقت تک کہاں کے کہاں پہنچ جاتے۔''

''کیا مطلب ... کہاں کے کہاں سے آپ کا کیا مطلب ہے۔'' محمود نے حیران ہو کر کہا۔

''جہاں ہمیں جانا ہے ... اس جگہ کے آس پاس کہیں پہنچ چکے ہوتے۔''

’’ہائیں ... تو آپ ہمیں کہیں اور لے جانا چاہتے ہیں ... لیکن یہ بات کیا ہوئی۔‘‘

’’بات ... بات کو چھوڑیں ... باتوں میں کیا رکھا ہے ... کام کی بات کرو ... اصل چیز تو کام ہے ... کام۔‘‘

’’ہوں ... بات تو آپ کی ٹھیک ہے مسٹر شنک ... ہماری ایک تجویز ہے۔‘‘

’’میں یہاں تمہاری تجاویز سننے کے لیے نہیں آیا ... سیدھی سی بات یہ ہے کہ تم لوگ خود کو خاموشی سے بندھوا لو ... اس سے تمہیں بھی پریشانی نہیں ہوگی اور مجھے بھی ... سارا کام آرام اور سکون سے ہو جائے گا ... دیکھو ... جس طرح نواب صاحب کی بیگم اور ان کی بیٹی بندھی پڑی ہیں نا ... بالکل اسی طرح تم لوگوں کو باندھا جائے گا ... لیکن اگر تم خود کو آرام سے نہیں بندھوانا چاہتے تو پھر یہ چاقو دیکھ رہے ہو ... یہ حرکت میں آجائے گا ... اور یہ جگہ خون سے رنگین نظر آئے گی ... اور کچھ نہیں تو نواب صاحب کا ہی کچھ خیال کر لو ... یہ بے چارے لڑائی بھڑائی کیا جانیں ... کیا خیال ہے ... ان کی خاطر خود کو بندھوا رہے ہو؟‘‘

انہوں نے پہلے ایک دوسرے کی طرف دیکھا ... پھر نواب

صاحب کی طرف ... ان کا چہرہ بالکل سفید پڑ چکا تھا ... پھر ان کے منہ سے مارے خوف کے نکلا۔

’’ن ... نہیں۔‘‘ نواب صاحب چلائے۔

’’ک ... کک ... کیا نہیں۔‘‘ فاروق نے بوکھلا کر کہا۔

’’م ... میرا مطلب ہے۔‘‘

’’نواب صاحب ... آپ خاموش رہیں ... اپنے مطلب کو اپنے پاس رکھیں۔‘‘

’’لیکن کیوں ... آپ یہ کیوں چاہتے ہیں کہ نواب صاحب خاموش رہیں۔‘‘ فرزانہ بری طرح چونکی ...

’’ان کی خاموشی تم سب کے حق میں ہے ... ان کا بولنا تم سب کے لیے زہر ہے ... میں یہ بات تمہارے بھلے کے لیے کہہ رہا ہوں۔‘‘

’’اللہ کا شکر ہے کہ آپ یہ بات ہمارے حق میں کہہ رہے ہیں ... ورنہ ایسا خوفناک چاقو ہاتھ میں ہوتے ہوئے... اپنے دشمن کے حق میں کوئی کیسے بات کر سکتا ہے۔‘‘

’’تم مجھے باتوں میں لگا کر کوئی چال نہیں چل سکتے ... میں تم سے اچھی طرح واقف ہوں، اگرچہ زندگی میں پہلی بار تم لوگوں کے سامنے آیا ہوں۔‘‘

''لیکن کیوں ... کیوں سامنے آئے ہیں ... کیا سامنے آنے سے تمہارا کھانا ہضم نہیں ہو رہا تھا۔'' فاروق نے حیران ہو کر کہا۔

''چپ! فضول باتیں نہیں ... اگر کوئی کام کی بات نہیں کر سکتے ... تو خاموش تو رہ سکتے ہو۔'' شنگ نے بھنا کر کہا۔

''اچھی بات ہے ... اب ہم کچھ نہیں کہیں گے۔''

''صرف نہ بولنے سے کام نہیں چلے گا ... میرے احکامات پر عمل کرنا ہوگا ... ورنہ تم سب ... اس چاقو کے گھاٹ اتر جاؤ گے۔''

''اللہ اپنا رحم فرمائے ... آپ تو ہمیں ڈرائے جا رہے ہیں ... ایسا تو نہ کریں ... ہم یہاں مہمان ہیں۔''

''میں بھی یہاں مہمان ہوں ... اب بھی وقت ہے ... لڑائی بھڑائی کے بغیر خود کو بندھوا لو ... تمہارے لیے بھی آسانی رہے گی اور میرے لیے بھی ... اور نواب صاحب کے لیے بھی۔''

''کک ... کیا کہا ... نواب صاحب کے لیے بھی ... آپ کا پروگرام کیا ہے۔'' فرزانہ چونکی۔

''پروگرام بہت خوب صورت ہے ... بہت اچھا ہے ... صاف ستھرا ہے ... اب میں پروگرام کی اور کیا تعریف کروں گا۔''

''مسٹر شنگ! تم نے یہ نہیں بتایا کہ پروگرام ہے کیا ... ہم نے

یہی تو پوچھا گیا ہے۔'' محمود نے جل بھن کر کہا۔

''اوہ اچھا بھئی ... بس ... تم لوگوں کو ساتھ لے کر جانا ہے ... کہاں۔''

''کہاں۔'' فاروق نے بوکھلا کر کہا۔

''اب ساری باتیں تو نہ پوچھو ... کوئی بات پوچھے بغیر بھی رہ سکتے ہو ... بس اتنا جان لو ... تم لوگوں کو میرے ساتھ جانا ہے اور بس۔''

''لیکن ہمارے ابا جان کا کیا بنے گا۔'' فرزانہ نے کچھ سوچ کر کہا۔

''انہیں بھی لے جائیں گے ... ہم تم لوگوں کو الگ نہیں کریں گے ... ایک جگہ رکھیں گے تاکہ تم خوش باش رہو۔''

''ارے بھئی ... یہ تو ہمارے ہمدرد ہیں۔'' پروفیسر داؤد نے بھی گفتگو میں حصہ لیا۔

''جی ہاں! اس میں تو خیر شک نہیں ... لیکن ہم ان کا کہنا کیوں مانیں ... ہم یہیں کیوں نہ رہیں۔''

''اس صورت میں میرا چاقو حرکت میں آئے گا۔'' اس کا لہجہ سرد ہو گیا۔

"د... دیکھیے ... اس قدر خطرناک انداز میں بات نہ کیجیے۔" فاروق گھبرا گیا۔

"ہاں! ذرا کم خطرناک لہجہ اختیار کر لیں۔" محمود نے گویا درخواست کی۔

"کیا ہے ... تم لوگوں کو ... ان صاحب سے ڈرنے کی کیا ضرورت ہے ... ہم نے ایسے چاقو بہت دیکھے ہیں ... محمود ... ذرا تم بھی انھیں اپنا چاقو دکھا دو ... آخر کو ہم بھی چاقو والے ہیں۔" فرزانہ نے تیزی سے کہا۔

"کک ... کیا کہا ... چچ... چاقو والے ... یہ ... یہ تو کسی ناول کا نام ہو سکتا ہے۔"

"ہو سکتا ہو گا ... تم ناول نگار نہیں ہو۔" محمود نے جھلا کر کہا۔

"کاٹ کھانے کو کیوں دوڑ رہے ہو۔"

"نہیں تو ... دوڑ کب رہا ہوں ... ارے ہاں ... فرزانہ نے چاقو والی بات کی تھی ... یہ لو ... فرزانہ تم بھی کیا یاد رکھوگی ... یہ رہا میرا چاقو۔"

یہ کہتے ہی محمود نے تیزی سے جھکتے ہوئے اپنے جوتے کی ایڑی میں سے چاقو نکال لیا...

"ارے! یہ کیا ... اتنا ننھا سا چاقو۔" شنگ ہنس پڑا، پھر بولا:

"اچھا یہ بات ہے ... لگتا ہے، تم مقابلہ کیے بغیر نہیں مانو گے ... میں نے تو سوچا تھا ... تمھیں صحیح سلامت ساتھ لے جاؤں ... لیکن تم اسی حالت میں جانا چاہتے ہو تو تمھاری مرضی۔"

"آپ صرف یہ بتا دیں ... ہمیں لے جانا کہاں چاہتے ہیں ... اور کیوں چاہتے ہیں ... پھر آپس میں فیصلہ کریں گے کہ ہمیں آپ کے ساتھ جانا ہے یا نہیں ... اگر جواب ہاں میں ہوا تو ہم آپ کے ساتھ چلے جائیں گے، جواب نہ میں ہوا تو نہیں جائیں گے، اس وقت آپ اپنا چاقو آزما لیجیے گا ... ہم اپنا آزما لیں گے۔"

"مجھے افسوس ہے! میں یہ بات نہیں بتا سکتا۔"

"تب ہم نہیں جائیں گے۔"

"اچھی بات ہے ... تم نے شنگ کے ہاتھ نہیں دیکھے ... بہت جلد تمھیں اپنے فیصلے پر افسوس ہو گا۔"

"نہیں تو ... ہاتھ تو آپ کے ہمیں نظر آ رہے ہیں۔" فاروق نے حیران ہو کر کہا۔

"اوہ بھائی ... سمجھنے کی کوشش بھی کیا کرو ... مسٹر شنگ محاورے کی زبان میں بات کر رہے ہیں۔"

''وحت تیرے کی۔'' فاروق نے محمود کے انداز میں کہا۔

''اس کے بغیر کام نہیں چلتا تمھارا۔'' محمود نے اسے گھورا۔

''کک... کس کے بغیر؟''

''وحت تیرے کی کے بغیر۔''

''حد ہوگئی... ارے بھائی... ہم دوستوں کے ساتھ کھیل کے میدان میں نہیں ہیں... ایک دشمن کے مقابلے میں کھڑے ہیں... دشمن بھی ایسا... جو ہمیں کہیں لے جانے پر بضد ہے... اور اس کے ہاتھ میں ایک عدد شکاری چاقو بھی ہے... فرزانہ نے جلے کٹے انداز میں کہا۔

''تت... تو کیا ہوا۔''

''پتا نہیں... کچھ ہوا یا نہیں... اب تم سے کون مغز مارے۔''

''اب بس... میں تھک گیا ہوں... تمھاری بے کار باتیں سنتے سنتے... میں نے ارادہ بدل دیا ہے... چاقو کے بجائے میں ہاتھ استعمال کروں گا... ورنہ چاقو کی مار سے تو تم اپنے پیروں پر کھڑے بھی نہیں رہ سکو گے اور تمھیں اٹھا کر لے جانا پڑے گا۔''

''تو یہ چاقو کیوں نکالا تھا؟''

''تمھیں ڈرانے کے لیے... لیکن تم نہیں ڈرے... لو میں نے

چاقو جیب میں رکھ لیا... حملہ کرو مجھ پر۔''

یہ کہتے ہوئے اس نے واقعی چاقو جیب میں رکھ لیا... اگرچہ محمود کے ہاتھ میں اس کا اپنا چاقو موجود تھا... لیکن وہ اس چاقو کو بالکل اس خاطر میں نہیں لایا تھا... اب وہ خالی ہاتھ نظر آیا تو محمود نے فوراً چاقو اس پر کھینچ مارا... اس نے بہت مہارت سے چاقو پھینکا تھا... لیکن وہ کٹ کر کے کمرے کے دروازے کو جا لگا...

''پہلا وار ضائع گیا۔'' اس نے مذاق اڑانے والے انداز میں کہا۔

اور ان چاروں کی آنکھیں مارے حیرت کے پھیل گئی تھیں... محمود کا وار اس نے نہایت آسانی سے خالی دیا تھا... اور یہ کوئی معمولی بات نہیں تھی... انہوں نے فوراً جان لیا کہ مقابلہ کسی اناڑی سے نہیں ہے۔

''میری طرف سے اجازت ہے۔'' اس نے مذاق اڑانے کے انداز میں کہا۔

''کس بات کی۔'' محمود نے اسے گھورا۔

''دروازے میں دھنسا چاقو نکالنے کی... اور پھر حملہ کرنے کی۔'' وہ مسکرایا۔ اس کی مسکراہٹ بھی انھیں خوف ناک لگی... لیکن اب

مقابلے کے بغیر چارہ بھی تو نہیں تھا... وہ تو انہیں اپنے ساتھ لے جانا چاہتا تھا۔

''کیا خیال ہے... مسٹر ٹھگ کی پیش کش قبول کر لیں۔'' محمود نے پوچھا۔

''بھیک میں ملنے والی پیش کش قبول کر کے کیا کریں گے... ہم بھی ان محترم سے ہاتھوں اور پیروں سے جنگ کریں گے۔''

''تم نے ٹھیک کہا فرزانہ۔''

''تو پھر ترکیب نمبر 13۔'' فرزانہ نے فوراً کہا۔

''اوکے۔'' دونوں نے ایک ساتھ کہا۔

''لیکن کیوں۔'' ایسے میں پروفیسر داؤد کی بلند آواز کمرے میں گونج گئی... انہوں نے ان کی طرف حیران ہو کر دیکھا۔

''کیا کہنا چاہتے ہیں آپ انکل؟'' فاروق نے الجھن کے عالم میں کہا۔

''لیکن کیوں۔'' وہ پھر پکارے۔

''اوہو انکل... یہ لیکن کیوں کہاں سے لے آئے آپ؟''

''میرا مطلب ہے... تم ہاتھ پیر کیوں تھکاؤ... جب کہ میں یہاں موجود ہوں... اور میرے ہاتھ میں گیند موجود ہے... شیشے کی

گولی کی گیند۔''

''ایک منٹ انکل... پہلے یہ سوچ لیں... یہاں نواب صاحب بھی ہیں... ان کی بیگم اور بیٹی بھی ہیں۔''

''اوہ... اوہ۔'' پروفیسر داؤد نے مایوسانہ انداز میں کہا۔

''آپ فکر نہ کریں انکل۔''

''تم نے اچھا فیصلہ کیا محمود... ورنہ پروفیسر صاحب کے وار سے نواب صاحب اور ان کے بیوی بچے بھی بے ہوش ہوتے... میں تم لوگوں سے زیادہ دیر تک سانس روک سکتا ہوں۔''

''اوہ۔'' ان کے منہ سے نکلا۔

''کوئی پروا نہیں، ترکیب نمبر 13 کب کام آئے گی۔''

''آؤ... آؤ... ہو جائے ترکیب نمبر 13 بھی۔''

وہ اس کے تین طرف کھڑے ہو گئے... فرزانہ کمر کی طرف... فاروق اور محمود دائیں اور بائیں پہلو پر... یہ پوزیشن لیتے ہی فرزانہ اچھلی اور اس کی گردن میں دونوں بازو ڈال کر لٹک گئی... محمود نے اچھل کر اس کا دایاں بازو دونوں ہاتھوں سے پکڑ لیا... فاروق نے بایاں بازو جکڑ لیا...

''پروفیسر انکل... آپ نواب صاحب کے ساتھ بیڈ پر چلے

جائیں... کہیں آپ کو اور انھیں چوٹ نہ آجائے... کیونکہ ان صاحب
کے ارادے خطرناک ہیں۔"

"تو میں بھی اس جنگ میں حصہ کیوں نہ لوں... شیشے کی گیند نہ
سہی، کسی اور چیز سے تو لڑا جا سکتا ہے... مثلاً... تم نے اسے قابو میں
کرلیا ہے... تو میں کوئی چیز اس کے سر پر کیوں نہ دے ماروں۔"

"نہیں... وہ چیز فرزانہ کے لگ سکتی ہے... کیونکہ یہ حضرت
ساکن تو رہیں گے نہیں۔"

"ہوں اچھا۔" انھوں نے کہا اور نواب صاحب کو ساتھ لے کر
بیڈ پر آگئے...

"آپ ان دونوں کو کھول دیں... یہ بے چارے دونوں آخر
کب تک بندھے رہیں گے۔" فرزانہ نے کہا... وہ برابر شنگ کی گردن
پر زور صرف کر رہی تھی... تاکہ اس کا سانس رک جائے۔

"اچھا... لیکن اس کام کے لیے چاقو یا چھری بھی تو ہو۔"

"اوہ انکل... وہ دیکھیے... دروازے میں چاقو۔"

"دھت تیرے کی۔" پروفیسر نے جھلا کر کہا اور دوڑ کر
دروازے کے پاس پہنچ گئے... دوسرے ہی لمحے انھوں نے محمود کا چاقو
زور لگا کر دروازے سے نکال لیا۔

"کوئی فائدہ نہیں انھیں کھولنے کا... ابھی تم سب کو باندھنا
[illegible]"

"دیکھا جائے گا... آپ کھول دیں انکل ان دونوں کو۔"

"ابھی لو۔"

ادھر فرزانہ زور لگا کر تھک گئی... لیکن وہ شنگ کا گلا نہ گھونٹ
سکی... اس نے محسوس کرلیا... اس کی گردن نہ جانے کس چیز کی بنی
ہوئی تھی... اس سے دب ہی نہیں رہی تھی... اسی وقت شنگ نے کہا۔

"لو بھی... تمھاری بہن تو میرا گلا نہیں گھونٹ سکی... اب تم کیا
کہتے ہو۔"

"کیوں فرزانہ۔"

"یہی بات ہے... یہ گردن گوشت پوست کی نہیں... شاید ربڑ
کی ہے۔"

"ہائیں... تو کیا مسٹر شنگ ربڑ کے ہیں۔" فاروق نے حیران
ہو کر کہا۔

"میں نے گردن کی بات کی ہے۔" فرزانہ نے بھنا کر کہا۔

"تم سے کچھ ہو نہیں رہا... اب مجھے ہی ہاتھ پیر ہلانے پڑیں
گے... یہ لو۔"

یہ کہہ کر شنگ لگا گھومنے ... اس کے ساتھ وہ بھی گھوم رہے تھے
کیونکہ اس نے اپنے دونوں بازو اوپر اٹھا لیے تھے اور اس کے بازوؤں
کے ساتھ وہ دونوں بھی اوپر اٹھ گئے تھے ... گویا اس کے بازوؤں
سے کھلونوں کی طرح لٹکے ہوئے گھوم رہے تھے ...

''بھئی واہ ... جھولوں کا مزہ آگیا۔'' فاروق چہکا۔

''ابھی اور آئے گا۔''

یہ کہتے ہی اس نے اپنے جسم کو ایک جھٹکا دیا ... نہ جانے یہ جھٹکا
کیا تھا ... محمود اور فاروق دیواروں سے جا ٹکرائے ... فرزانہ کے بازو
بھی اس کی گردن سے الگ ہو گئے اور وہ بیڈ پر نواب صاحب کے اوپر
گرے۔

''بس ... سوری ... نواب انکل۔''

''کک ... کوئی بات نہیں، اس میں تمہارا کیا قصور فرزانہ۔''

''قصور تو خیر ہمارا ہے۔'' فرزانہ نے شرمندہ ہو کر کہا۔

''وہ ... وہ کیسے؟'' مارے حیرت کے انہوں نے کہا۔

''ہم اس شخص سے صحیح طور پر مقابلہ نہیں کر پا رہے ... لیکن آپ
یقین کریں، یہ کوئی عام آدمی نہیں ہے۔''

''کوئی بات نہیں ... تم جو کچھ کر رہے ہو ... یہ کم نہیں۔''

اس وقت تک پروفیسر داؤد نواب صاحب کی بیگم اور بیٹی کو کھول
چکے تھے ... اور ان کے منہ سے کپڑا بھی نکال چکے تھے ... چنانچہ
انہوں نے فوراً کہا۔

''اف مالک ... یہ سب کیا ہے۔'' بیگم صاحبہ بولیں۔

''ابھی تک کچھ سمجھ میں نہیں آسکا ... لیکن آپ فکر نہ کریں ...
بہت جلد ساری بات سامنے آنے والی ہے۔''

''باتیں کم ... کام زیادہ۔'' شنگ کی آواز سنائی دی ... وہ اب
پھر تنا کھڑا تھا۔

''یار فاروق ... یہ یوں نہیں مانیں گے۔''

''یہ تو مجھے بھی پتا ہے۔'' اس نے بے چارگی کے عالم میں کہا۔

''ہے کوئی تک۔'' فرزانہ نے جھلا کر کہا۔

عین اس لمحے شنگ نے ایک عجیب حرکت کی۔

☆☆☆☆☆

مشکل لمحات

انسپکٹر جمشید نے اوندھے منہ گرتے ہی پلٹی کھائی... تاکہ دیکھ سکیں... ان کی ٹانگ کو اس طرح جکڑنے والا کون ہے... ان کی سٹی گم ہو گئی... وہ وہی روبوٹ تھا... انہوں نے پورا زور لگایا... لیکن اپنی ٹانگ نہ چھڑا سکے... انہوں نے محسوس کر لیا کہ ان کی ٹانگ صرف اسی صورت میں چھوٹ سکتی ہے کہ کاٹ دی جائے... اور کوئی صورت نہیں تھی... ادھر روبوٹ انہیں کھینچ رہا تھا... اور وہ پوری بے بسی کے عالم میں زمین پر گھسٹتے چلے جا رہے تھے... یہاں تک کہ وہ درختوں کے درمیان کھڑی ایک بڑی گاڑی کے پاس پہنچ گئے... اب روبوٹ نے انہیں کسی ننھے بچے کی طرح اٹھا کر گاڑی میں اس زور سے پھینکا کہ ان کے چودہ طبق روشن ہو گئے... اس حالت میں بھی ان کی ٹانگ روبوٹ کے شکنجے میں رہی... اسی وقت انہوں نے فرجی دادا کی چہکتی آواز سنی...

"خوش آمدید انسپکٹر جمشید... کیوں کیسی رہی۔"

انہوں نے منہ سے کچھ نہ کہا... وہ محسوس کر رہے تھے... وہ بہت بری طرح پھنس چکے ہیں... ان کا دماغ البتہ بہت تیزی سے کام کر رہا تھا... وہ سوچ رہے تھے... اگر وہ ان لوگوں سے نجات حاصل نہ کر سکے تو نواب صاحب کے محل تک نہیں جا سکیں گے... اور وہاں نہ جانے حالات کیا ہیں، اس خیال نے انہیں اور زیادہ بے چین کر دیا...

"خان رحمان کے آنے میں اتنی دیر کیوں لگ گئی۔"

"وہ سڑک کی طرف چلے گئے تھے فرجی دادا... وہ آتے ہی ہوں گے۔"

عین اسی وقت دھم کی آواز گونجی... انہوں نے دیکھا... اس بار خان رحمان کو پٹخا گیا تھا... فوراً ہی روبوٹ نے ان کی بھی ایک ٹانگ پکڑ لی...

"تو تم بھی آ گئے خان رحمان۔"

"ہاں جمشید... مجھے بہت افسوس ہے... یہ لوگ سڑک کے پاس ادھر ادھر درختوں کی اوٹ لیے موجود تھے... اچانک مجھ پر ٹوٹ پڑے... مجھے سنبھلنے کا موقع ہی نہیں ملا۔"

"کوئی بات نہیں... پروا نہ کرو۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"انسپکٹر کمال سلیمی اور ان کے ساتھیوں کا کیا بنا۔"

"میں انھیں سڑک پر ایسی جگہ تک پہنچانے میں کامیاب ہو گیا تھا جہاں انھیں خطرہ نہیں تھا... بس میں واپس تمھاری طرف آرہا تھا کہ..." انہوں نے جملہ درمیان میں چھوڑ دیا۔

"ہوں... خیر اللہ مالک ہے... ہم کر بھی ہی کیا سکتے ہیں۔"

"پتا نہیں جمشید... ان لوگوں کا پروگرام کیا ہے۔"

"جو بھی پروگرام ہے... کم از کم ہمارے لیے خوش گوار تو ہو نہیں سکتا... لیکن بہرحال ہمارے لئے یہ بات اطمینان کی ہے کہ انسپکٹر کمال سلیمی اور ان کے ماتحت سب کے سب ان کے چنگل سے بچ گئے... وہ بے چارے تو بلا وجہ مارے جاتے... رہ گئے ہم... ہمارا کیا ہے... ہمارا تو یہ روز کا کام ہے۔"

"لیکن جمشید... محمود، فاروق، فرزانہ اور پروفیسر صاحب کا کیا کریں۔"

"یہ اگر ہم لوگوں کو لے جا رہے ہیں تو انھیں کون سا یہاں چھوڑ جائیں گے... ہمارے یہاں رہنے سے انھیں جو خطرہ ہے... انھیں یہاں چھوڑ کر جانے سے بھی وہی خطرہ ہو گا... لہذا فکر نہ کرو... وہ بھی وہیں پہنچیں گے۔" انسپکٹر جمشید نے جلدی جلدی کہا۔

"ہوں... اللہ مالک ہے۔"

پھر گاڑی کا دروازہ بند کر دیا گیا... اور وہ وہاں سے روانہ ہوئی۔

"تم لوگ ہمیں یہ تو بتا دو... جانا کہاں ہے۔" خان رحمان نے جھلاہٹ کے عالم میں کہا۔

"خاموش رہنا تم لوگوں کے حق میں بہتر ہو گا۔"

"اچھا تو اپنے روبوٹ صاحب سے کہو... ہماری ٹانگیں تو چھوڑ دو... اب ہم کہاں بھاگ جائیں گے۔"

"یہ نہیں ہو سکتا... ہم تم لوگوں سے اچھی طرح واقف ہیں... تم کسی وقت بھی کچھ بھی کر سکتے ہو... بڑے بڑے مجرم... جیرال، سی مون، سی موف لی کاف جیسے مجرم تم سے ایسے ہی مار نہیں کھا گئے... لہذا چپ چاپ پڑے رہو، تم لوگوں کے لیے ہمارے دلوں میں کوئی رحم نہیں ہے۔" فرجی دادا کی سفاک آواز ان کے کانوں میں گھستی چلی گئی۔

"ہمارے لیے نہ سہی... اپنے لیے تو تمھارے دلوں میں رحم ہونا چاہیے۔" انسپکٹر جمشید نے منہ بنایا۔

"کیا مطلب؟" کئی آوازیں ابھریں۔

''اس وقت تم جو سلوک ہم سے کرو گے ... ہم بھی تم سے وہی سلوک کریں گے، پھر نہ کہنا... خبردار نہیں کیا تھا۔''

''ارے نہیں ... تم لوگ اب اس قابل نہیں رہو گے ... تمھارے دن برے آئے۔''

''دراصل ہمیں تم لوگوں کا پروگرام معلوم نہیں ... ورنہ ہم تمہیں راستہ بتا دیتے۔'' خان رحمان کو غصہ آ گیا۔

''نہیں خان رحمان۔'' انسپکٹر جمشید نے انھیں اشارے میں کہا۔

''اوہ معاف کرنا جمشید۔'' خان رحمان کو فوراً خیال آ گیا ... دراصل ان حالات میں غصے میں آنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا... الٹا نقصان تھا... اسی طرف انسپکٹر نے اشارہ کیا تھا اور خان رحمان فوراً ہی ان کے اشارے کا مطلب سمجھ گئے تھے...

ان کا سفر دو گھنٹے جاری رہا... اس دوران وہ دونوں شدید تکلیف محسوس کرتے رہے ... لیکن انھیں ان پر ذرا رحم نہ آیا... نہ انھوں نے پھر کوئی ایسی بات کی ... روبوٹ نے ایک ہاتھ سے انھیں اور دوسرے ہاتھ سے خان رحمان کی ٹانگ کو پکڑ رکھا تھا... وہ ذرا بھی ہلنے کی کوشش کرتے تو اس کی لوہے کی انگلیاں ان کے گوشت میں دھنستی محسوس ہوتیں... لہٰذا اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا کہ وہ ساکن

پڑے رہیں ... دوسری طرف وہ محمود، فاروق، فرزانہ اور پروفیسر داؤد کے لیے پریشان تھے اور سوچ رہے تھے کہ نہ جانے ان کے ساتھ کیا گزری ہو گی ...

''کیسے پھنسے انسپکٹر جمشید۔'' فرجی دادا کی آواز گاڑی میں گونج گئی۔

''کوئی پروا نہیں ... اللہ مالک ہے ... ہم نے ہر قسم کے حالات دیکھے ہیں۔''

''لیکن اس بری حالت میں تمھیں لے جایا رہا ہے ... ایسا تو شاید پہلی بار ہو رہا ہے۔'' فرجی ہنسا۔

''تب بھی کوئی بات نہیں ... صرف اتنا بتا دو ... یہ روبوٹ تمھیں کہاں سے مل گیا۔''

یہ سن کر فرجی دادا ہنسنے لگا... آخر اس نے کہا۔

''بہت جلد روبوٹ کے بارے میں بھی معلوم ہو جائے گا... انسان نما یہ روبوٹ بہرحال ہمارے ملک کی ایجاد نہیں ہے۔''

''کہنے کا مطلب یہ کہ اس کیس میں ہمارے کسی دشمن ملک کا ہاتھ ہے۔''

''عقل مند کو اشارہ ہی کافی۔'' اس نے ہنس کر کہا۔

''جانا کہاں ہے۔''

''مجھے معلوم نہیں ... مجھے تو بس اتنا حکم ملا تھا ... انسپکٹر جمشید پارٹی نواب ریاست کی طرف آ رہی ہے ... تم لوگوں کی مدد کے لیے ایک روبوٹ بھی قصبے کی طرف بھیج دیا گیا ہے ... وہ اس پارٹی سے خود ہی نبٹ لے گا ... ہم اسے خود ہی کنٹرول کرتے رہیں گے ... ان لوگوں کو اور نواب صاحب کو ہمارے پاس پہنچا دینا۔''

''اور یہ حکم تمھیں کس نے دیا۔''

''قصبے پر آج کل جس کا قبضہ ہے۔''

''وہ کون ہے۔''

''میں نہیں جانتا ... میں تو بس اس کے احکامات ایک آلے کے ذریعے سنتا ہوں۔''

''لیکن اگر ہم رزی کے گھر نہ ٹھہرتے ... اور ہمیں پتا نہ چلتا کہ فرجی دادا نامی ایک شخص ان غریب لوگوں کے چند سو روپے مار کر چلا گیا ہے ... تو ہم تو پھر قصبے کا رخ بھی نہ کرتے ... کیا اس میں رزی کا بھی ہاتھ ہے۔''

''نہیں ... اولوں والا تو اتفاق ہو گیا تھا ... لیکن اس بات کا خیال تھا کہ آپ لوگ اس مکان میں رات گزارنے پر مجبور ہو

جائیں ... سو میں نے ایک دن پہلے ہی وہاں کھانا کھایا اور پیسے دیے بغیر چلا آیا ... تاکہ تم لوگ قصبے کا رخ کرنے پر مجبور ہو جاؤ۔ یہ اتفاق نہ ہوتا تو بھی ہم قصبے کے پاس سڑک پر کوئی رکاوٹ ضرور کھڑی کرتے ... اور تم لوگوں کو قصبے میں لے آتے ... اور وہاں روبوٹ تم لوگوں کا استقبال کرتا۔''

''یہ دلدل میں سے کیسے نکل آیا۔''

''اس کا پنکھا چل رہا تھا ... اس نے کیچڑ کو خشک کر دیا ... اور یہ نکلنے میں کامیاب ہو گیا ... پھر اسے کنٹرول کرنے والوں نے اسے دلدل کے پاس ہی روک لیا ... جونہی تم آئے ... روبوٹ حرکت میں آ گیا اور ہمارا کام آسان ہو گیا ... ورنہ خدشہ تھا ... تم لوگ ہمیں شکست دے دیتے۔''

''ہوں۔'' انسپکٹر جمشید نے سوچ میں گم ہوتے ہوئے کہا ... ایسے میں خان رحمان کی آواز سنائی دی۔

''سوال یہ ہے کہ یہ لوگ ہم سے کیا چاہتے ہیں۔''

''مجھے نہیں معلوم۔'' فرجی داد کی ناخوش گوار آواز سنائی دی۔

''قصبے پر قبضہ کرنے کے لیے اس نامعلوم شخص نے تمھاری خدمات خرید لیں ... وہ تمھیں کیا دیتا ہے ہر ماہ۔''

''ان گنت روپے ... کوئی کمی نہیں اس کے پاس دولت کی ... ہمارے وارے نیارے ہیں۔''

''ہوں۔''

''ہمیں اس کے حوالے کر کے تم قصبے میں رہو گے۔''

''ہاں کیوں نہیں ... وہاں تو اب اپنی حکومت ہے ... انسپکٹر دارا بھی اب اس کے لیے کام کرتا ہے۔''

''لیکن تم ایک بات بھول رہے ہو۔'' انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

''اور وہ کیا؟''

''انسپکٹر کمال سلیمی اور اس کے ماتحت دارالحکومت پہنچ جائیں گے اور قصبے کے حالات سنائیں گے۔''

''ایسا نہیں ہو گا ... اس نامعلوم شخص کا جال دور دور تک پھیلا ہوا ہے ... وہ لوگ دارالحکومت تک نہیں جا سکیں گے۔'' فرجی دادا چہا۔

''نن ... نہیں۔'' انسپکٹر جمشید کانپ گئے۔

اور پھر گاڑی میں خاموشی چھا گئی ... صرف انجن چلنے کی آواز سنائی دیتی رہی ... تکلیف کی شدت بھی بدستور رہی ... اور وہ اسے برداشت کرتے گاڑی کے فرش پر پڑے رہے ... ان حالات میں انسپکٹر جمشید نے خان رحمان کو مخاطب کیا ...

''خان رحمان۔''

''ہاں جمشید۔''

''تم کیا سوچ رہے ہو۔''

''کچھ نہیں جمشید۔''

''یہ تو نہیں سوچ رہے ... آخر میں کیوں ... ان لوگوں کے ساتھ دھکے کھا رہا ہوں، میرے پاس کس چیز کی کمی ہے ... اپنے گھر میں ہر طرح کا آرام ہے ... تو کیوں مصیبتیں برداشت کر رہا ہوں۔''

''یہ تم سوچ رہے ہو جمشید ... حیرت ہے۔''

''بس ایسے ہی خیال آ گیا خان رحمان ... اس وقت تم جس طرح پڑے ہو ... میرا دل کٹ رہا ہے دیکھ دیکھ کر۔''

''نہیں جمشید ... بڑی بات ... ہرگز یہ نہ سوچو ... میرا تمہارا ... پروفیسر صاحب کا اور بچوں کا اور انسپکٹر کامران مرزا کا اور ان کے بچوں کا اور شوکی برادرز کا زندگی اور موت کا ساتھ ہے ... ہم اپنے لیے تھوڑا ہی جیتے ہیں جمشید۔''

''ہاں خان رحمان اچھی بات ہے۔''

''بس تو پھر ایسی کوئی بات سوچو بھی نہیں۔''

''اچھا خان رحمان ... اب نہیں سوچوں گا ... ایسا کوئی خیال

قریب آنے کی کوشش بھی کرے گا تو میں اسے جھٹک دوں گا۔''

''ہاں جمشید ... یہ ہے طریقہ ... چلو اب مسکرا دو ... میں تمھارے چہرے پر ہر حال میں مسکراہٹ دیکھنا چاہتا ہوں۔''

''ہاں کیوں نہیں خان رحمان ... لو میں مسکرا رہا ہوں ... تم بھی مسکراؤ۔''

دونوں مسکرانے لگے ... اس وقت فریڈی دادا نے کہا۔

''جتنا مسکرانا ہے ... اس گاڑی میں مسکرا لو ... اس کے بعد تم نہیں مسکرا سکو گے۔''

''اللہ مالک ہے۔''

ایک بار پھر خاموشی چھا گئی ... آخر کار گاڑی رک گئی ... فریڈی دادا کی آواز ابھری۔

''لو ... اترو ... تم لوگوں کی منزل آ گئی۔''

ان الفاظ کے ساتھ ہی روبوٹ نے ان کی ٹانگیں چھوڑ دیں اور انھیں بازو سے پکڑ لیا ... گاڑی کا دروازہ کھل گیا ... اور وہ باہر نکل آئے ... اس وقت انہوں نے دیکھا ... وہ ساحل سمندر پر تھے ... اور ساحل پر ایک بڑی لانچ موجود تھی ... وہ ایک چھوٹا سا بحری جہاز لگ رہی تھی ... وہ سمجھ گئے کہ انھیں بحری جہاز پر لے جایا جائے گا ... ان

کے دل اس خیال سے بیٹھنے لگے کہ بچے ریاست میں ہی رہ جائیں گے اور ان کی کوئی خبر نہ ملنے پر کس قدر پریشان ہوں گے ... لیکن پھر انھیں یاد آیا ... ان لوگوں کا پروگرام تو ان سبھی کو ساتھ لے جانے کا ہے ... لہذا محمود، فاروق، فرزانہ اور پروفیسر داؤد کو بھی اس جہاز پر لایا جائے گا ... یہ سوچ کر انہوں نے اطمینان محسوس کیا ... اب روبوٹ ان دونوں کو ساحل کی طرف لے چلا ... وہاں دور دور تک کوئی اور نظر نہیں آ رہا تھا ... مطلب یہ کہ یہ کوئی بے آباد ساحل تھا ...

اسی وقت لانچ سے ایک تختہ ساحل تک آ گیا ... وہ اس پر چلتے ہوئے لانچ پر آ گئے ...

''انھیں ان کے کمرے میں پہنچا دیا جائے۔'' آواز ابھری۔

انہوں نے اس آواز کو پہلی بار سنا تھا ... عجیب کھنک دار سی آواز تھی ... انہوں نے ذہن دوڑائے ... لیکن یاد نہ آیا کہ وہ کون سے بین الاقوامی ایجنٹ کی آواز تھی ... یاد نہ آنے پر انہوں نے جان لیا کہ وہ ضرور کوئی نیا آدمی ہے۔

ان کے لیے کمرے کا دروازہ کھولا گیا ... پھر جونہی وہ اندر داخل ہوئے وہ زور سے اچھلے ... ان کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

''اف مالک! یہ کیا ہوا؟''

☆☆☆☆☆

شکست

اور وہ عجیب حرکت یہ تھی کہ اس نے اچھل کر اپنے دونوں پاؤں فرش پر دے مارے تھے ... جونہی اس کے پیر فرش پر لگے ... وہ اونچا اچھلا ... جیسے کسی گیند کو زمین پر مارتے ہیں تو کافی اونچا اچھلتی ہے ... بالکل اسی طرح شنگ اچھلا تھا ... اچھلتے ہی اس نے اپنی دائیں ٹانگ گھمائی ... اس کا پاؤں محمود کے سینے پر لگا... محمود کے منہ سے ایک زوردار چیخ نکل گئی ... وہ اچھل کر دیوار سے ٹکرایا اور بے سدھ ہو کر گرا...

''ارے باپ رے۔'' مارے خوف کے فاروق کے منہ سے نکلا۔

''ہمت نہ ہارنا فاروق ... محمود تو بے خبری میں مار کھا گیا۔'' فرزانہ چلائی۔

''تم نے ٹھیک کہا فرزانہ۔'' فاروق نے فوراً کہا... اس کی نظر شنگ پر جمی تھی... شنگ نے ایک بار پھر فرش پر پاؤں مارے ... اس

وہ اونچا اچھلا... اور اس نے بائیں ٹانگ گھما دی ... فاروق پہلے ہی تیار تھا ... فوراً فرش پر لڑھک گیا ... دوسرے ہی لمحے شنگ نے پھر پاؤں فرش پر مارے اور اس بار وہ اچھل کر فاروق کے سینے پر آیا...

مارے تکلیف کے فاروق کی چیخ نکل گئی ... ساتھ ہی وہ دہرا ہو گیا...

''نہیں چھوڑوں گا۔'' شنگ کی سرد آواز سرسرائی۔

''نہیں نہیں ... یہ ظلم نہ کرو۔'' نواب صاحب چلائے۔

''نواب صاحب ... آپ بالکل چپ رہیں ... ورنہ آپ کا حشر بھی یہی ہوگا۔'' شنگ نے غرا کر کہا۔

''نواب انکل ! آپ ہمارے لیے پریشان نہ ہوں ... ایسے حالات ہمارے لیے نئے نہیں۔'' فرزانہ نے شنگ پر نظر جماتے ہوئے کہا۔

''اور اب تمھاری باری ہے۔'' شنگ کی آواز ابھری۔

''پروا نہیں۔''

شنگ نے پھر پیر زمین پر مارے ... ادھر اس نے اپنا یہ داؤ کھیلا، ادھر فرزانہ نے اپنی جگہ چھلانگ لگائی ... اور شنگ کی کمر کی طرف آ گئی... شنگ جونہی اچھلا ، اس نے فضا ہی میں اپنا رخ تبدیل کر لیا

اور اپنی لات فرزانہ کی طرف گھمائی ... لات اس کی کمر پر لگی ... اس کے منہ سے ہولناک آواز نکلی اور وہ بھی ڈھیر ہو گئی ... اب تینوں اگر چہ ہوش میں تھے ... لیکن حرکت کرنے کی سکت ان میں نہیں رہ گئی تھی ...

اب شنک نے اپنا رخ پروفیسر داؤد کی طرف کر لیا ... اس نے سرسراتی آواز میں کہا۔

''آپ کا کیا پروگرام ہے۔'' پروفیسر بولے۔

''آپ کیا چاہتے ہیں مسٹر شنک ؟'' انہوں نے پوچھا۔

''بوڑھوں پر ہاتھ اٹھانا اچھا تو نہیں ... لیکن میرے نزدیک دشمن دشمن ہے ... چاہے جوان ہو، بچہ ہو، بوڑھا ہو، عورت ہو یا مرد ... کوئی بھی ہو... اگر دشمن ہے تو اسے نہیں چھوڑنا چاہیے ... اس لیے ... تم تینوں کے ساتھ بھی یہی سلوک ہوگا ...ہاں ایک رعایت دے سکتا ہوں ...''

''ہمیں تمہاری رعایت نہیں چاہیے ... جو کرنا ہے، کر گزرو۔'' پروفیسر داؤد نے برا سا منہ بنایا۔

''اور نواب صاحب ... آپ کیا کہتے ہیں۔''

''نن نہیں ... نہیں ... ہم لوگ لڑائی جھگڑائی والے لوگ نہیں ... ہم لوگ ... ہم تمہارا مطالبہ ماننے کے لیے تیار ہیں۔''

''تم لوگوں کو ساتھ لے جانا ہے ... اگر خاموشی سے میرے ساتھ چل کر گاڑی میں بیٹھ جاؤ ... تو ٹھیک ... ورنہ پھر جو حال ان لوگوں کا ہے ... وہی حال آپ تینوں کا ہوگا۔''

''نن نہیں ... ہم ساتھ چلتے ہیں۔''

''پروفیسر صاحب ... آپ بھی تیار ہیں یا پہلے لڑیں گے۔''

''کیا انسپکٹر جمشید اور خان رحمان کو بھی لے جارہے ہیں ... یا انہیں یہیں چھوڑ کر جارہے ہیں۔''

''وہ ساتھ جائیں گے ... ان کے بغیر آپ لوگوں کو نہیں لے جائیں گے اور آپ کے بغیر انہیں نہیں لے جائیں گے ... میری اطلاع کے مطابق ... وہ لوگ بھی قابو میں آچکے ہیں ... اور بہت جلد اصل جگہ پہنچ جائیں گے ... ان تینوں کو آپ دیکھ رہے ہیں ... ان میں تو چلنے کی سکت بھی نہیں رہی ... آپ لوگوں کو اگر ایک ایک لات لگ گئی تو پندرہ دن تک اٹھ نہیں سکیں گے ... کیا خیال ہے ... ہمارے ساتھ چل رہے ہیں ... یا میں شروع ہو جاؤں۔''

انہوں نے پروفیسر داؤد کی طرف دیکھا جیسے کہہ رہے ہوں ...

''ہاں جناب اب آپ کیا کہتے ہیں۔''

''میرا خیال ہے ... مسٹر شنک کی بات مان لیتے ہیں۔'' پروفیسر داؤد بولے۔

''اچھی بات ہے۔''

''یہی سمجھ داری کی بات ہے ... آؤ بھئی ... ان تینوں کو اٹھا لو ... باقی تین اپنے پیروں پر چلیں گے۔''

اسی وقت اس کمرے کی بڑی الماری کھلی اور اس میں سے چار آدمی نکل کر کمرے میں آگئے ... تین نے محمود، فاروق اور فرزانہ کو اٹھا لیا ... چوتھے نے پروفیسر داؤد کو بازو سے پکڑ لیا ... شنک نے نواب صاحب اور ان کی بیوی اور بیٹی کو اشارہ کیا ... ان کے جسموں میں تھرتھراہٹ تھی ... جیسے تیسے کرکے وہ بھی اٹھیں اور ان کے آگے چلنے لگیں ... پہلے وہ الماری میں داخل ہوئیں ... پھر سیڑھیاں اترنے لگیں ... اس الماری کے دوسری طرف سیڑھیاں تھیں ... گویا یہ وہ خفیہ راستہ تھا ... جس کے ذریعہ شنک اندر آیا تھا ...

خفیہ راستہ ایک سرنگ کی صورت میں تھا ... انھیں تقریباً پندرہ منٹ تک چلنا پڑا ... تب کہیں جا کر سرنگ کا اختتام ہوا ... اس کے دہانے پر ایک گاڑی کھڑی نظر آئی ... انھیں اس میں بٹھایا گیا ... اور پھر گاڑی وہاں سے روانہ ہوئی ... روانہ ہونے سے پہلے خفیہ راستہ بند

کر دیا گیا تھا ... اور وہ اس طرح کہ اس پر جھاڑیاں ہی جھاڑیاں موجود تھیں ... ان جھاڑیوں میں وہ راستہ چھپا ہوا تھا ... جن لوگوں کو یہ بات معلوم تھی، وہ ان جھاڑیوں کو ہٹا کر اس راستے تک جا سکتے تھے ...

''میں نے سنا تھا ... تم لوگ بہت بڑے جاسوس ہو، اڑتی چڑیا کے پر گن لیتے ہو ... لیکن میرا خیال ہے ... تم لوگ کچھ بھی نہیں ہو ... بلاوجہ ہی مشہور ہو گئے ہو ... تم لوگوں کو آج تک کوئی مرد میدان ٹکرا ہی نہیں۔''

''ہائیں ... کیا کہا مسٹر شنک ... کیا کہہ گئے آپ ... یعنی آج تک ہمارا مقابلہ کسی مرد میدان سے ہوا ہی نہیں ... تو آپ کے خیال میں جیرال بھی مرد میدان نہیں تھا ... سی مون بھی نہیں تھا ... لی کاف بھی نہیں تھا ... جوموف بھی نہیں تھا ... ایسے ہم اور بھی بے شمار نام گنوا سکتے ہیں۔'' فرزانہ نے جلے کٹے لہجے میں کہا۔

''تب پھر ... تم میرے مقابلے میں کیوں کچھ نہیں کر سکے ... یہاں تک کہ انسپکٹر جمشید بھی کیوں کامیاب نہیں ہو سکے۔''

''آپ ان کے بارے میں تو خیر ابھی کچھ نہ کہیں۔'' محمود نے منہ بنایا۔

''کیوں؟'' شنک نے بھنویں اچکائیں۔

''اس لیے کہ ابھی تک تم لوگ انھیں گرفتار نہیں کر سکے۔''

''میری اطلاعات یہی ہیں کہ انھیں قابو کر لیا گیا ہے... ہمارے روبوٹ کے آگے ان کی کوئی پیش نہیں گئی۔''

''نن نہیں۔'' فاروق کانپ گیا۔

''بہت جلد تم اپنی آنکھوں سے سب کچھ دیکھ لو گے۔''

''اچھی بات ہے... آپ بھی بہت جلد دیکھ لیں گے کہ ہم آخر ہم ہیں۔''

''میں اس وقت کا بے چینی سے انتظار کروں گا۔''

''اور ہم آپ کو بے چینی سے انتظار کرنے سے روکیں گے نہیں۔'' فاروق نے جل کر کہا۔

ان کا سفر جاری رہا...

''سنا ہے... تم لوگوں کو جزیرے بہت پسند ہیں۔''

''تو آپ ہمیں کسی جزیرے پر لے جانا چاہتے ہیں۔''

''یہی سمجھ لیں۔''

''پروگرام کیا ہے۔''

''جزیرے پر معلوم ہو جائے گا۔''

''اور ہمارے ساتھی۔''

''وہ بھی آنے والے ہوں گے۔''

''تب کوئی پروا نہیں۔'' محمود نے خوش ہو کر کہا۔

''کیا مطلب؟''

''جب ہم ایک جگہ جمع ہو جاتے ہیں تو ہر قسم کے حالات میں لڑ سکتے ہیں۔'' فاروق نے فوراً کہا۔

''لیکن اس مرتبہ شاید تم لوگ جزیرے پر خوش نہ رہ سکو کیونکہ۔'' ملک ہنسا۔

''اور کیونکہ کیا۔''

''کیونکہ تم لوگ اس جزیرے کے قیدی ہو گے... جزیرے سے نکلنے کا کوئی راستہ نہیں ہو گا... وہ جزیرہ تمھاری آخری آرام گاہ ہے گا... کسی کو معلوم تک نہیں ہو گا کہ تم لوگ کہاں گئے... تمھارے ساتھ کیا بیتی۔''

''اللہ مالک ہے... مہربانی فرما کر آپ ہمیں اور زیادہ نہ ڈرائیں... اس سے کہیں بہتر ہے، آپ ہم سے اپنا تعارف کروا دیں... کیونکہ ہم زندگی میں پہلے کبھی آپ سے نہیں ملے... آپ کا تعلق کس ملک سے ہے۔''

''میرا تعلق ہر اس ملک سے ہے... جو مسلمان کا پکا دشمن ہے...

دراصل میری دشمنی اسلام سے ہے۔"

"اوہ۔" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"کتنا اچھا دشمن ہے وہ..." فرزانہ کے منہ سے مسرت آمیز انداز میں نکل گیا۔

"آپ نہیں... جیرال... جیرال جیسے دشمن کی ہم قدر کرتے ہیں..."

"مجھے تم لوگوں کی قدر کی ضرورت نہیں... تم نہ کرو میری قدر... میں کروں گا تمھاری قدر... اور ایسی قدر کروں گا کہ کیا کبھی کسی نے کی ہو گی۔"

"وہ تو ہمیں نظر ہی آرہا ہے..." فاروق نے برا سا منہ بنایا۔

"آپ نے اپنے بارے میں نہیں بتایا۔

"بتا چکا ہوں۔"

"صرف اتنا بتایا ہے کہ آپ اسلام دشمن ہیں... اسی نسبت سے ہمارے بھی دشمن ہیں... لیکن یہ نہیں بتایا کہ کس ملک سے تعلق ہے آپ کا۔"

"یہ بھی بتا چکا ہوں... تمام غیر مسلم ممالک کا دوست ہوں۔"

"اوہ ہاں! یہ بات تو آپ نے واقعی بتائی ہے... مطلب یہ کہ

آپ کا تعلق کسی ایک ملک سے نہیں۔"

"نہیں... جس ملک کو بھی مجھ سے کام لینا ہوتا ہے، میں اس کے کام آجاتا ہوں... پہلی شرط ہے... معاوضہ... میرا منہ مانگا معاوضہ جو بھی دے، میں اس کا کام کرتا ہوں۔"

"اگر ہم آپ کو منہ مانگا معاوضہ دیں تو کیا ہمارے لیے بھی کام کریں گے۔" محمود کے لہجے میں حیرت تھی۔

"نہیں... مسلم ملک یا کسی مسلمان سے میں ایسا کوئی معاہدہ نہیں کرتا... اپنے اصولوں کا پکا ہوں۔"

"اچھی بات ہے... بلکہ بہت اچھی بات ہے۔"

ان کا سفر دو گھنٹے تک جاری رہا... آخر لانچ کا ہارن سنائی دیا... ہارن سن کر شنگ چونکا... اس نے کہا۔

"ہم ساحل پر پہنچ گئے... یہاں سے ہمارا سفر ایک بڑی لانچ پر شروع ہو گا... کہنے کو وہ لانچ ہے... لیکن دراصل ایک چھوٹا بحری جہاز ہے۔"

"کس قدر انتظامات کیے گئے ہیں... ہمارے لیے۔" فاروق نے خوشی ظاہر کی۔

"اور یہ کہہ رہے ہیں ہماری کوئی حیثیت نہیں۔" محمود نے منہ

بتایا۔

"ان کے کہنے سے کیا ہوتا ہے..." فرزانہ نے تڑ سے کہا۔

"ہم ساحل پر پہنچ گئے ہیں... چلو اترو۔" شک کی آواز سنائی دی۔

گاڑی کا دروازہ کھول دیا گیا تھا... محمود فاروق اور فرزانہ اب اس قابل ہو چکے تھے کہ خود گاڑی سے اتر گئے... انہوں نے دیکھا... وہ ایک ویران ساحل تھا... اس کے کنارے ایک بہت بڑی لانچ کھڑی تھی... جونہی گاڑی کا دروازہ کھلا تھا... ایک تختہ لانچ سے ساحل پر آ لگا تھا... شک نے انہیں اشارہ کیا تو وہ تختے پر چلتے گئے... یہاں تک کہ لانچ پر سوار ہو گئے۔

"وہ رہا تمہارا کمرہ۔" شک نے اشارہ کیا۔

انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور کمرے کی طرف بڑھ گئے... ان کے اندر داخل ہوتے ہی کمرے کا دروازہ بند کر دیا گیا۔

"نہ جانے کیا بات ہے... ابا جان اور انکل ابھی ہم تک نہیں پہنچے... جب وہ آجائیں گے... تو گھبراہٹ ختم ہو جائے گی۔" محمود نے کہا۔

"بالکل یہی بات ہے۔"

"تب پھر دعا کرو... وہ جلد آجائیں۔"

"اچھی بات ہے۔"

انہوں نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیے... اور ابھی دعا شروع کی ہی تھی کہ کمرے کا دروازہ آواز کے ساتھ کھلا... انہوں نے دیکھا ایک لمبا تڑنگا شخص ان کے سامنے کھڑا تھا۔

☆☆☆☆☆

جزیرہ آگیا ہے

"یہ کیا مسٹر شف ... یہ تو صرف چار ہیں ... دو اور کہاں ہیں۔"
"وہ بھی آتے ہوں گے ... آپ فکر نہ کریں ... شف کچے کام
نہیں کرتا۔"
"لیکن میں یہاں زیادہ دیر نہیں ٹھہر سکتا، نصف رات تو پہلے ہی
ہو چکی ہے۔"
"آیئے آپ کو آپ کے کمرے تک لے چلیں ... چندرہ منٹ
بعد جب ان سب کو دیکھ کر آپ کا اطمینان ہو جائے گا تو پھر چلے جایئے
گا۔"
"ٹھیک ہے۔"
یہ کہہ کر وہ جانے کے لیے مڑ گیا ... ساتھ ہی دروازہ باہر سے
بند ہو گیا۔
"یہ ... یہ سب کیا ہے۔" فرزانہ نے کانپ کر کہا۔

"اللہ اپنا رحم فرمائے ... سازش دور تک پھیلی ہوئی ہے ... حد تو
یہ ہے کہ اس میں روبوٹ تک لایا گیا ہے ... ظاہر ہے ... وہ بھی
[illegible] راستے لایا گیا ہو گا۔"
"لیکن سازش ہے کیا۔"
"فی الحال تو صرف اتنا لگتا ہے کہ یہ لوگ ہمیں اپنے راستے سے
ہٹانا چاہتے ہیں۔" محمود نے خیال ظاہر کیا۔
"نہیں بھئی ... معاملہ کچھ اور ہے ... ساتھ ہی انھوں نے ہمیں
اس راستے سے ہٹانے کا پروگرام بنایا ہو گا ... تاکہ بعد میں انھیں کوئی
الزام نہ دے۔"
"اللہ اپنا رحم فرمائے ... مجھے اب اور زیادہ خوف محسوس ہو
رہا ہے ... یہ لوگ ہمیں ہر حال میں ختم کرنا چاہتے ہیں۔" پروفیسر داؤد کی
آواز میں ہلکی سی لرزش تھی۔
"یہ تو اس سے پہلے نہ جانے کتنے لوگوں کو چاٹ چکے ہیں۔"
"ہاں! یہ تو خیر ہے۔"
"بہرحال ... اس شخص کو دیکھ کر ... ایک انجانا خوف میری
رگوں میں سما گیا ہے۔" فرزانہ بڑبڑائی۔
"ابا جان اور انکل کے آجانے پر یہ خوف دور ہو جائے گا۔"

محمود نے فکر مندانہ انداز میں کہا کیونکہ پریشانی وہ بھی محسوس کر رہا تھا۔

آخر دس منٹ بعد کمرے کا دروازہ کھلا اور انسپکٹر جمشید اور خان رحمان لڑکھڑاتے ہوئے اندر آ گئے۔

وہ بوکھلا کر اٹھ کھڑے ہوئے ... ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

''اُف مالک! یہ کیا ہوا۔''

انہوں نے دیکھا ... انسپکٹر جمشید اور خان رحمان کے بازوؤں اور ٹانگوں سے خون رس رہا تھا ... اور ان کے چہروں سے شدید تکلیف ظاہر ہو رہی تھی ... ادھر دروازہ باہر سے بند کر دیا گیا تھا ...

''یہ ... یہ تو ایسے لگتا ہے ... جیسے ان کے بازوؤں کو مگر مچھ نے چبایا ہو ... اللہ اپنا رحم فرمائے۔''

''ہم ... مگر مچھ نے نہیں ... روبوٹ نے۔'' انسپکٹر جمشید نے بڑی مشکل سے کہا۔

''کیا!!!'' وہ چلائے۔

عین اسی وقت دروازہ ایک بار پھر کھلا ... انہوں نے دیکھا ... وہ شخص پھر اندر داخل ہوا تھا ...

''آپ کا اطمینان ہو گیا جناب۔'' شنگ کی آواز ابھری۔

''ہاں ہو گیا۔'' اس شخص نے سر ہلایا۔

''اب تو پھر جائیے اور ہیڈ آفس کو اطمینان دلا دیجیے کہ سب کام درست طور پر ہو رہے ہیں۔''

''او کے۔''

وہ جانے کے لیے مڑ گیا ... وہ اسے جاتے ہوئے دیکھتے رہے ... پھر دروازہ بند ہونے کی آواز سن کر ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو گئے۔

''انکل ... آپ کے پاس مرہم پٹی کی کوئی چیز؟'' محمود نے بے چین ہو کر کہا۔

''ان لوگوں نے جیبوں میں کچھ بھی نہیں رہنے دیا۔'' پروفیسر داؤد نے حسرت زدہ لہجے میں کہا۔

''فکر نہ کریں ... البتہ کوئی کپڑا باندھ سکیں تو باندھ دیں۔''

''یار جمشید کیوں نہیں۔''

سب نے اپنے کپڑوں اور جیبوں کا جائزہ لیا ... فاروق کی جیب میں دو رومال تھے ... اور وہ یہ رومال ضرور نا رکھتا تھا ... کیونکہ اس رومال میں پاؤڈر لگا ہوتا تھا اور جیب سے نکال کر رومال کو جھٹک کر پاؤڈر کے ذرات گرا کر دوسری پارٹی کو اشارہ دیا کرتا تھا کہ وہ اس جگہ سے کس طرف کو گئے ہیں ... انہوں نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ رومال

تو مل گئے تھے ... دونوں کی ایک ایک ٹانگ زخمی تھی ، اس لیے ایک رومال ایک ٹانگ پر اور دوسرا رومال دوسرے ٹانگ پر نرمی سے باندھا گیا ... اس جہاز پر انھیں اس سے زیادہ فسٹ ایڈ کا سامان نہ مل سکا ... اس بات کا درد وہ بہت دیر تک محسوس کرتے رہے ... اور جب محمود سے برداشت نہ ہو سکا تو وہ کہہ اٹھا ۔

''ہم ان لوگوں سے انتقام لیں گے ۔''

''نہیں بھئی ... ہماری توجہ انتقام کی طرف نہیں ہونی چاہیے ... بلکہ اس سازش کو ناکام بنانے کی طرف ہونی چاہیے ۔''

''جی ... جی ہاں ! آپ ٹھیک کہتے ہیں ۔'' محمود نے سر جھکا دیا ۔

اسی وقت لانچ اسٹارٹ ہوئی ... اور پھر اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گئی ...

''کیا ہم ان سے مرہم کی درخواست کریں جمشید ۔'' پروفیسر داؤد بہت بے چین ہو گئے ۔

''نہیں پروفیسر صاحب ... ان سے کیا مانگنا ... طاقت آنے پر ہم مرہم پٹی کا سامان ان سے چھین لیں گے ۔''

''مجھ سے تمھاری حالت دیکھی نہیں جا رہی جمشید ۔'' پروفیسر رو پڑے ۔

''ارے ارے ... آپ ... اتنے بڑے ہو کر رو رہے ہیں ... یہ تینوں اپنے آنسو کیسے روک سکیں گے ۔''

''روک سکیں گے کیا ... رو رہے ہیں یہ بھی ۔'' خان رحمان نے دکھ بھرے لہجے میں کہا ۔

''آپ لوگ حوصلہ نہ ہاریں ... حوصلہ ہار جانے والے کبھی فتح یاب نہیں ہوا کرتے ۔''

''اچھا جمشید ... ہم حوصلہ نہیں ہاریں گے ... تم مطمئن رہو ۔'' پروفیسر داؤد نے فوراً کہا ۔

''بس ! میں بھی چاہتا ہوں ... باقی رہی زخموں کی بات ... تو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ... اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کے جسموں میں یہ خاصیت رکھی ہے کہ کوئی علاج نہ کیا جائے تو بھی وہ خود کو ٹھیک کر لیتے ہیں ... مطلب یہ کہ بازوؤں پر کوئی دوا بے شک نہ لگے ... یہ ٹھیک پھر بھی ہو جائیں گے ۔''

''آپ کو اندازہ ہے ابا جان ... یہ ہمیں کہاں لے جا رہے ہیں ۔''

''غالباً کسی جزیرے تک لے جائیں گے ۔'' انھوں نے کہا ۔

''آپ کا اندازہ درست ہے ... اس روبوٹ کے بارے میں کیا

خبر ہے۔"

"ظاہر ہے... وہ ساحل تک ساتھ آیا تھا... اور اب اس لانچ
پر موجود ہو گا۔"

"اوہ... اوہ۔" تینوں گھبرا گئے۔

"پھر وہی... میں نے کہا نا... حوصلہ جوان رکھو۔" انسپکٹر جمشید
نے برا مان کر کہا۔

"معاف کرنا ابا جان۔" فرزانہ نے فوراً کہا۔

"کک... کوئی بات نہیں۔"

لانچ پر ان کا سفر صرف دو گھنٹے جاری رہا... پھر انہوں نے
اسے رکتا محسوس کیا اور آخر اس کا انجن بند ہو گیا۔

"شش... شاید جزیرہ آ گیا ہے۔"

"گویا ہماری منزل آ گئی ہے۔" انسپکٹر جمشید نے اداس لہجے میں
کہا۔

ان میں سے کوئی کچھ نہ بولا... پھر دروازہ کھلا... اور رشک کی
آواز سنائی دی...

"چلو بھئی... تمہارا سفر مکمل ہوا... کوئی حرکت کی تو یہ روبوٹ
صاحب ساتھ کھڑے ہیں... طبیعت صاف کر دیں گے۔"

انہوں نے کچھ نہ کہا... کمرے سے نکل آئے... انہیں عرشے
کے کنارے پر لایا گیا... وہاں سیڑھیاں موجود تھیں۔

"اترتے چلے جاؤ... تختہ کنارے سے لگا دیا گیا ہے... اس
تختے پر چلتے ہوئے جزیرے پر اتر جاؤ۔"

"کیا یہ جزیرہ ہمارے ملک کی حدود میں ہے۔" انسپکٹر جمشید نے
پوچھا۔

"تم لوگوں کو اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا... کیونکہ... اس
طرف سے نہ کوئی جہاز گزرتا ہے... نہ لانچ... یہ سمندر کا خطرناک
ترین علاقہ ہے... یہاں آنے والے جہاز الٹ جاتے ہیں..." رشک
مسکرایا۔

"یہ لانچ کیوں نہیں الٹی..." فاروق نے اسے کھا جانے والی
نظروں سے گھورا۔"

"اس وقت سمندر بالکل پر سکون ہے... لیکن جب اس میں
جوار بھاٹا ہوتا ہے تو پھر پانی کی چھالیں پہاڑوں کی اونچائی جتنی بلند ہو
جاتی ہیں اور لانچوں پر آ گرتی ہے اس طرح لانچیں خوفناک حد تک تباہی
سے دوچار ہوتی ہیں۔"

"اللہ مالک ہے... ہمارے لیے کیا ہدایت ہے... بس یہ

بتادیں۔"

"آپ سب لوگ سیدھے اس جزیرے پر چلے جائیں... روبوٹ آپ کے پیچھے ہے... فکر نہ کریں... جزیرے پر آپ کے ساتھ رہے گا... آپ کا دل بھلائے گا... آپ کے کام آئے گا... ہمیں آپ کا بہت خیال ہے، اس لیے روبوٹ کو ساتھ چھوڑے جا رہے ہیں... اس کے ذریعے ہم آپ کے ملک کے ساحل سے اتنے فاصلے پر تو آ ہی گئے ہیں کہ آپ تیر کر ساحل تک نہیں جا سکتے، یہ ناممکن ہے... اور اس طرف کوئی آئے گا نہیں... لہٰذا آپ لوگوں کی زندگی اسی جزیرے پر تمام ہوگی... بہت سوچ سمجھ کر اس جزیرے کا انتخاب کیا گیا ہے... یوں ہم اسی وقت آپ سب کو ختم کر سکتے ہیں... دیکھ لیں... کوئی مشکل نہیں... اس وقت بھی آپ سب ہماری زد پر ہیں... لیکن اس طرح فوری طور پر ہلاک کر دیا تو ہمیں مزا نہیں آئے گا... آپ لوگوں سے تو ہمیں جنم جنم کے بدلے لینے ہیں۔"

"اچھی بات ہے... جانے سے پہلے ایک بات بتا دیں۔"

"ہاں... پوچھیں۔" شنگ نے ہنس کر کہا۔

"نواب صاحب... ان کی بیگم اور ان کی بیٹی کہاں ہیں؟"

"وہ ہمارے ساتھ ہیں... انھیں جزیرے پر آپ لوگوں کے

ساتھ نہیں چھوڑا جا سکتا ہے... ان کے ذریعے تو ابھی ہمیں بہت کام لینا ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ وہ تینوں ہمارے قبضے میں ہوں گے... ریاست میں جب ان کی جگہ خالی ہو جائے گی تو ظاہر ہے... ان کے بیٹے کو واپس آنا پڑے گا... وہ آکر ریاست کا کام سنبھالے گا... تو ہم اس سے جو کام چاہیں گے، لے سکیں گے... اس طرح پوری ریاست ایک طرح سے ہمارے ہاتھ میں ہوگی... اور یہی ہمارا منصوبہ ہے... یا آپ بے شک سازش کہہ لیں... ماں باپ اور بہن ہمارے قبضے میں ہوں گی... ادھر یہ تینوں تڑپیں گے اور ریاست کا کنٹرول بھی ہمارے ہاتھوں میں ہوگا... کیوں کیسی رہی۔"

"لیکن مسٹر شنگ آپ یہ ظلم کیوں ڈھانا چاہتے ہیں... آپ کو کیا ملے گا اس طرح۔"

"یہ ظلم نہیں... تم لوگوں سے بدلہ ہے... تم نے ہمارے جاسوسوں پر کیا کم ظلم ڈھائے ہیں۔"

"آپ اسے ظلم کہہ لیں... لیکن ہم نے تو اپنے ملک کو ان سے بچایا ہے۔"

''بس تو پھر ... اب ہم آپ لوگوں سے اپنے ملکوں کو بچانا چاہتے ہیں۔''

''آپ کی مرضی مسٹر شنگ ... ہم لوگ ان الفاظ کو آپ کی طرف سے اعلان جنگ خیال کریں گے اور آپ پر وار کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیں گے۔''

''اب آپ لوگ کچھ نہیں کر سکیں گے ... ایک آدھ دن ہی میں آپ کو اپنی بے بسی کا اندازہ ہو جائے گا۔''

''اللہ اپنا رحم فرمائے۔'' ان کے منہ سے نکلا۔

اسی وقت تختہ الٹتا نظر آیا ... پھر لانچ وہاں سے روانہ ہو گئی ... وہ جس طرف سے آئی تھی ... اسی طرف واپس چلی گئی ... روبوٹ ان سے کچھ فاصلے پر ساحل پر کھڑا رہ گیا ... وہ جزیرے میں آگے کی طرف بڑھے ... وہ اس کے درختوں اور خودرو پودوں کو دیکھ رہے تھے ... کوئی پھل دار درخت کوشش کے باوجود انہیں نظر نہ آ سکا ...

''کھانے کے لیے اس جزیرے پر کچھ نہیں ہے ... اور ہمارے پاس خوراک نام کی کوئی چیز نہیں ہے ... ان حالات میں بھلا ہم کیا کریں گے ... ہم کیا کر سکتے ہیں۔''

''مچھلی کا شکار۔'' فرزانہ نے فوراً کہا۔

''بہت خوب! اور مچھلی کا شکار کیا ہاتھوں سے کریں گے۔'' فاروق نے طنزیہ کہا۔

''نہیں ... ایک ترکیب ہے۔'' انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

''حیرت ہے ... آپ نے یہاں بھی ترکیب نکال لی۔'' محمود نے فوراً کہا۔

''کیا کیا جائے... مجبوری ہے۔''

''اور وہ ترکیب کیا ہے ابا جان۔'' فرزانہ نے جلدی سے کہا۔

''حیرت ہے ... آج ترکیب آپ بتا رہے ہیں اور فرزانہ ترکیب پوچھ رہی ہے۔'' فاروق نے منہ بنایا۔

''ایسا بھی ہوتا ہے۔'' پروفیسر داؤد مسکرائے۔

''پہلے ترکیب سن لیتے ہیں۔'' خان رحمان نے گھبرا کر کہا۔

''جی ہاں! کہیں وہی بات نہ ہو جائے ... ناچ نہ جانے آنگن ٹیڑھا۔'' فاروق نے فوراً کہا۔

''یہ یہاں ناچ اور آنگن کہاں سے نکل آئے۔'' خان رحمان نے ہانک لگائی۔

''ان کا کیا ہے ... یہ تو کہیں بھی نکل آتے ہیں ... بس محاورات کی سوجھ بوجھ ہونی چاہیے۔'' پروفیسر مسکرائے۔

"آپ ترکیب بتا رہے تھے۔"

"اس کے لیے ہمیں محنت کرنی پڑے گی ... محمود کے چاقو سے کام لینا پڑے گا ... یہ روبوٹ بھائی تو ہماری مدد کریں گے نہیں ... یہ تو بس ہماری نگرانی کرنے کے لیے یہاں چھوڑے گئے ہیں ... اور بس ... ترکیب یہ ہے کہ ہمیں سمندر سے ایک نہر نکال کر جزیرے تک لانی پڑے گی ... اس نہر کو آگے لے جا کر پھر سمندر ہی میں ڈالنا پڑے گا ... اب ہوگا یہ کہ ایک طرف سے سمندر کا پانی نہر میں آنا شروع ہوگا اور دوسری طرف سے نکل جائے گا ... اس پانی میں ظاہر ہے مچھلیاں بھی آئیں گی ... بڑی تو شاید نہ آسکیں ... چھوٹی موٹی آئیں گی ... لیکن ہمارا کام چل جائے گا ... اور یہ کام ہمیں شروع بھی فوراً ہی کرنا پڑے گا... کیونکہ ہمارے پاس کھانے کے لیے کچھ نہیں ہے۔"

"اور پینے کے لیے بھی تو نہیں ہے جمشید ... سمندر کا پانی پیا نہیں جا سکتا ... اسے پہلے صاف کرنا پڑے گا اور صاف کرنے کا کوئی ذریعہ ہمارے پاس ہے نہیں۔"

"ہاں! پانی کا مسئلہ ٹیڑھا ہے ... آگ تو ہم جلا لیں گے ... اس پر مچھلیاں بھی بھون لیں گے ... لیکن پانی صاف کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔" خان رحمان نے پریشانی کے عالم میں کہا۔

"ہے۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"وہ کیا۔"

"بارش کی دعا ... اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں ... وہ بارش برسا دے تو پیاس کا انتظام ہو سکتا ہے۔"

"اچھی بات ہے جمشید ... سمندر کے پانی سے وضو کر کے نماز پڑھتے ہیں اور پھر سب مل کر دعا کرتے ہیں ... ویسے ابھی ہم نے اس جزیرے کا مکمل طور پر جائزہ نہیں لیا ... ہو سکتا ہے ... کچھ درخت پھل دار ہوں ... یا ناریل کے ہوں ... ان کا پانی کام آسکتا ہے۔"

"تو پہلے سارا جزیرہ دیکھ لیتے ہیں۔"

"یہ ٹھیک رہے گا۔"

وہ جزیرے میں گھومنے لگے ... جزیرہ کافی بڑا تھا ... روبوٹ ان کے ساتھ ساتھ تھا ... اس نے ان پر حملہ کرنے کی کوشش نہیں کی ... ایسا لگتا تھا جیسے جزیرے پر آنے کے بعد وہ ان کا دوست بن گیا ہو۔

وہ درختوں کا جائزہ لیتے رہے اور آخر ایک جگہ انھیں ناریل کے چند درخت نظر آگئے ... ان کی تو باچھیں کھل گئیں ... درختوں سے ناریل توڑ کر گرا لینا ان کے لیے ذرا بھی مشکل کام نہیں تھا ... وہ تو پہلے ہی درختوں پر چڑھنے کے ماہر تھے ... محمود کا چاقو اس سلسلے میں

اور زیادہ مدد گار ثابت ہوا اور انہوں نے تھوڑی ہی دیر میں ناریل ہی ناریل گرا لیے ... اور ناریل کھانے کے کام بھی آسکتا تھا اور پینے کے بھی ... پھر بھی انہوں نے مچھلیاں پکڑنے کی ترکیب بھی شروع کر دی ... چاقو کی مدد سے لکڑیوں کی کدالیں بنائی گئیں ... ان سے زمین کھودی گئی ... زمین ریت والی تھی ، بہت نرم تھی ... آسانی سے کھدتی چلی گئی ... وہ ایک نیم دائرے کی شکل میں نہر بناتے گئے ... یہاں تک کہ نہر دوسری طرف سمندر سے جا ملی ... اب انہوں نے پانی کھول دیا ... نہر میں پانی آنے لگا ... وہ یہ دیکھ کر بہت خوش ہوئے ... اس کام میں ان سب نے برابر کا حصہ لیا تھا اور کئی گھنٹوں کی مدد کے بعد یہ نہر بن سکی تھی ... بس انسپکٹر جمشید اور خان رحمان نے کام نہیں کیا تھا ... کیونکہ ان کے بازو ابھی تک شدید حالت میں تھے... اور کبھی کبھی ان میں سے خون رسنے لگتا تھا ...

انہوں نے پانی پر نظریں جمادیں ... کافی دیر گزر گئی ... لیکن مچھلیاں آتی نظر نہ آئیں ... انسپکٹر جمشید سوچ میں پڑ گئے ... اچانک انھیں خیال آیا ... وہ اچھل پڑے ...

''وہ مارا ۔'' ان کے منہ سے نکلا ۔

☆☆☆☆☆

مچھلی کا شکار

''اللہ کا شکر ہے ، آپ نے کچھ مارا تو ... ورنہ ہم تو سمجھے تھے ، اس بار کوئی چیز نہیں ماری جائے گی ۔''

''فاروق نے خوش ہو کر کہا ، اس کی بات سن کر وہ مسکرا دیے ۔

''ہمیں اس نہر کے درمیان میں ایک گڑھا کھودنا ہے ... یعنی جتنی نہر گہری ہے ... اس سے کہیں زیادہ گہرا گڑھا ۔''

''لیکن ابا جان ... اس سے کیا ہوگا ۔'' فرزانہ کے لہجے میں حیرت تھی ۔

''اس سے یہ ہوگا کہ مچھلیاں آکر اس گڑھے میں گریں گی ... سمندر کی طرف سے آنے والے پانی کو ہم روک دیں گے اور گڑھے کے دوسری طرف والے پانی کو آگے جانے دیں گے ... اب گڑھے میں تھوڑا بہت پانی رہ جائے گا ... اور ہم آسانی سے مچھلیوں کو پکڑ لیں گے ۔''

''اگر واقعی ایسا ہو جاتا ہے تو پھر یہ ترکیب بہت شان دار ہے ... لیکن لگتا نہیں کہ ایسا ہو گا۔'' خان رحمان نے خیال ظاہر کیا۔

''تجربہ کرنے میں کیا حرج ہے۔''

''ٹھیک ہے۔''

انہوں نے سمندر سے آنے والے پانی کو ریت کا ایک تودہ بنا کر روک دیا ... پھر گڑھا کھودنے لگے ... جلد ہی گڑھا تیار ہو گیا ... اب انہوں نے سمندر والا پانی کھول دیا ... پانی آنا شروع ہوا ... اب پہلے پانی گڑھے میں گرتا، پھر آگے بڑھ جاتا ... کچھ دیر کے انتظار کے بعد انہوں نے پھر ریت کے تودے کے ذریعے سمندر سے آنے والا پانی روک دیا ... ایسا کرنے سے کچھ دیر تو گڑھے پر سے پانی گزرتا رہا ... پھر پانی آگے جانے سے رک گیا اور گڑھے میں رہ گیا ... اب آگے جانے کا سلسلہ رک گیا ... مزید احتیاط انہوں نے یہ کی کہ گڑھے کے دوسری طرف بھی ریت کا تودہ بنا دیا ... اس طرح گڑھے کا پانی دونوں طرف سے گھر گیا اور گڑھے میں قید ہو کر رہ گیا۔

''اب اگر اس پانی کے ساتھ مچھلیاں آئی تھیں تو وہ گڑھے میں رہیں گی ... آگے نہیں جا سکیں گی۔''

''بہت خوب! لیکن اس گڑھے کے پانی میں سے مچھلیاں کیسے

نکالیں ... وہ تو ہمارے ہاتھوں سے پھسل جائیں گی۔''

''پیالوں کے ذریعے گڑھے میں سے پانی نکالنے کا عمل شروع کر دو۔'' انسپکٹر جمشید نے کہا۔

''جی ... پیالے ... پیالے یہاں کہاں؟'' فاروق نے بوکھلا کر کہا۔

''عجیب احمق ہے۔''

''ہمیں آپ کی بات سے پورا پورا اتفاق ہے ابا جان۔'' محمود نے فوراً کہا۔

''کک ... کون سی بات سے۔'' انسپکٹر جمشید بوکھلا اٹھے۔

''اس بات سے ... کہ فاروق عجیب احمق ہے۔''

''د ... دیکھا آپ نے؟'' فاروق جھلا اٹھا۔

''دیکھا نہیں سنا ... بھئی ... ہمارے پاس پیالے موجود ہیں ... ناریلوں کے پیالے۔'' وہ بھرپور انداز میں مسکرائے۔

''اوہ!'' ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

اور پھر ان سب نے ان پیالوں سے پانی نکالنے کا کام شروع کر دیا ... گڑھے کا پانی کم ہوتا چلا گیا ... یہاں تک کہ گڑھے کی تہہ میں کچھ پانی رہ گیا ... اور تہہ میں انہیں مچھلیاں پھدکتی نظر آگئیں ... اب

ان مچھلیوں کو پکڑنا بہت آسان تھا ... وہ انھیں ہاتھوں سے پکڑ پکڑ کر
ریت میں اچھالتے رہے ... ریت پر گرنے والی مچھلیاں تڑپ تڑپ
ساکن ہونے لگیں ... اس طرح انہوں نے بہت سی مچھلیاں جمع کر لیں
... باقی گڑھے میں ہی رہنے دیں اور اتنا پانی کھول دیا کہ گڑھا بھر
جائے اور مچھلیاں اس پانی میں زندہ رہیں ...

''اب پھر ایک سوال پیدا ہو گیا۔'' فرزانہ کی آواز سنائی دی۔

''اور وہ کیا۔''

''ان مچھلیوں کو بھونیں کیسے۔''

''یہ کیا مشکل ہے .... ہمارے پاس محمود کا چاقو موجود ہے ...
درختوں سے خشک لکڑیاں کاٹ سکتے ہیں ... فاروق کے لائٹر سے ان
لکڑیوں کو آگ دکھانا کچھ بھی مشکل نہیں۔''

''اور کیا ہاتھوں میں پکڑ کر انھیں آگ پر رکھیں گے۔''

''نہیں ... درختوں کی شاخوں میں پرو کر آگ پر لگائیں گے ...
لوہے کی سلاخیں ہمارے پاس نہیں ہے ... نہ سہی ... لکڑیوں کی
سلاخوں سے بھی کام چلایا جا سکتا ہے۔'' انسپکٹر جمشید نے منہ بنایا۔

''لیکن کیسے ابا جان ... لکڑی تو آگ سے جل جائے گی۔''

''ہم مچھلیوں کو اس طرح پروئیں گے کہ سلاخ کے درمیان میں

جگہ نہیں رہے گی ... اس طرح دونوں طرف سے پکڑ کر لکڑی کو آگ
کے اوپر کر لیا جائے گا اور اسے گھمانے کا عمل جاری رکھا جائے گا ...
جیسا کہ وحشی قبائل ہرن وغیرہ کو بھون لیتے تھے ...''

''اوہ ... بالکل ٹھیک۔''

انہوں نے چاقو کی مدد سے خشک لکڑیاں درختوں سے کاٹیں ...
پتے وغیرہ ان کے نیچے لگائے اور لائٹر سے ان پتوں کو اور باریک تنکوں
کو آگ لگا دی ... دیکھتے ہی دیکھتے لکڑیوں نے آگ پکڑ لی ... لکڑیاں
انہوں نے پہلے ہی بہت ڈھیر کر لی تھیں ... لکڑیوں کی سلاخیں وہ پہلے
ہی تیار کر چکے تھے ... ان میں مچھلیاں پروئی گئیں ... لکڑی کو دونوں
طرف سے پکڑ لیا گیا ... اور اب اس کا درمیانی حصہ آگ کے اوپر تھا
اور وہ اس کو آہستہ آہستہ گھما رہے تھے ... آخر آگ مچھلیوں کو پکانے لگی
... اور آگ کے شعلے تیز ہوا کی وجہ سے ایک طرف کو جھکنے لگے ...

فرزانہ کی نظریں ایک سمت میں اٹھیں تو اسے کچھ حیرت سی ہوئی، اس نے
غیر محسوس طور پر جلتی ہوئی ایک لکڑی اٹھائی اور کچھ دور پھینک دی ...
ایسا کرتے ہی اس کی آنکھوں میں چمک بڑھ گئی ... پھر اس نے نظر
پھیری اور مچھلی کی طرف متوجہ ہو گئی:

'' کیا ہم اس جزیرے سے زندہ سلامت اپنے گھر جا سکیں گے ابا

جان؟ اس نے سرسری انداز میں کہا۔

"ہاں ان شاء اللہ!" ان کی آواز سنائی دی... انھوں نے فرزانہ کی طرف دیکھا تو انھیں اس کی آنکھوں میں کوئی بات نظر آئی... ادھر فرزانہ نے کہا۔

"کک... کہیں آگ بجھ نہ جائے... ہمارے پاس لائٹر میں پٹرول بھی کم ہے... اس سے ہم کتنے دنوں تک آگ جلا سکیں گے بھلا... لہٰذا کیوں نہ اور لکڑیاں لگا دی جائیں تاکہ آگ مسلسل جلتی رہے اور بجھے نہ۔" یہ کہتے وقت فرزانہ نے بہت ہلکا سا اشارہ کیا۔

"ٹھیک کہتی ہو فرزانہ... ہم اور لکڑیاں ان لکڑیوں کے ساتھ لگا دیتے ہیں۔"

تو پھر کھانا تو ہم کھا ہی چکے ہیں... پہلے یہی کام کیوں نہ کر لیا۔"

"کھانے کے بعد کچھ دیر آرام ضروری ہے... اس لیے پہلے آرام کرنا چاہیے۔" محمود نے انداز کو گھورتے ہوئے کہا۔

"بالکل ٹھیک محمود... تم نے میرے دل کی بات کہی... ہم پہلے آرام کریں گے... پھر کوئی کام... آگ کہیں بھاگی نہیں جا رہی... ابھی تو بہت کوئلے موجود ہیں... جو سلگ رہے ہیں اور لکڑیاں بھی ابھی

جل رہی ہیں۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو فاروق۔" خان رحمان کی آواز سنائی دی۔

"لیکن... میں فرزانہ کے ساتھ ہوں... اور آرام سے پہلے اور لکڑیاں لگانا چاہتا ہوں۔" انسپکٹر جمشید پکار اٹھے۔

"تم نے ٹھیک کہا جمشید... میں بھی تمھارا ہم خیال ہوں۔" پروفیسر داؤد مسکرائے۔

"یہ اچھی بات ہے۔" انسپکٹر جمشید خوش ہو گئے۔

"ہائیں... جمشید... تم اس بات سے خوش ہو رہے ہو... اگر یہی بات ہے تو پھر تو میں بھی تمھارا ساتھ دوں گا۔" خان رحمان نے فوراً کہا۔

"رہ گئے بے چارے محمود اور فاروق۔" فرزانہ ہنسی۔

اس کی ہنسی عجیب سی تھی... دونوں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا... اور پھر حیران رہ گئے... وہ آنکھ سے انھیں ایک خاص اشارہ کر رہی تھی... اس اشارے کا مطلب یہ تھا کہ اس وقت وہی کرو... جو میں کہہ رہی ہوں... اسی میں ہماری بھلائی ہے... یہ بات محسوس کرتے ہوئے محمود نے جھلاتے ہوئے انداز میں کہا۔

"حد ہے فرزانہ... تمھیں تو بس جو سوجھ گئی... سوجھ گئی... لو

... میں بھی تیار ہوں ۔"

"اب میں لیٹ کر کیا ریت پھانکوں گا ..." فاروق نے منہ بنایا اور پھر سب کے سب لکڑیاں کاٹ کاٹ کر ان کے سرے آگ میں لگانے لگے ... اس طرح انہوں نے کافی لمبے سائز کی لکڑیاں آگ میں رکھ دیں ... جلد ہی وہ بہت تیزی سے جلنے لگیں ... اچانک انسپکٹر جمشید نے ایک تیزی سے جلتی ہوئی لکڑی اٹھا لی ... ساتھ ہی فرزانہ نے اٹھالی ... محمود نے بھی یہی کیا ۔

"ایک ایک لکڑی آپ دونوں بھی اٹھا لیں ۔" انسپکٹر جمشید نے سرد آواز میں کہا ۔

"کیا مطلب ؟" پروفیسر داؤد اور خان رحمان کے منہ سے ایک ساتھ حیرت زدہ انداز میں نکلا ۔

"کس بات کا مطلب بتاؤں ... آسان الفاظ میں بات کی ہے میں نے تو ۔" انہوں نے گویا برا مان کر کہا ۔

دونوں ان کے اس انداز کو بہت اچھی طرح سمجھتے تھے ... انہوں نے بھی فوراً ایک ایک لکڑی اٹھا لی ۔

"بہت خوب ... اب چار طرف سے ... میرا مطلب ہے ... ہم پانچ ہیں ... لہذا پانچ طرف سے روبوٹ کی طرف بڑھو ۔"

"کیا مطلب ؟" خان رحمان دھک سے رہ گئے ۔

"ہاں انکل ... یہ روبوٹ آگ سے ڈرتا ہے ... مچھلی بھونتے وقت میں نے یہ بات صاف محسوس کی تھی ۔"

"ارے ... کیا واقعی ۔" خان رحمان چلائے ۔

"وہ مارا ۔" فاروق اور محمود نے گویا نعرہ لگایا ۔

اب وہ دائرے کی صورت میں روبوٹ کی طرف بڑھے ... اسی وقت اس کے بلب جلنے بجھنے لگے ... وہ ایک سمت میں دوڑ پڑا ... انسپکٹر جمشید نے دو تین لمبی چھلانگیں لگائیں اور اس کے سامنے آگئے ... انہوں نے جلتی ہوئی لکڑی اس کی طرف کر دی ... وہ بھڑک کر پلٹا ... ادھر خان رحمان کی لکڑی تیار تھی ... ان کی طرف سے مڑا تو محمود اس کے سامنے موجود تھا ... اس کے ساتھ ہی فاروق اور فرزانہ تھے ... گویا جلتی لکڑیاں اس کے ہر طرف موجود تھیں ... ان حالات میں وہ اونچا اچھلا اور ان کے دائرے سے نکل گیا ... پھر ایک سمت میں بھاگ کھڑا ہوا ...

انہوں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ ... اس کے پیچھے دوڑ پڑے ... لیکن فوراً ہی انہوں نے جان لیا ... اس کی رفتار ان سے بہت تیز تھی ... یہ دیکھ کر وہ دھک سے رہ گئے ... وہ ان سے کافی دور جا چکا تھا اور

درمیانی فاصلہ برابر بڑھ رہا تھا... یہ بات محسوس کرتے ہی انسپکٹر جمشید نے لمبی لمبی چھلانگیں لگائیں... لیکن اس تک نہ پہنچ سکے... آخر پروفیسر داؤد کی آواز سنائی دی۔

"رک جاؤ جمشید... ہمیں کیا ضرورت ہے خود کو تھکانے کی۔"

"جی... کیا مطلب۔"

"یہ جزیرے سے بھاگ کر جائے گا کہاں۔ تیر تو یہ سکتا نہیں... لہذا ہم اسے گھیر لینے کی ترکیب سوچتے ہیں۔"

"ایک بات طے ہو گئی... اب یہ ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا..." خان رحمان نے خوش ہو کر کہا۔

"بالکل۔"

"یا اللہ تیرا شکر ہے۔"

"اب سوال یہ ہے کہ جزیرہ اتنا چھوٹا نہیں ہے... ہم اسے گھیریں گے کیسے؟"

"فرزانہ یہ تم بتاؤ گی۔"

"جی... جی اچھا۔" اس نے کہا اور سوچ میں ڈوب گئی... باقی سوچنے لگے... آخر فرزانہ نے ہی سب سے پہلے سر اوپر اٹھایا۔

"میں وہ ترکیب آپ کے کان میں بتا سکتی ہوں۔"

"ٹھیک ہے..."

فرزانہ نے اپنا منہ ان کے کان سے لگا دیا... انہوں نے سن کر اس کی کمر پر تھپکی دی... گویا انہیں اس کی ترکیب پسند آگئی تھی... اب فرزانہ نے محمود اور فاروق کے کان میں ترکیب بتائی اور انسپکٹر جمشید نے خان رحمان اور پروفیسر کے کان میں بتائی... انہوں نے بھی سر ہلا دیے... اس کے بعد وہ رات بھر مصروف رہے... آسمان پر چاند نکلا ہوا تھا... انہوں نے اس کی روشنی میں اپنا کام کیا... رات کے آخری پہر کام مکمل ہوا تو وہ بری طرح تھک چکے تھے... اب انہوں نے آرام کرنے کی ٹھانی... ایک کو جاگ کر پہرہ دینے کا فیصلہ ہوا... اس پر انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"میں جاگوں گا۔"

"نہیں جمشید... میں جاگوں گا۔"

"تم دونوں تو پہلے ہی زخمی ہو... آرام سے سو جاؤ... جاگ میں لوں گا... ویسے بھی مجھے یہاں نیند نہیں آئے گی۔"

"اچھی بات ہے... اگر روبوٹ آتا نظر آیا تو ہمیں فوراً جگا دیجیے گا۔"

"اچھی بات ہے۔" انہوں نے سر ہلا دیا۔

اور وہ سونے کے لیے لیٹ گئے ... آج انھیں ریت پر سونا تھا... لیکن یہ کوئی پہلی بار نہیں تھا... ان کی زندگی میں تو نہ جانے کیسے کیسے لمحات آتے رہے تھے ... تھکن کی وجہ سے انھیں جلد ہی نیند نے آلیا... پروفیسر داؤد البتہ جاگتے رہے... فجر سے کچھ پہلے ان کی بھی آنکھ لگ گئی ... اور انھیں کوئی ہوش نہ رہا... آنکھ کھلی تو سورج سر پر تھا اور ان کی نماز قضا ہو چکی تھی ... انہوں نے جلدی جلدی نماز ادا کی ...

''تو روبوٹ صاحب ادھر نہیں آئے۔''

''نہیں ... کم ازکم جب تک میں جاگتا رہا... اس وقت تک تو نہیں آئے تھے۔'' پروفیسر داؤد نے فوراً کہا۔

انہوں نے آس پاس کی زمین کا جائزہ لیا... روبوٹ کے قدموں کے نشانات کہیں بھی نظر نہ آئے ... اب پہلے انہوں نے مچھلیوں کا ناشتا کیا... ناریلوں کا پانی پیا... پھر نکل گئے روبوٹ کی تلاش میں ... انہوں نے سارا جزیرہ گھوم مارا... لیکن روبوٹ صاحب کہیں نظر نہ آئے...

''یا اللہ! ہمارے پیارے روبوٹ کو زمین کھا گئی یا آسمان نگل گیا۔'' فاروق نے پہلے زمین کی طرف پھر آسمان کی طرف دیکھا۔

''پوچھ لیتے ہیں۔'' انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

''کیا پوچھ لیتے ہیں ... کس سے پوچھ لیتے ہیں۔'' پروفیسر داؤد نے بے خیالی کے عالم میں کہا۔

''زمین اور آسمان سے ... روبوٹ کے بارے میں۔'' انسپکٹر جمشید نے۔

''اس کا مطلب ہے ... روبوٹ صاحب فرار ہو گئے۔''

''لیکن کیسے؟''

''دیکھنا پڑے گا۔''

''تو دیکھیں پھر۔'' فرزانہ نے بے چین ہو کر کہا۔

اب انہوں نے پھر سے پورے جزیرے کا جائزہ لیا ... لیکن جزیرے پر روبوٹ کے قدموں کے نشانات پوری کوشش کے باوجود کہیں بھی نظر نہ آئے۔

''حیرت ہے ... کیا وہ ہوا میں اڑ گیا۔'' فرزانہ کی آواز سنائی دی۔

''ہرگز نہیں ... اگر اس میں ہوا میں اڑنے کی طاقت ہوتی تو وہ میدان چھوڑ کر نہ جاتا ... اس صورت میں تو اسے آگ سے بھی کوئی خطرہ نہ ہوتا۔''

''تب پھر آپ ہی بتائیں ... وہ کہاں چلا گیا ... پانی میں تو وہ

اتر نہیں سکتا تھا ... کیونکہ وہ لکڑی کا بنا ہوا نہیں ہے ... لوہے کا ... اور لوہا پانی میں تیر نہیں سکتا۔''

''تب پھر ... سوال یہ ہے کہ وہ گیا کہاں؟''

''شاید ... ابھی ہم اس سوال کا جواب نہیں دے سکتے ... اس میں سیدھی سی بات تو یہ ہے کہ روبوٹ خود کار تو ہوتے نہیں ... جس سائنس دان نے اسے تیار کیا ہے ... اس کا کنٹرول بھی اس کے پاس ہے ... اور وہ اپنے مرکز میں بیٹھ کر اسے کنٹرول کر رہا تھا ... جب اس نے دیکھا کہ ہم نے آگ والا علاج دریافت کر لیا ہے ... اور روبوٹ کے تباہ ہونے کا خطرہ پیدا ہو گیا ہے ... تو اس نے اسے کسی طرح غائب کر دیا ... ارے ہاں ... اس بات کا امکان ہے ...'' جملے کا آخری حصہ انہوں نے چونک کر کہا۔

''جی ... کس بات کا؟'' وہ ایک ساتھ بولے۔

''اس بات کا کہ رات کو جب ہم سو گئے تو کسی دوسرے کنارے پر کوئی لانچ آئی اور روبوٹ کو اس پر لے کر چلتی بنی ... غور کا مقام ہے ... جو لوگ اسے لانچ پر یہاں تک لا سکتے ہیں ... وہ یہاں سے لے جا بھی سکتے ہیں ... باقی رہی یہ بات کہ جزیرے پر کہیں اس کے پیروں کے نشانات نہیں ملے ... تو زمین ریتیلی ہے ... ہوا سے نشانات

مٹ جاتے ہیں۔''

''بات دل کو لگتی ہے جمشید ... چلو ... اس طرح روبوٹ سے تو نجات ملی ... اب یہاں سے واپسی کی کوئی تدبیر کرنی چاہیے۔'' پروفیسر داؤد نے پریشانی کے عالم میں کہا۔

''میں بتاتا ہوں ... آپ پریشان نہ ہوں ... اللہ نے چاہا تو ہم یہاں سے جا سکیں گے ... ہمیں اس آگ کو مسلسل جلانا ہے ... خوب دھواں اٹھانا ... اس طرح کافی فاصلے پر جانے والے جہاز بھی دھوئیں کو دیکھ کر مدد کے لیے آ سکتے ہیں ... دوسری بات ... ہم ایک کشتی تیار کر سکتے ہیں۔''

''کشتی ... کیا کہہ رہے ہو جمشید ... بھلا ہم کشتی ... کس طرح تیار کر سکتے ہیں ... ہمارے پاس کشتی تیار کرنے کے اوزار کہاں ہیں۔''

''ہمارے پاس محمود کا چاقو ہے ... جزیرے پر درخت ہیں ... ان درختوں سے تختے کاٹے جا سکتے ہیں۔'' انہوں نے بتایا۔

''کیا بات کرتے ہو جمشید ... کشتی کے لیے کیلوں کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔''

''ہاں ہوتی ہے ... ہم چاقو کی مدد سے کیلیں بھی تیار کریں گے۔''

"آج تمہارا دماغ ضرور چل گیا ہے ... چاقو سے کیلیں تیار کرو گے ... اور لوہا کہاں سے آئے گا ... کیلوں کے لیے ۔"

"کیلیں ... لکڑی کی بنائیں گے ... جب ہم اس جزیرے کا غور سے جائزہ لے رہے تھے ... یعنی پھل دار درختوں کی تلاش میں نکلے تھے ... تو اس وقت میں نے کچھ ایسے درخت بھی دیکھے تھے ... جن سے گوند ٹپک رہا تھا ... جب ہم لکڑی کی کیلیں اس گوند سے لگائیں گے ... تو وہ لوہے کی کیلوں جیسا کام کریں گی ... اور کچھ نہیں تو ہمیں ساحل تک تو لے ہی جائیں گی۔"

"ہوں ... اس جزیرے پر سسک کر مرنے سے تو پھر یہی بہتر ہے کہ یہ تجربہ کر لیا جائے ۔"

"بالکل ٹھیک ... ہم یہ کام کریں گے ... یوں بھی اس جزیرے پر ہمیں کوئی اور کام تو ہے نہیں ... تو کشتی کیوں نہ بنائیں ۔"

"ہم ... کشتی بنائیں گے ۔" سب نے ایک زبان ہو کر کہا ۔

اسی وقت انہوں نے کشتی کی تیاری شروع کر دی ... ان کے پاس اگر محمود کا چاقو نہ ہوتا تو وہ یہ کام نہیں کر سکتے تھے ... لیکن چاقو نے ان کا کام آسان کر دیا تھا ۔

پہلے چاقو سے لکڑی کے تختے کاٹنے کا کام شروع کیا گیا ... یہ

کوئی آسان کام نہیں تھا ... آری اور رندہ ان کے پاس ہوتا تب بھی یہ کام کسی حد تک آسان ہوتا لیکن صرف ایک چاقو کی مدد سے یہ سارا کام کرنا بہت مشکل تھا ... لیکن وہ کر ہی کیا سکتے تھے ... شروع ہو گئے ...

"مجھے حضرت نوح علیہ السلام یاد آ رہے ہیں ... دنیا میں سب سے پہلے انہوں نے کشتی بنائی تھی اور انہیں بھی کشتی بنانے کا طریقہ اللہ تعالی نے بتایا تھا ... جب کشتی تیار ہو گئی تو آپ کو اللہ تعالی نے حکم دیا تھا ۔ کشتی میں اپنے گھر والوں کو اور ان لوگوں کو سوار کر لیں جو آپ پر ایمان لا چکے ہیں ... اور تمام جان داروں ... یعنی جانوروں کا ایک ایک جوڑا بھی کشتی میں رکھ لیں ... یہ حکم اس لیے دیا گیا تھا کہ دنیا میں تمام جان داروں کی نسلیں نہ ختم ہو جائیں ... اس کے بعد طوفان آنا شروع ہوا یعنی اللہ کا عذاب ... پانی زمین کے نیچے سے نکل کر ابلنے لگا ... تنور تک ابلنے لگے ... آسمان سے موسلا دھار بارش شروع ہوئی ... اور مسلسل بارش جاری رہی ... یہاں تک کہ پانی پہاڑوں کی بلندی کو چھونے لگا ... ایسے میں حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹے سے کہا ... اے میرے بیٹے ... تو ایمان لے آ ... اور کشتی پر آ جا ... تو اس طوفان سے بچ جائے گا ... آپ کا بیٹا آپ پر ایمان نہیں لایا تھا ، اس لیے اس

خوفناک وقت میں انہوں نے کوشش کی کہ ان کا بیٹا بھی مسلمان ہو جائے اور غرق ہونے سے بچ جائے ... لیکن بیٹا نہ مانا ... آپ نے اس سے کہا بھی کہ کشتی پر آجاؤ ... ورنہ غرق ہو جاؤ گے، اس نے جواب دیا میں پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ جاؤں گا ... بیٹے کے نہ ماننے کے باوجود حضرت نوح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ اے اللہ! یہ میرا بیٹا ہے ... اسے بچا لے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ...

''اے نوح! یہ تیرا بیٹا نہیں۔''

اللہ تعالیٰ کے یہ فرمانے کا مطلب یہ ہے کہ جو تجھ پر ایمان نہیں لایا ... وہ تیرے اہل وعیال میں سے نہیں ... اس طرح پانی چوٹیوں کے بھی اوپر چلا گیا ... سب غرق ہو گئے ... صرف کشتی پر سوار انسان اور جانور بچ سکے ... پھر اللہ تعالیٰ نے زمین کو حکم فرمایا کہ پانی نگل جا ... زمین نے پانی کو نگل لیا اور کشتی زمین سے آ لگی اور پھر سے دنیا آباد ہونا شروع ہوئی ... کہنے کا مطلب یہ کہ آج ہمیں یہ کشتی بنانی پڑ رہی ہے ... تو حضرت نوح علیہ السلام کا کشتی بنانا یاد آ گیا ...

''اللہ نے چاہا تو ہم بھی کشتی بنا ہی لیں گے۔''

''اور ادھر ہمیں آگ کا بھی دھیان رکھنا ہے ... تاکہ وہ بجھ نہ جائے ... جزیرے سے ہر وقت دھواں جاری رہنا چاہیے ... اس طرح

کسی جہاز کے آنے کا امکان بن سکتا ہے۔''

''ٹھیک ہے جمشید ... فکر نہ کرو۔''

کشتی کی تیاری جاری رہی ... انہوں نے گوند والے درختوں سے گوند حاصل کر لیا تھا ... لکڑی کی کیلیں تیار کی گئی تھیں ... آخر تختے سے تختہ جوڑنے کا کام شروع کیا گیا ... وہ سب اس کام میں برابر لگے رہے ... اس طرح پندرہ دن گزر گئے ... یہ پندرہ دن انہوں نے مچھلیاں کھا کر اور ناریلوں کا پانی پی کر بسر کیے تھے ... رات کو ریت پر سوتے اور دن کو کشتی بناتے ... پندرہ دن میں ہی ان کی صحت کافی گر گئی تھی ... کیونکہ ایک طرح کی خوراک کھا کھا کر وہ تنگ آ گئے تھے ... اور مچھلیوں سے ان کا دل بھر گیا تھا ... ناریلوں کا پانی بھی ان سے اب پیا نہیں جاتا تھا ...

پندرہ دن بعد کشتی اس قابل ہو گئی کہ وہ اس میں سفر کر کے اسے آزما سکتے تھے ... چنانچہ انسپکٹر جمشید نے کہا۔

''فی الحال ہم جزیرے کے آس پاس رہ کر کشتی میں بیٹھ کر اور اسے چلا کر دیکھتے ہیں ... اگر یہ مضبوط ثابت ہوئی اور ٹوٹ پھوٹ نہ گئی تو ساحل کی طرف سفر شروع کریں گے۔''

''یہ ٹھیک رہے گا۔''

اور پھر سولہویں دن وہ کشتی کو پانی میں لے آئے ... انسپکٹر جمشید کشتی کو پکڑے رہے ... اور انھیں ایک ایک کر کے چڑھنے کا اشارہ کیا ... جب وہ پانچوں چڑھ گئے تو انسپکٹر جمشید نے بھی اس پر قدم رکھا ... کشتی ذرا سا ڈگمگائی ... لیکن پھر اس کا توازن برقرار ہو گیا ... انسپکٹر جمشید اور خان رحمان نے چپو سنبھال لیے ... انھیں یہ بات اچھی طرح معلوم تھی کہ کشتی بہت کمزور ہے اور کسی بھی وقت اس کے ٹکڑے الگ ہو سکتے ہیں ... لیکن ان کے پاس کوئی دوسرا راستہ بھی تو نہیں تھا ... اس پر جانے کی صورت میں کم از کم انھیں یہ امید تھی کہ شاید کوئی جہاز مل جائے ... اور جہاز والے انھیں سوار کر لیں ... دوسرا خیال یہ تھا کہ شاید راستے میں کہیں کوئی اور جزیرہ مل جائے اور اس میں انھیں کوئی مدد مل جائے ...

انسپکٹر جمشید اور خان رحمان چپو چلاتے رہے ... محمود اور فاروق نے جب ان پر تھکن کے آثار محسوس کیے تو محمود نے کہا۔

''اب چپو ہم چلاتے ہیں ... آپ کو کچھ آرام مل جائے گا۔''

''تم بچے ہو ... چپو چلانا کافی مشکل کام ہے اور اس میں زور بھی بہت لگتا ہے۔'' خان رحمان نے فوراً کہا۔

''آپ ہمیں چلانے تو دیں ... کچھ دیر تو چلائیں گے ہی۔''

''محمود ٹھیک کہہ رہا ہے بھئی۔'' پروفیسر داؤد نے جلدی سے کہا۔

''اچھی بات ہے۔''

اور پھر وہ دونوں چپو چلانے لگے ... جزیرے پر پہنچتے وقت انہوں نے اپنے ملک کے ساحل کی سمت نوٹ کر لی تھی ... اب وہ اسی سمت میں چل رہے تھے ... چھ گھنٹے تک وہ کشتی چلاتے رہے ... یہاں تک کہ دن غروب ہوتا محسوس ہوا ... محمود اور فاروق نے تین گھنٹے تک تو چپو تھکن کے بغیر چلائے تھے ... پھر جب وہ تھکتے نظر آئے تو انسپکٹر جمشید اور خان رحمان نے پھر چپو لے لیے تھے ... ایسے میں اچانک فرزانہ کو کوئی چیز چمکتی نظر آئی ... وہ فوراً اٹھ کھڑی ہو گئی ...

''کیا ہے فرزانہ ... کشتی کا بیلنس بگڑ جائے گا۔''

''فکر نہ کرو ... نہیں بگڑے گا ... مجھے کوئی چیز نظر آئی ہے ... اللہ کرے یہ میرا وہم نہ ہو۔''

''اور وہ کیا چیز تھی۔''

''ایک جہاز کا ستون ... اس پر لہراتا جھنڈا۔''

''اوہ۔'' ان سب کے منہ سے نکلا ... پھر ان کی نظریں بھی اسی سمت جم گئیں ...

''میں دیکھتا ہوں ... محمود تم میرے والا چپو سنبھالو۔''

''جی اچھا۔''

اب وہ کھڑے ہو کر اس سمت میں دیکھنے لگے ... اچانک ان کے منہ سے نکلا۔

''ہاں! واقعی ایک جہاز ہے۔''

''بس تو پھر جمشید ... ہمیں اپنی کشتی کا رخ اس طرف کر لینا چاہیے... معلوم نہیں ... جہاز کا رخ کس طرف ہو۔'' خان رحمان بڑبڑائے۔

''یہ تو ابھی چند منٹ میں معلوم ہو جائے گا۔'' انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

''اوہ ہاں! اگر جہاز کا اوپر والا حصہ زیادہ نظر آتا گیا تو یہ ہماری طرف ہی آرہا ہے... اور کم ہوتا گیا تو مخالف سمت میں جا رہا ہے۔''

''بالکل ٹھیک۔''

ان کی نظریں جہاز کی سمت میں لگی رہیں... یہاں تک کہ اس کا اوپر والا حصہ کافی واضح نظر آنے لگا... اب تو ان پر جوش سوار ہو گیا۔

''اللہ کرے سورج غروب ہونے سے پہلے پہلے یہ ہم تک پہنچ جائے۔'' پروفیسر داؤد نے دعا مانگی۔

''اس کی ترکیب یہ ہے کہ ہم اپنی کشتی جہاز کی طرف لے جاتے ہیں۔''

وہ جوش کے عالم میں کشتی جہاز کی طرف کھینے لگے... اب چونکہ جہاز بھی ان کی طرف آرہا تھا... اس لیے درمیانی فاصلہ پہلے کی نسبت جلد کم ہونے لگا... آدھ گھنٹے بعد وہ جہاز کو صاف طور پر دیکھ رہے تھے ... ادھر جہاز والوں نے بھی اب ان کی کشتی کو دیکھ لیا تھا... ادھر انہوں نے ہاتھ ہلانے شروع کر دیے... جہاز والوں نے بھی ہاتھ ہلا کر انہیں تسلی دی... کہ فکر نہ کرو... ہم آرہے ہیں۔

مزید آدھ گھنٹے بعد جہاز ان کے بالکل قریب آگیا... اب وہ ایک دوسرے سے بات کرنے کے قابل ہو گئے...

''تم لوگ کون ہو... اس کشتی میں کیسے نظر آرہے ہو۔'' جہاز کے عرشے سے کسی نے چلا کر پوچھا۔

''یہ لمبی کہانی ہے... آپ ہمیں جہاز پر آنے دیں... ہماری کہانی سن کر فیصلہ کر لیجیے گا کہ ہمیں آپ اپنے ساتھ لے جا سکتے ہیں یا نہیں۔''

''اچھی بات ہے... تم کشتی... جہاز کی سیڑھی کی طرف لے آؤ... سیڑھی پانی تک پہنچتی ہے... تم آسانی سے اوپر آسکو گے... لیکن

تمھاری کشتی کا کیا کیا جائے ... ویسے یہ عجیب سی بات کشتی ہے ... یہ تمھیں کہاں سے مل گئی۔'' یہ بات ہنس کر کہی گئی۔

''اس کی الگ کہانی ہے ... وہ بھی آپ کو سنا دیتے ہیں ... فی الحال ہم کشتی کو ایک رسی کے ذریعے ساتھ ساتھ رکھ سکتے ہیں ... اس میں ہم نے ایک سوراخ رکھا ہے ... آپ کوئی رسی ہماری طرف اچھال دیں ... اس کا دوسرا سرا اپنے ہاتھ میں رکھیں ... اس طرح ہم رسی کا ایک سرا اس سوراخ سے باندھ دیں گے ... یوں کشتی ضائع ہونے سے بچ جائے گی اور اگر آپ نے ہمیں ساتھ لے جانے کا فیصلہ نہ کیا تو ہم پھر اپنی کشتی میں سوار ہو سکیں گے ... اس صورت میں بھی ہم آپ کا شکریہ ادا کریں گے ... اور جہاز کے کپتان کو ایک عدد تحفہ بھی دیں گے۔''

''تحفہ؟ تم تو خود پریشان حال ہو ... تحفہ کیا دو گے۔''

''یہ تو آنے والا وقت بتائے گا۔''

''اچھی بات ہے ... ہم رسی اچھال رہے ہیں۔''

جلد ہی ان کی طرف ایک رسی اچھال دی گئی ... وہ کشتی میں آنے کی بجائے کچھ فاصلے پر پانی میں گری۔

''اب رسی پکڑنے کے لیے مجھے پانی میں اترنا ہو گا۔'' انسپکٹر

جمشید نے کہا۔

''اس کی کیا ضرورت ہے۔'' فرزانہ نے کہا۔

''کیوں ... ضرورت کیوں نہیں۔''

''کشتی کو چلا کر رسی کی طرف لے چلتے ہیں ... جھک کر رسی کو پکڑ لیں گے۔''

''ٹھیک ہے۔''

اور آخر رسی ان کے ہاتھ میں آ گئی ... انہوں نے کشتی کو اس سے باندھ دیا ... اور جہاز سے نزدیک ہوتے چلے گئے ... پھر سیڑھی کے ذریعے ایک ایک کر کے سب اوپر آ گئے ... کپتان کی وردی میں ایک لمبے قد کا طاقت ور آدمی ان کی طرف بڑھا ... شکل صورت سے وہ انگریز لگ رہا تھا ... اس نے ان سے ہاتھ ملایا ... پھر غور سے ان کی طرف دیکھنے کے بعد بولا۔

''کیا تم لوگ مسلمان ہو۔''

''جی ہاں!''

''کہاں جانا ہے۔''

''پاک لینڈ۔''

''لیکن ہم پاک لینڈ نہیں جا رہے ... اور ہماری معلومات کے

مطابق پاک لینڈ یہاں سے تین دن کے فاصلے پر ہے ... لہٰذا ہم تو اپنی منزل کی طرف ہی جائیں گے۔''

''اور آپ کہاں جا رہے ہیں۔''

''شارجستان ... یہ مال بردار جہاز ہے ... برنان سے مال لے کر شارجستان جا رہے ہیں۔''

''اوہ ...'' ان کے منہ سے مارے پریشانی کے نکلا ... کیونکہ اگر وہ شارجستان کے ساحل پر اترتے تو انہیں فوری طور پر گرفتار کر لیا جاتا ... اور پھر دونوں ملکوں کے درمیان مذاکرات ہوتے ... اس طرح وقت بہت ضائع ہوتا ... جب کہ اپنے ملک میں پہنچ کر بھی انہیں اس کیس پر کام کرنا تھا ... کیس تو ابھی درمیان میں تھا ... ایسے میں خان رحمان پکار اٹھے۔

''ہماری ایک پیش کش ہے۔''

''کیا مطلب ... پیش کش؟'' کپتان کے منہ سے حیرت کے عالم میں نکلا۔

☆☆☆☆☆

ایک فائر ایک چیخ

خود ان کے ساتھی بھی حیران ہو کر ان کی طرف دیکھنے لگے۔

''کیا کہنا چاہتے ہو خان رحمان۔'' انسپکٹر جمشید نے الجھن کے عالم میں کہا۔

''ایک منٹ جمشید۔'' انہوں نے کہا اور کپتان کی طرف مڑے۔

''ہاں تو کیا کہتے ہیں آپ۔''

''تم لوگ کسی پیش کش کے قابل ہو ہی نہیں تو پیش کش کیسے کر سکتے ہو۔''

''آپ اس بات کو چھوڑ دیں ... ہم ثابت کر دیں گے کہ ہم قابل ہیں۔''

''تب پھر پہلے ثابت کرو۔'' کپتان نے منہ بنایا۔

یہ بات چیت انگریزی میں ہو رہی تھی ... سب لوگ ٹکر ٹکر ان کی طرف دیکھ رہے تھے۔

''آپ ہمیں پاک لینڈ کے ساحل کے قریب اتار دیں ... اور ہم سے معقول معاوضہ لے لیں۔''

''معقول معاوضہ ... پاک لینڈ کے قریب اتار دیں ... تم لوگ پاگل تو نہیں ہو۔'' کپتان نے ہنس کر کہا۔

''اللہ کی مہربانی سے ہم پاگل نہیں ہیں۔''

''بلکہ۔'' فاروق نے جلدی سے کہا، پھر فوراً ہی رک گیا ... کیونکہ اسی وقت انسپکٹر جمشید نے اسے گھورا تھا ... وہ سمجھ گئے تھے ... فاروق یہ کہنا چاہتا تھا کہ ہم تو دوسروں کو پاگل کر دیتے ہیں۔

''فاروق چپ رہو ... بڑوں کو بات کرنے دو۔'' محمود نے اسے ڈانٹا۔

''تم کیا کہنا چاہتے ہو ... صاف صاف کہو ... آخر ساحل کے پاس ہم تم لوگوں کو کہاں اتار دیں گے ... ساحل کے پاس تو پانی ہی پانی ہوتا ہے۔''

''ہم پانی میں اتر جائیں گے اور تیر کر ساحل پر چلے جائیں گے۔''

''لیکن جب ہم ساحل کے پاس پہنچیں گے تو آپ کے ملک کی بحری فوج ہمارے جہاز کو گھیر لے گی۔''

''فوج سے ہم خود بات کر لیں گے ... وہ آپ کو نہیں روکیں گے۔'' انسپکٹر جمشید نے کہا۔

''بھلا وہ کیوں تمہیں روکیں گے ... تمہاری بات کیوں مانیں گے ... کیا تم لوگ اپنے ملک کے کوئی خاص لوگ ہو۔''

''ہاں اللہ کی مہربانی سے یہی بات ہے۔''

''اس بات کا ثبوت؟'' کپتان نے کہا۔

''ہم اس بات کا ثبوت دیں گے ... پہلے آپ بات طے کر لیں۔''

''تم لوگ ہمیں کیا دے سکتے ہو۔''

''ایک اچھی بھلی رقم۔''

''تم لوگوں کے پاس رقم نظر تو نہیں آ رہی۔''

''آپ اس بات کو چھوڑیں ... ہم جو کہہ رہے ہیں ... وہ کریں گے۔''

''نہیں کریں گے ... جب ہم تم لوگوں کو ساحل کے پاس پہنچا دیں گے تو تم اپنے ملک کی بحری فوج کو اشارہ کر دو گے کہ جہاز کو گھیر لیا جائے ... اس طرح ہم الٹا پھنس جائیں گے ... پہلے اس بات کا اطمینان دلائیں اور یہ بات بتائیں کہ تم ہمیں واقعی ایک بڑی رقم دیتے

کی پوزیشن میں ہو۔''

''جمشید!'' وہ ان کی طرف مڑے۔

''ہاں خان رحمان۔'' انسپکٹر جمشید مسکرائے... وہ سمجھ گئے تھے کہ وہ کیا کہنا چاہتے ہیں۔

''اب میں ان کا اطمینان کیسے کراؤں۔''

''یہ کام تم میرے ذمے کیوں نہیں ڈال دیتے خان رحمان۔''

''ڈال دیا۔''

''اچھا کیا...'' یہ کہہ کر وہ کپتان اور اس کے ساتھیوں کی طرف مڑے... وہ سب ان پر پہلے ہی نظریں جمائے کھڑے تھے...

''لو دوستو... اب میں آپ لوگوں کا اطمینان کرا دیتا ہوں... ہم لوگ کوئی عام لوگ نہیں ہیں... اپنے ملک میں ہمارا کوئی مقام ہے۔''

یہ کہہ کر انہوں نے ایک خفیہ جیب میں ہاتھ ڈالا اور خصوصی اجازت نامہ نکال کر انہیں دیا... کپتان نے اسے پڑھا اور حیرت سے پلکیں جھپکانے لگا... آخر اس نے کہا:

''آپ لوگ تو بہت خاص لوگ ہیں... لیکن سوال تو یہ ہے کہ آپ ہمیں کیا دے سکتے ہیں۔''

''آپ بتا دیں... اس کام کے کم از کم کتنے ڈالر لینا چاہتے ہیں۔''

''ایک لاکھ ڈالر۔''

''ٹھیک ہے... چلیں... ہمارے ساحل کی طرف۔'' انسپکٹر جمشید نے کہا۔

''ہم اتنے بے وقوف نہیں۔''

''تو پھر کتنے۔'' فاروق نے کہنا چاہا۔

''چپ۔'' انسپکٹر جمشید نے جلدی سے کہا... پھر کپتان سے مخاطب ہوئے۔

''آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔''

''جب ہم آپ کو ساحل پر پہنچا دیں گے تو آپ ہمیں کیوں کچھ دینے لگے... وہاں تو آپ کی حکومت ہو گی... لہٰذا جو دینا ہے... یہاں دیں... پھر ہم آپ کو لے کر جائیں گے۔''

''اس صورت میں آپ بھی تو ہم سے دھوکا کر سکتے ہیں۔'' خان رحمان نے منہ بنایا۔

''تب پھر آپ بتائیں... اس کی کیا صورت ہو سکتی ہے۔'' کپتان نے جل کر کہا۔

وہ سوچ میں پڑ گئے ... کہ اب کیا ترکیب بتائیں ... آخر انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"ٹھیک ہے ... ہم آپ پر اعتبار کیے لیتے ہیں ... کیونکہ اس کے سوا اور کوئی ترکیب نہیں ہو سکتی ... خان رحمان ... انھیں وہ چیز دے دو ... جو تم دینا چاہتے ہو۔"

"اچھی بات ہے جمشید۔"

انھوں نے بھی اپنی ایک خفیہ جیب میں دو انگلیاں ڈالیں اور ایک موتی نکال کر کپتان کی طرف بڑھا دیا...

"یہ کیا ہے۔" کپتان نے مذاق اڑانے والے انداز میں کہا۔

"ملکہ برطانیہ کے تاج کا ایک موتی۔"

"کیا مذاق ہے۔"

"اگر یہ مذاق ہے تو جو سزا چور کی وہ ہماری۔"

"پتا بھی ہے ... ملکہ برطانیہ کے پرانے تاج کا ایک ایک موتی کتنے کتنے کا فروخت ہوا تھا۔"

"جتنے کا بھی فروخت ہوا تھا ... یہ انھی موتیوں میں سے ایک ہے۔"

"میں کیسے مان لوں؟" کپتان نے حیران ہو کر کہا۔

"کیا آپ کو پتا ہے کہ ملکہ برطانیہ کے تاج میں لگے موتیوں کی پہچان کیا تھی۔"

"ہاں۔" اس نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

"اور وہ کیا تھی۔"

"اگر اندھیرے کمرے میں زرد روشنی میں ان موتیوں کو دیکھا جاتا تو وہ نیلے نظر آتے تھے ... اور انتہائی روشن نظر آتے تھے۔"

"تب آپ اندھیرے کمرے میں جا کر زرد روشنی میں اس روشنی کو دیکھ لیں۔"

"ہاں! مجھے یہ کرنا ہو گا ... جھوٹ اور سچ کا پتا تو اسی طرح لگ سکتا ہے۔"

"خان رحمان ... تم ان کے ساتھ جاؤ۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"اچھی بات ہے۔"

اب وہ دونوں جہاز کے ایک کیبن میں چلے گئے ... دروازہ بند ہو گیا... ایک منٹ کے بعد دروازہ کھلا ... کپتان کے چہرے پر بے پناہ جوش نظر آ رہا تھا۔

"یہ ٹھیک ہے ... یہ موتی بالکل اصل ہے ... لہٰذا اب ہم ان لوگوں کو ساحل کے پاس پہنچائیں گے۔"

''لیکن کیوں سر۔'' اس کا ایک ساتھی پکار اٹھا۔

''کیا مطلب؟'' کپتان چونک کر اس کی طرف مڑا۔

''ہم انھیں کیوں لے جائیں... خطرہ کیوں مول لیں... موتی ہمیں مل چکا ہے... ہو سکتا ہے، اس شخص کے پاس اور بھی موتی ہوں کیوں نہ ہم وہ بھی حاصل کر لیں... اور ان لوگوں کو سمندر میں دھکا دے دیں... یہ ہمارے کیا لگتے ہیں۔''

''نن نہیں ابرام... میں دھوکا دہی پسند نہیں کرتا... جو بات طے ہو گئی... وہ ٹھیک ہے۔''

''ہم سنہری موقعے کو ضائع نہیں کر سکتے مسٹر بارڈنگ....'' ابرام نے کپتان کو مخاطب کیا...

''ہائیں... یہ تم مجھ سے کس لہجے میں بات کر رہے ہو۔''

''اپنے چاروں طرف دیکھ لیں کپتان صاحب۔''

اس نے چاروں طرف دیکھا... اس پر بھی اور انسپکٹر جمشید پر بھی پستول وغیرہ تنے ہوئے تھے...

''یہ... یہ تم اچھا نہیں کر رہے ابرام۔''

''کیوں... کیوں اچھا نہیں کر رہا... اتنا قیمتی موتی مفت میں ہاتھ آ رہا ہے... ہم اسے بیچ کر رقم تقسیم کر لیں گے اور عیش کریں

گے۔''

''اور... برطانیہ جا کر کیا بیان دو گے۔''

''یہ کہ ہمارے کپتان صاحب ایک واقعے میں مارے گئے... ان لوگوں کے بارے میں تو انھیں کچھ معلوم ہی نہیں ہو گا... لہذا وہ ان کے بارے میں کیوں کچھ معلوم کرنے لگے۔''

''تمھاری وجہ سے میں کس مصیبت میں پھنس گیا۔''

''اگر آپ ہمیں ساحل تک لے جانے کا وعدہ کریں تو ہم آپ کو اس مصیبت سے نکال سکتے ہیں۔''

''کیا مطلب... کیسے؟'' کپتان نے چونک کر کہا۔

''بس آپ طے کر لیں... پھر ہم جانیں... ہمارا کام جانے۔'' انھوں نے کہا۔

''تم نے سنا ابرام۔''

''یہ لوگ کچھ نہیں کر سکتے... حالات کی باگ ڈور اس وقت ہمارے ہاتھوں میں ہے۔'' ابرام کی پرزور آواز سنائی دی۔

''لیکن تم میرے ساتھ جو کر رہے ہو... اس کی بنیاد پر تو میں انھی لوگوں کا ساتھ دے سکتا ہوں۔''

''مجھے آپ کی کوئی پروا نہیں... کیونکہ اب تمھیں بھی ان لوگوں

کے ساتھ سمندر میں جانا ہوگا۔" ابرام ہنسا۔

"آپ لوگ سن رہے ہیں۔"

"ہم کہہ تو رہے ہیں... آپ ہم سے وعدہ کرلیں اور اس کے بعد معاملہ ہم پر چھوڑ دیں۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"اچھی بات ہے... میں آپ لوگوں کے ساتھ ہوں۔"

"بس تو پھر مرنے کے لیے تیار ہو جائیں... ساتھیوں... ان کا نشانہ لے لو اور میرے اشارہ کرتے ہی سب کو گولیوں سے بھون ڈالو... اس کے بعد ایک بڑی رقم ہماری ہوگی... کیونکہ میں جانتا ہوں۔"

"اور آپ کیا جانتے ہیں مسٹر ابرام۔" ایک ساتھی نے کہا۔

"یہ کہ ملک برٹائن کے پرانے تاج کے موتی کس قدر قیمتی ہیں اور نیلامی میں ان کی کتنی قیمت تھی۔"

"اوکے... ہم آپ کے ساتھ ہیں... مسٹر ہارڈنگ جائیں جہنم میں... یہ بھی ان کے ساتھ۔"

"شکریہ ساتھیو! اب تم لوگ نشانہ لے لو... میں ایک دو تین گنوں گا... تم تین پر گولی چلاؤ گے۔"

"آپ فکر نہ کریں... ہمارے نشانے کچے نہیں۔" ان میں سے ایک نے کہا۔

اس دوران انسپکٹر جمشید بغور ان کا جائزہ لے چکے تھے... ان کی تعداد دس سے زیادہ نہیں تھی... دو یہ تھے... یعنی ابرام اور ہارڈنگ... اس وقت سب سے بری حالت ہارڈنگ کی تھی... کیونکہ اسے اپنی موت یقینی نظر آرہی تھی... ایسے میں اچانک اس کی کلائی کسی نے تھام لی... اس نے چونک کر دیکھا... تو اپنی کلائی کو انسپکٹر جمشید کے گرفت میں پایا... وہ اسے کوئی اشارہ کر رہے تھے... اس نے فوراً ہی اشارہ سمجھ لیا اور فوراً ان کی کمر کی طرف آ گیا...

"بیٹھ کر مستول کی اوٹ لے لیں... نیچے جھکے جھکے، اس کے دوسری طرف جا چھپیں۔"

اس نے فوراً یہ مطلب سمجھ لیا... اس کے بعد بس وہ جھکے جھکے ہی مستول کی اوٹ میں چلا گیا... ایسے میں... ابرام نے چونک کر کہا۔

"وہ... مسٹر ہارڈنگ کہاں گئے؟"

"ہائیں... ابھی ابھی تو یہیں تھے۔" انسپکٹر جمشید کے لہجے میں حیرت تھی۔

"خیر... کوئی پروا نہیں... یہ جہاز ہے... وہ کہاں چھپیں گے... ہم تلاش کر ہی لیں گے... ویسے بھی وہ لڑنا بھڑنا نہیں جانتے...

اب رہے تم لوگ ... تم تو جاؤ ... اور مرنے سے پہلے یہ بھی سن لو...
جس جیب میں سے تم نے یہ موتی نکالا ہے، اس جیب میں ضرور باقی اور
موتی بھی ہوں گے ... ہم وہ بھی نکال لیں گے۔''

''وہ آپ کو نہیں ملیں گے ... ہاں میں نکال کر دوں تو مل سکیں
گے۔'' خان رحمان مسکرائے۔

''یہ کیسے ممکن ہے ... ہم لباس کو اچھی طرح چھان لیں گے۔''

''تب بھی وہ نہیں ملیں گے ... لہذا تم ہم سے سودا کر لو۔'' خان
رحمان نے کہا۔

''سودا ... کے مطلب؟''

''معاف کیجیے گا جناب ... سودے کا مطلب سودا ہی ہوتا ہے۔''
فاروق بول پڑا۔

اس نے ایک نظر اس پر ڈالی، برا سا منہ بنایا، پھر خان رحمان کی
طرف مڑا...

''تمہارا ساتھی پاگل تو نہیں۔''

''جی نہیں ... ویسے یہ دوسروں کو پاگل کر دیتا ہے اور یہ اس کی
خاص عادت ہے۔''

''لیکن آج کے بعد یہ کسی کو بھی پاگل نہیں کر سکے گا۔''

''خیر! یہ تو آپ نہیں کہہ سکتے۔'' انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

''ہاں واقعی جمشید۔'' پروفیسر داؤد نے فوراً ان کی تائید کی۔

''کیا واقعی؟''

''یہ کہ آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ آج کے بعد یہ کسی کو پاگل نہیں کر
سکے گا۔''

''یہ میں اس لیے کہہ سکتا ہوں کہ تم لوگوں کی زندگی اب ختم ہو
نے کو ہے... میں اپنے ساتھیوں کو اشارہ کر رہا ہوں ... چلو بھئی ...
انہیں نشانہ بناؤ۔''

''مسٹر ابرام ... میں نے ایک سودے کا ذکر کیا تھا۔''

''اور وہ کیا؟'' وہ چونکا۔

''میں ایسے دس موتی اور دے دیتا ہوں... تم ہمیں نشانہ بنانے
کا ارادہ ترک کر دو ... اور یہ بات میں تمہارے فائدے کے لیے کہہ
رہا ہوں۔''

''یہ کیا بات ہوئی ... بھلا تم اور ہمارے فائدے کی بات کرو۔''

''ہاں! میں اپنی بات دلیل سے ثابت کر سکتا ہوں۔''

''اچھی بات ہے... کرو ثابت۔''

''اگر تمہارے یہ ساتھی ہم پر گولی چلاتے ہیں اور ہم مارے

جاتے ہیں ... تو تم پر قتل کا مقدمہ چلے گا یا نہیں۔''

''پھر وہی بے وقوفی کی بات ... ہم تمھارے ملک تھوڑا ہی جا رہے ہیں ... ہم تو سیدھے اپنے ملک جائیں گے۔''

''جی نہیں ... پہلے تم لوگ شارجستان جاؤ گے ... یہ سامان اتارو گے ... وہاں سے سامان لادو گے ... پھر اپنے ملک جاؤ گے۔''

''ہاں ! یہی بات ہے ... لیکن اس سے کیا فرق پڑتا ہے ... تمھارے ملک تو نہیں جائیں گے نا۔''

''شارجستان میں ہمارے ساتھی موجود ہیں ... تم لوگوں کو نہیں چھوڑیں گے۔''

''حد ہوگئی ... یا تو تم پاگل ہو یا ہمیں پاگل بنا رہے ہو ... بھلا انھیں کس طرح معلوم ہوگا کہ اس جہاز پر کیا ہو رہا ہے۔''

''انھیں ساتھ ساتھ معلوم ہو رہا ہے ... کہو تو تمھیں سنوا دیں۔''

''نن نہیں ... یہ ... یہ کیسے ہو سکتا ہے۔''

''جمشید۔''

''ہاں خان رحمان۔''

''انھیں سنوا دو۔''

''اچھی بات ہے۔'' انھوں نے کہا اور اپنی گھڑی کا ایک بٹن

دباتے ہوئے کہنے لگے۔

''السلام علیکم ... کاشانی ... تم ساری گفتگو سن چکے ہو۔''

''یس سر۔''

''انھیں سنا دو ... یہاں کیا ہونے والا ہے ... اور تم کیا سن چکے ہو۔''

کاشانی نے شروع سے لے کر اس وقت تک ہونے والی بات سنا دی ... اس کے بعد اس نے کہا۔

'' جونہی یہ جہاز شارجستان کے ساحل پر آئے گا ... ہم ان لوگوں کو پکڑ لیں گے ... آپ فکر نہ کریں۔''

''سنا تم نے۔'' خان رحمان ابرام کی طرف مڑے۔

'' ہاں سنا ہے ... اب ہم اپنا راستہ بدل رہے ہیں ... ہم شارجستان کی بندرگاہ پر نہیں جائیں گے۔''

'' تب پھر جہاز پر لدے سامان کا کیا کریں گے ... تمھارے ملک کی جس کمپنی کا یہ مال ہے ... اسے کیا جواب دو گے۔''

''جہاز ڈوب بھی تو سکتے ہیں ... ابرام مسکرایا۔

'' مطلب یہ کہ تم سارے موتی حاصل کرنے کے لیے اتنا کچھ کرو گے۔''

"ہاں ں! اس لیے کہ یہ موتی بہت زیادہ قیمتی ہیں ۔"

"او کے ... تمھاری مرضی ... ہم نے تمھیں سمجھا دیا ... سمجھانا ہمارا کام تھا... تم نے ہماری بات نہیں مانی ... اب سزا بھگتو ۔"

"یہ پاگل لوگ ہیں ... اب تک میں ان کی پاگل پنے کی باتیں سنتا رہا ہوں... اب ہمت نہیں ... تم لوگ فائر کرو ... میں ایک دو تین کہنے لگا ہوں ... ایک دو... تین ۔"

تین کے ساتھ ہی ان سب نے فائر کیے ... وہ پہلے ہی تیار تھے ... دھڑام سے گرے اور آن کی آن میں لڑھک کر مستولوں کے پیچھے چلے گئے ...

ابرام اور اس کے ساتھی ہکا بکا رہ گئے ۔

"یہ ... یہ کیا؟"

"یہ وہی ... جس کے بارے میں ہم نے تمھیں بتایا تھا ۔" فرزانہ چہکی ۔

"کوئی پروا نہیں ... ہم تمھیں نشانہ بنا کر رہیں گے ۔"

"لیکن اب تو یہ کام اور زیادہ مشکل ہو گیا ۔"

"وہ کیسے؟" ابرام چلایا ۔

"وہ ایسے کہ اب ہمارے ہاتھوں میں بھی پستول ہیں ... جب

کہ پہلے نہیں تھے ... اور تم اس وقت ہمیں نشانہ نہیں بنا سکے تھے ... اب کیا بناؤ گے ... اب تو تمھیں ہم بنائیں گے ... لیکن نشانہ نہیں ۔" محمود نے شوخ آواز میں کہا ۔

"نشانہ نہیں ... کیا مطلب ... نشانہ نہیں بنائیں گے تو کیا بنائیں گے ۔" فاروق نے کہا ۔

"الو ۔" فرزانہ چہکی ۔

"ہائیں ... تم نے مجھے الو کہا ۔" فاروق نے جھلا کر کہا ۔

"ارے نہیں ... تم کیوں ہوتے الو ... الو تو یہ لوگ ہیں ... میرا مطلب ہے ... ہم انھیں الو بنائیں گے ... یہ دیکھو ۔"

اس کے ساتھ ہی ایک فائر ہوا ۔" ایک چیخ سنائی دی ۔

☆☆☆☆☆

ارے باپ رے

انہوں نے دیکھا، ابرام کے ہاتھ سے پستول نکل چکا تھا اور خون ٹپ ٹپ گر رہا تھا، ابرام کا رنگ اڑ گیا...

''یہ گولی اس کے سینے میں بھی لگ سکتی تھی ... لیکن ہم لوگ بلاوجہ خون بہانا پسند نہیں کرتے ... اب تم لوگوں کی بھلائی اس میں ہے کہ پستول گرادو اور ہاتھ اوپر اٹھا دو ... ورنہ ہمارے پستولوں کی تمام گولیاں تم لوگوں کا مزاج پوچھ لیں گی ... اب یہ اور بات ہے کہ تم لوگ اس وقت تک مزاج بتانے کے قابل رہتے بھی ہو یا نہیں ... خیال یہی ہے کہ نہیں رہو گے ... کیونکہ۔'' فاروق کہتے کہتے رک گیا ... فوراً ہی محمود نے اس کا جملہ اچک لیا۔

''کیونکہ جو اس دنیا سے چلے جاتے ہیں ... اپنا مزاج بتانے کے قابل نہیں رہتے ... یہ دو اور دو چار والی بات ہے ... آپ سمجھیں یا نہ سمجھیں۔''

''توبہ ہے تم سے ... اتنے لمبے جملے بول کر تم نے الفاظ کی فضول خرچی کی ہے۔'' فرزانہ جھلا اٹھی۔

''معاف کرنا ... میں بھول گیا تھا۔'' محمود نے فوراً کہا۔

''یہ بھی تو بتا دو ... کیا بھول گیا تھا۔'' فاروق نے منہ بنایا۔

''یہی تو میں بھول گیا ہوں کہ میں کیا بھول گیا تھا۔'' محمود ہنسا۔

''ہے کوئی تک۔'' فرزانہ نے اسے گھورا۔

''بالکل نہیں۔'' فاروق نے فوراً کہا۔

''چپ رہو ... کان نہ کھاؤ۔'' انسپکٹر جمشید چلائے۔

''جی اچھا ... آپ پہلے کہہ دیتے۔'' فاروق سہم گیا۔

''کیا کہہ دیتا۔''

''یہی کہ کان نہ کھاؤ۔''

''حد ہو گئی ... یہ وقت ان باتوں کا نہیں ... ان لوگوں کو قابو میں کرنے کا ہے ... دیکھو ... کتنے معصوم بنے کھڑے ہیں ... جب کہ ابھی چند منٹ پہلے ہم پر فائر کرنے پر تلے تھے۔''

''یہی تو ان کی بے وقوفی تھی ... فائر بے شک کر دیتے ہیں ... تلتے نہ۔'' فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

''اب تم سے کون مغز مارے۔'' فرزانہ نے منہ بنایا۔

"ختم کرو... جلدی سے انہیں باندھ لو... ابھی ہمیں بہت کام ہے۔"

"اوہ ہاں... واقعی۔"

اور پھر انہوں نے عرشے پر موجود رسیوں سے انہیں باندھ لیا...

اب انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"مسٹر ہارڈنگ... اب آپ شوق سے اوٹ سے باہر آسکتے ہیں... یہ لوگ آپ کا کچھ بگاڑنے کی پوزیشن میں نہیں رہے۔"

"بہت خوب! آپ لوگ واقعی حیرت انگیز ہیں..." یہ کہتے ہوئے ہارڈنگ ان کے سامنے آگیا۔

"اب آپ مسٹر ابرام کی جیب سے وہ موتی نکال لیں اور اس کے منہ پر ایک تھپڑ بھی رسید کریں... کیونکہ اس نے آپ کے ساتھ غداری کی ہے۔"

"اچھی بات ہے۔"

ہارڈنگ اس کے نزدیک چلا گیا... اس نے پہلے اس کی جیب سے موتی نکالا، پھر اس کے منہ پر ایک زناٹے دار تھپڑ رسید کیا۔

"بس ٹھیک ہے... اب بتائیں... آپ کا کیا پروگرام ہے۔"

"آپ نے میری جان بچائی... میں آپ کا احسان زندگی بھر

نہیں بھولوں گا... اور آپ کو آپ کے ملک کی بندرگاہ تک پہنچا دوں گا۔"

"بہت بہت شکریہ؟" وہ مسکرا دیے۔

"یہ لیں اپنا موتی۔" یہ کہتے ہوئے ہارڈنگ نے موتی ان کی طرف بڑھا دیا...

"نہیں... یہ اب آپ کا ہے۔"

"آپ لوگ... عجیب لوگ ہیں۔" ہارڈنگ کے لہجے میں حیرت ہی حیرت تھی۔

"کبھی آپ ہمیں حیرت انگیز کہتے ہیں... کبھی عجیب کہتے ہیں... مہربانی فرما کر آپ ہمیں انسان ہی رہنے دیں اور اب جہاز کا رخ موڑ لیں... ہم اپنے ملک جانے کے لیے بے چین ہیں۔" خان رحمان نے برا سا منہ بنا کر کہا۔

"اچھی بات ہے... آپ فکر نہ کریں۔"

اور پھر جہاز کا رخ ان کے ملک کی طرف ہو گیا... اس وقت انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"اب بتائیں... اس جہاز پر کیا چیز لادی گئی ہے۔"

"یہ آپ کیوں پوچھ رہے ہیں۔"

''بس ایسے ہی ... دراصل شارجستان ہمارا دشمن ملک ہے۔''

''لیکن میرا اس معاملے سے کوئی تعلق نہیں ... میں تو بس جہاز کا کپتان ہوں ... سامان لانا اور لے جانا میرا کام ہے۔''

''بالکل ٹھیک ہے ... اس پر کیا لدا ہوا ہے۔''

''تمباکو ... اور اس قسم کی دوسری چیزیں۔''

''آپ کا مطلب ہے ... منشیات کی قسم کی چیزیں ہیں ... شراب وغیرہ۔''

جی ہاں! لیکن اس معاملے سے میرا تعلق نہیں ... میں جہاز کا کپتان ہوں... میرا کام صرف یہ ہے کہ جہاز ایک ملک سے دوسرے ملک لے جانا ... دوسرے ملک سے مال اپنے ملک پہنچانا۔''

''تب پھر یہ بات کیسے معلوم ہوتی ہے کہ جہاز پر کیا چیز لادی گئی ہے۔''

''مجھے یہ بات بتائی جاتی ہے ... کاغذات میں بھی ان چیزوں کا نام درج کیا جاتا ہے ... لیکن کبھی اس کے الٹ بھی ہوتا ہے۔'' اس نے بتایا۔

''کیا مطلب؟''

''مطلب یہ کہ بعض اوقات کاروباری لوگ اصل بات کو چھپا

لیتے ہیں ... کاغذات میں کچھ لکھا ہوتا ہے اور جہاز میں کچھ ... لیکن میں اس بات کا ذمے دار نہیں ہوں ... جو لوگ سامان لدواتے ہیں ... وہ ذمے دار ہوتے ہیں ... اور ان کے نام بھی کاغذات میں درج کیے جاتے ہیں۔''

''ہم سمجھ گئے ... کیا ہم اس جہاز کے نچلے حصے کو دیکھ سکتے ہیں۔''

''ضرور دیکھ لیں ... مجھے بھلا کیا اعتراض ہو سکتا ہے ... مجھے تو جہاز شارجستان لے جانا ہے ... اس پر لدا ہوا سامان وہاں اتار لیا جائے گا اور جو مال برٹائن بھیجا جائے گا ... وہ لدوانا ہے ... اور بس۔''

''کیا یہ جہاز سرکاری ہے۔''

''جی ہاں! بالکل ... بحری جہاز عام طور پر سرکاری ہی ہوتے ہیں ... پرائیویٹ جہاز تو سمندر میں چلتے ہی نہیں۔''

''اچھی بات ہے ... آپ نے اجازت دے دی ہے، اس لیے ... ہم ایک چکر نیچے کا لگا لیتے ہیں ... آپ بھی ہمارے ساتھ چلیے۔''

''اچھی بات ہے ... ان لوگوں کی طرف سے کوئی خطرہ تو نہیں۔'' اس نے پریشانی کے عالم میں کہا۔

''ہے تو نہیں ... لیکن میں چیک کیے لیتا ہوں ... اور اپنے

دوست سے کہتا ہوں ... کہ ان کا پکا انتظام کر دیں ۔''

اب انہوں نے رسیوں کو چیک کیا ... وہ خوب مضبوط تھیں اور محمود فاروق اور فرزانہ نے انھیں باندھا بھی بہت سلیقے سے تھا۔

''اللہ کا شکر ہے ... ان کی طرف سے تو بے فکری ہوئی ... اور جہاز کے ڈرائیور کے بارے میں کیا کہتے ہیں ۔''

''وہ خالص میرا ساتھی ہے ... اس کی طرف سے بے فکر ہو جائیں ۔''

''اچھی بات ہے ۔''

اب انہوں نے کپتان ہارڈنگ کے ساتھ نیچے کا رخ کیا ... نچلی منزل میں لکڑی کی پیٹیاں ہی پیٹیاں نظر آئیں ... وہ سیکڑوں کی تعداد میں تھیں اور تھیں بھی بہت بڑے سائز میں ... نیچے آتے ہی انہوں نے شراب کی بو محسوس کر لی ...

''ان میں تو واقعی شراب ہے ۔'' خان رحمان بڑبڑائے ۔

''تو آپ کا کیا خیال تھا ... ان میں کیا چیز ہے ۔'' ہارڈنگ نے حیران ہو کر کہا ۔

''ہمارا خیال ... آپ ہمارے خیال کو رہنے دیں ... کیونکہ ۔''

فاروق کہتے کہتے رک گیا ۔

''آپ کیا کہنا چاہتے ہیں ۔''

''یہ کہ ہمارا خیال تو نہ جانے کہاں کا کہاں پہنچ جاتا ہے ... اس لیے اس کی بات نہ کریں ۔''

''ہمارا خیال تھا کہ ان میں شراب نہیں ہو سکتی ... کیونکہ شارجستان میں شراب پر کون سی پابندی ہے ... ان کے تو مذہب میں بھی شراب پر پابندی نہیں ہے ... بلکہ دیکھا جائے تو سوائے اسلام کے کسی مذہب کے لوگ شراب پر پابندی کے قائل نہیں ... اس لیے ہمارا خیال تھا ، ان میں شراب نہیں ہو سکتی ... لیکن اب بو محسوس کر کے یہ بات کہنے پر مجبور ہیں کہ ان میں شراب ہی ہے ... '' وہ کہتے چلے گئے ۔

''آپ پھر بھی دو چار پیٹیاں کھول کر اپنا اطمینان کر لیں ۔'' ہارڈنگ نے کہا ۔

''اب آپ کہہ رہے تو دیکھ لیتے ہیں ... بلکہ یہ بہت ہی اچھا ہے ۔''

''میرے لیے بھی بہت اچھا ہے ۔'' ہارڈنگ مسکرایا ۔

''وہ کیسے ؟'' انسپکٹر جمشید چونکے ۔

''شک سے بری ہو جاؤں گا ۔''

"تو پھر ہو جائیں شک سے بری۔"

انہوں نے ایک پیٹی کی کیلیں اکھاڑیں ... پیٹی کا ڈھکنا اٹھایا تو اس میں شراب کی بوتلیں بھری ہوئی تھی ...

"ختم کر جمشید ... ان میں شراب کے علاوہ اور ہو بھی کیا سکتا ہے۔" پروفیسر نے برا سا منہ بنایا۔

"لیکن پروفیسر صاحب ... جب ہم یہاں تک آ گئے ہیں تو اپنا اطمینان کیوں نہ کریں۔"

"ٹھیک ہے ... کرلیں بھئی اپنا اطمینان۔" انہوں نے کندھے اچکائے۔

اب انہوں نے ادھر ادھر بلکہ ایک ہال سے دوسرے ہال تک کی پیٹیاں چیک کر ڈالیں ان میں شراب ہی شراب کی پیٹیاں تھیں ...

"میرا خیال ہے ... ہم اپنا وقت ضائع کر رہے ہیں ... ان میں شراب ہی ہے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے ... لیکن ... ہم ذرا نیچے والی پیٹیوں کو کیوں نہ دیکھیں۔"

"دیکھ لو جمشید۔" انہوں نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔

انسپکٹر جمشید نے خان رحمان اور ہارڈنگ کی مدد سے سب سے

اوپر والی پیٹی اتاری اور نچلی قطار کی ایک پیٹی کی کیلیں الگ کیں ... انہوں اس پیٹی ڈھکنا اوپر اٹھایا تو اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا ... ان کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا ...

"ارے باپ رے۔"

☆☆☆☆☆

مہمان

انھوں نے ہارڈنگ کی طرف اور ہارڈنگ نے ان کی طرف دیکھا... آخر ہارڈنگ نے کانپتی آواز میں کہا۔

''نن... نہیں... نہیں... مجھے قطعاً معلوم نہیں ہے۔''

''آپ پریشان نہ ہوں۔'' انسپکٹر جمشید نے مسکرا کر کہا۔

''کیا کہہ رہے ہو جمشید۔'' خان رحمان نے حیران ہو کر کہا۔

''اس معاملے میں مسٹر ہارڈنگ واقعی لاعلم ہیں۔''

''ان کی ذات پر تمھیں اتنا یقین کیوں ہے۔'' پروفیسر نے کہا۔

''ان کا اس وقت تک کا کردار... آپ خود دیکھ لیں... ان کے چہرے کی حالت کیا ہے۔''

انھوں نے اپنی نظریں کپتان پر جما دیں... اور آخر انھوں نے بھی یہی کہا...

''واقعی... یہ لاعلم ہیں۔''

''لیکن اب... بہت مشکل صورت حال کا سامنا ہے۔'' انسپکٹر جمشید بڑبڑائے۔

''کیا مطلب ابا جان۔'' محمود نے چونک کر کہا۔

''یہ جہاز... شارجستان جا رہا ہے... لیکن اس میں صرف شراب نہیں لدی ہوئی ہے... بلکہ جہاں تک میرا خیال ہے... شراب تو صرف اوپر والی پیٹیوں میں ہے... نیچے والی تمام پیٹیاں جدید ترین اسلحے سے بھری ہیں... اوپر تلے تین پیٹیاں رکھی گئی ہیں... یعنی اگر صرف اوپر والی پیٹیوں میں شراب ہو تو بھی ان سے دوگنا پیٹیوں میں اسلحہ ہے... بلکہ ہو سکتا ہے... شراب کی صرف چند پیٹیاں ہوں۔''

''ہاں جمشید... یہی لگتا ہے۔'' پروفیسر داؤد نے سر ہلا دیا۔

''سوال یہ ہے کہ اب ہم کیا کریں... کیا اس اسلحے کو شارجستان جانے دیا جائے... یا نہیں۔''

''کک... کیا مطلب۔'' ہارڈنگ اچھل پڑا... اس کی آنکھیں مارے خوف کے پھیل گئیں۔

''یہ بہت بڑی مجبوری آپڑی ہے... مسٹر ہارڈنگ آپ خیال کریں... شارجستان ہمارا دشمن ملک ہے اور ہے بھی پڑوسی ملک... اس لیے یہ اسلحہ... ہمارے خلاف استعمال ہو گا... ان حالات میں ہم

اسے شارجستان نہیں جانے دے سکتے۔"

"لل... لیکن... میں... میں کیا کروں... میں اپنے ملک کو کیا جواب دوں گا... بلکہ اپنے ملک کی بات تو بعد میں آئے گی... پہلے تو مجھ سے شارجستان کی حکومت پوچھے گی... ہمارا مال کہاں ہے... میں انھیں کیا بتاؤں گا..." ہارڈنگ نے پریشانی کے عالم میں کہا۔

"بالکل یہی بات ہے... اور ہمیں اس کا حل سوچنا ہوگا۔"

"ضرور سوچیں... یہ معاملہ اب دو ملکوں کا نہیں... تین کا ہو چکا ہے... سوچے بغیر تو کام چلے گا نہیں۔"

اور پھر وہ سب سوچ میں گم ہو گئے... مسئلہ ہارڈنگ کو بچانے کا بھی تھا... اگر وہ مال سے خالی جہاز لے کر شارجستان جاتا تو ان لوگوں سے کیا کہتا... اور مال سمیت وہ اسے جانے کی اجازت نہیں دے سکتے تھے... پھر ہارڈنگ کو آخر اپنے ملک جانا تھا... وہاں بھی اس سے پوچھا جاتا کہ مال شارجستان کیوں نہیں پہنچا۔

کافی دیر سوچتے ہوئے گزر گئی... لیکن کسی کی سمجھ میں کوئی بات نہ آسکی... تنگ آکر محمود نے کہا۔

"کیا ہو گیا فرزانہ تمھیں... آج تم ایک ترکیب تک نہیں سوچ سکیں۔"

"میرا دماغ گھوم رہا ہے... کچھ سمجھ میں نہیں آرہا۔" اس نے پریشانی کے عالم میں کہا۔

"خود میرا بھی یہی حال ہے۔" محمود مسکرایا۔

"اور میں بھی چکر کھا رہا ہوں۔" فاروق نے فوراً کہا۔

"رہ گئے ہم... ہم تو بھائی تین میں نہ تیرہ میں۔" پروفیسر داؤد نے کہا۔

"ان سب باتوں کے باوجود... ہمیں اس مسئلے کا حل تلاش کرنا ہوگا۔" انسپکٹر جمشید نے بھی پریشانی کے عالم میں کہا۔

ایک بار پھر سب لوگ سوچ میں گم ہو گئے... اس طرح بہت دیر گزر گئی... اور انھیں یوں محسوس ہونے لگا، جیسے اس مسئلہ کا کوئی حل ان کی سمجھ میں نہیں آئے گا... ان حالات میں آخر کار انسپکٹر جمشید کی آواز ابھری۔

"صرف اور صرف ایک ہی راستہ سجھائی دیتا ہے۔"

"چلیے اللہ کا شکر ہے... ایک تو سجھائی دیا... ہم اسی ایک سے کام چلا لیں گے۔" فاروق خوش ہو گیا۔

"اور وہ راستہ یہ ہے کہ جہاز کو غائب کر دیا جائے۔"

"کیا مطلب؟" ان سب کے منہ سے نکلا۔

''کیا کہہ رہے ہو جمشید۔'' پروفیسر داؤد کے منہ سے نکلا۔

''سنیے! جب ہم غائب ہو جائیں گے ... تو شارجستان اپنے طور پر جہاز کو تلاش کرے گا۔ اور برنائن اپنے طور پر، جب جہاز انہیں ملے گا تو وہ بالکل خالی ہو گا ... اس میں پیٹیاں نہیں ہوں گی ... اور مسٹر ہارڈنگ جہاز کے ایک کیبن میں بندھے پڑے ملیں گے ... وہ انہیں کھولیں گے ... اور یہ انہیں جہاز کے لوٹ لیے جانے کی خبر سنائیں گے ... یعنی ڈاکوؤں نے جہاز کو لوٹا اور انہیں باندھ کر چھوڑ گئے۔''

''اور باقی لوگ۔'' ہارڈنگ نے گھبرا کر کہا۔

''ان سب کو ڈاکوؤں نے مل کر سمندر میں گرا دیا۔''

''اس کے سوا ہمارے پاس کوئی راستہ نہیں۔''

''لیکن یہ سارا مال کہاں جائے گا۔''

''اس جزیرے پر ... جس کے پاس سے آپ ہمیں لائے ہیں ہم فی الحال تمام پیٹیاں وہاں اتار دیتے ہیں۔''

''کیا کہہ رہے ہیں ... پیٹیاں اتارنے کا سامان کہاں سے آئے گا۔''

''ہاں! یہ مسئلہ بھی ہے ... تب پھر ایک دوسری ترکیب ... ہم جہاز کو اپنے ملک کی بندرگاہ لے جاتے ہیں ... وہاں پیٹیاں اتار دیں

گے۔''

''اس صورت میں ڈاکوؤں والی کہانی تو چلے گی نہیں۔'' ہارڈنگ نے کہا۔

''ہاں! یہی ہو گا ... ہم آپ کو گرفتار کر لیں گے ... مال اتار لیں گے ... پھر مذاکرات شروع ہوں گے پھر ہم خالی جہاز اور آپ کو آپ کے ملک کے حوالے کر دیں گے۔''

''یہ ٹھیک رہے گا ... اس طرح مجھ پر کوئی آنچ نہیں آئے گی۔''

''اللہ کا شکر ہے ... یہ بات آپ نے منظور کر لی ... ورنہ ہم تو سمجھ رہے تھے کہ آج کوئی بات سرے سے نہیں سوجھے گی۔'' فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

''اور ہم آپ کو ظاہر میں گرفتار کریں گے ... ورنہ آپ ہمارے معزز مہمان ہوں گے۔''

''وہ میں سمجھتا ہوں۔''

''بس تو پھر چلیں۔''

جہاز کا رخ تو پہلے ہی پاک لینڈ کی طرف ہو چکا تھا ... تین دن کے سفر کے بعد وہ بندرگاہ کے قریب پہنچ گئے ... انسپکٹر جمشید اپنی گھڑی کے ذریعے پہلے ہی اطلاع دے چکے تھے ... بحری فوج نے فوراً ہی

جہاز کو گھیرے میں لے لیا... ہارڈنگ کو ہاتھوں میں ہتھکڑیاں لگا کر جہاز سے اتارا گیا اور باقی عملے کو بھی قیدی بنالیا گیا... اخبارات میں تصاویر بھی شائع ہوئی تھیں آخر... بندرگاہ پر صدر صاحب اور دوسرے تمام بڑے عہدے داران آئے ہوئے تھے... انھیں بہت عزت اور احترام سے ایوان صدر لایا گیا... صدر صاحب تو حد درجے خوش تھے... بار بار کہہ رہے تھے...

''جمشید! تم نے کمال کر دیا... بہت بڑا کارنامہ انجام دیا ہے تم نے۔''

''سر! مسٹر ہارڈنگ کو بھی یہیں ہمارے پاس رہنے دیا جائے۔''

''کیوں... کیا مطلب... اسے تو برطانیہ کے حوالے کیا جائے گا... وہ بھی مذاکرات کے بعد۔''

''جی ہاں... لیکن یہ قیدی نہیں ہیں... مجرم بھی نہیں ہیں... بلکہ ہمارے دوست ہیں۔''

''وہ کیسے؟''

''اس کی تفصیل میں آپ کو بعد میں سناؤں گا۔''

''اچھی بات ہے جمشید۔''

اور پھر ہارڈنگ بھی وہیں آگیا... اسے شان دار مہمان خانے

میں پہنچا دیا گیا... کیونکہ بہر حال وہ غیر ملکی تھا... تمام بات چیت اس کے سامنے نہیں کی جا سکتی تھی...

''ہاں جمشید... اب ہو جائیں تفصیلات۔''

''میں تفصیلات عرض کیے دیتا ہوں... لیکن اس سے پہلے کیا آپ ہمیں بتا سکتے ہیں... ریاست نواب کا کیا بنا... وہاں اب کیا حالات ہیں۔''

''ہاں! کیوں نہیں... وہاں نواب صاحب کے بیٹے انشارجہ سے آگئے تھے... یعنی جب انھیں پتا چلا کہ یہاں کیا حالات پیش آئے ہیں... تو انھیں آنا پڑا... وہ اپنے والد کی جگہ لے چکے ہیں... ظاہر ہے... یہی کیا جا سکتا تھا۔''

''اور نواب صاحب ان کی بیگم اور بیٹی۔''

''وہ تو تم لوگوں کے ساتھ لاپتا ہوئے تھے... ان کے بارے میں تو تم بتاؤ گے۔'' انہوں نے پریشان ہو کر کہا۔

''گویا یہ خیال کیا جا رہا ہے کہ وہ ہمارے ساتھ ہوں گے۔''

''ہاں! بالکل۔''

''جب کہ ایسا نہیں ہے... خیر میں تفصیلات سناتا ہوں۔''

اس کے بعد انہوں نے شروع سے آخر تک تمام کہانی سنا ڈالی۔

''یہ تمام حالات انتہائی حیرت انگیز اور پراسرار ہیں ... اور اس کا مطلب ہے ... قصبہ ہیرو پر تو اب بھی انہی لوگوں کا قبضہ ہے۔''

''انہیں تو خیر اب ہم دیکھ لیں گے ... اصل پریشانی نواب صاحب اور ان کے گھر والوں کی ہے ... اب ہمیں یہاں نہیں ٹھہرنا چاہیے ... پہلے قصبہ ہیرو جانا چاہیے ... ہو سکتا ہے ... ان لوگوں سے ہمیں نواب صاحب کو سراغ مل جائے ... اگر انہوں نے ہمیں شنگ کے بارے میں کچھ بتا دیا اور ہم شنگ تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے تو اس صورت میں شاید ہم نواب صاحب کو پا سکیں۔''

''تم پوری طرح آزاد ہو جمشید ... جو چاہے کرو ... تمہارے ذریعے سے ہمیں جدید ترین اسلحے کی اتنی بڑی کھیپ ملی ہے ... ورنہ یہ تو ہمارے خلاف استعمال ہونا تھا ... پتا نہیں ... ان لوگوں کا قصبے کے بارے میں کیا پروگرام تھا۔''

''وہ ہم معلوم کر لیں گے ... بظاہر تو وہ قصبے پر قبضہ کرنا چاہتے تھے ... لیکن ایسا تو ہو نہیں سکا ... شاید اس لیے کہ درمیان میں ہم جو ٹپک پڑے ... لیکن ایسا بھی تو انہی کی وجہ سے ہوا تھا ... عجیب بات ہے ... آخر انہوں نے پروفیسر صاحب کی تجربہ گاہ کو کیوں نشانہ بنایا تھا ...''

''اس لیے ابا جان کہ وہ ہمیں اپنے راستے سے ہٹانا چاہتے تھے۔'' فرزانہ نے کہا۔

''اوہ ہاں ... لل ... لیکن پھر انہوں نے ایسا کیوں نہیں کیا ... ہمیں جزیرے میں روبوٹ کے حوالے کر کے وہ کیوں چلے گئے۔''

''اس لیے کہ وہ ہمیں بے بسی کی موت مارنا چاہتے تھے ... ان کا خیال تھا کہ ہم روبوٹ کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکیں گے ... لیکن ہمیں آگ کی تدبیر سوجھ گئی ... اور ہم نے روبوٹ کو بھگا دیا۔''

''یہ سب حالات حد درجے الجھے ہوئے ہیں ... اس میں شک نہیں کہ یہ ریاست نواب کے خلاف کوئی سازش تھی ... لیکن سازش ناکام ہو گئی ...''

''یہ تو ٹھیک ہے، لیکن ابھی نواب صاحب اور ان کے اہل خانہ کو تلاش کرنا ہے۔''

''وہ ہم کریں گے ... مسٹر ہارڈنگ ابھی ہمارے مہمان رہیں گے ... جب تک یہ سارا معاملہ صاف نہیں ہو جاتا، اس وقت تک انہیں یہیں رکھیں گے۔''

''تمہارا مطلب ہے جمشید ... ایوان صدر میں۔'' صدر صاحب نے پریشانی کے عالم میں کہا۔

'' اگر ان کا ایوانِ صدر کے مہمان خانے میں رکھنا مناسب نہیں تو کہیں اور رکھیں ... لیکن رکھیں گے ہم ابھی انھیں مہمان ہی ۔''

'' اچھی بات ہے ... تم فکر نہ کرو ، انھیں کوئی تکلیف نہیں ہو گی۔''

'' بہت بہت شکریہ ! اب ہم اجازت چاہیں گے ۔''

'' ٹھیک ہے جمشید ... لیکن مہربانی کر کے تم رابطہ رکھنا ... ہم پریشان ہو جائیں گے ۔''

'' ٹھیک ہے ... ہم ہر ممکن حد تک رابطے میں رہیں گے ۔''

اور پھر وہ وہاں سے نکل آئے ... انسپکٹر جمشید نے فوری طور پر خفیہ فورس کے انچارج سے رابطہ کیا ...

'' السلام علیکم ... نمبر ایک ... کیا رپورٹیں ہیں ۔''

'' ریاست نواب پر اب ان کا بیٹا حکمران ہے ... ان کے والد، بیگم اور بیٹی کا کوئی پتا نہیں ... آپ بھی لاپتا تھے ... اب فون آنے پر پتا چلا ہے کہ آپ آ گئے ہیں۔''

'' ہاں ! اللہ کی مہربانی سے ... اور کیا خبریں ہیں ... قصبہ بیرو کی کیا خبریں ہیں ۔''

'' وہاں فرقی دادا پھر نظر نہیں آیا ... انسپکٹر داور کو بھی نہیں دیکھا

گیا ... یہ دونوں بھی لاپتا ہیں ۔''

'' گویا قصبہ اب ان کے قبضے میں نہیں رہا۔''

'' ہاں ! یہی کہا جائے گا۔''

'' خوب ! اچھا نمبر ایک ... تم ہمارے بیوی بچوں کو خفیہ ٹھکانے سے ہمارے گھر پہنچا دو ابھی۔'' انھوں نے ہدایات جاری کرتے ہوئے کہا۔

'' او کے سر۔''

فون بند کر کے وہ اپنے ساتھیوں کی طرف مڑے ۔

'' اب پہلے گھر ... ذرا گھر والوں کی بھی تو کھری کھری سن لینی چاہییں، ہمارے گھر پہنچنے تک وہ لوگ بھی گھر پہنچ چکے ہوں گے ۔''

'' بالکل ٹھیک ۔'' سب نے ایک ساتھ کہا۔

جونہی ان کی گاڑی گھر کے دروازے پر رکی ... دروازہ کھل گیا ...

'' آ گئے ۔'' نعرہ گونجا۔

'' ہائیں ... اندر تو بہت سی آوازیں گونجی ہیں ۔'' انسپکٹر جمشید نے کہا ۔

'' اس کا مطلب ہے ... ہمیں کہیں جانے کی ضرورت پیش نہیں

آئے گی... پریشانی کے عالم میں ان سب نے اس گھر میں ڈیرا جما لیا ہے شاید۔"

"ضرور یہی بات ہے۔"

دروازے پر پہنچ کر انہوں نے ایک ساتھ کہا۔

"السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔"

اندر سے بھی سب کی آوازیں ایک ساتھ گونجیں۔

"وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔"

اندر سب لوگ جمع تھے... خان رحمان اور پروفیسر داؤد کے گھر کے سب لوگ وہیں آئے ہوئے تھے... بلکہ ظہور بھی سلمیٰ سمیت موجود تھا۔

"یہ اچھا ہوا... کہ سب لوگ یہیں مل گئے... ہمیں باری باری باقی دو گھروں میں نہیں جانا پڑے گا۔"

"اور ہم نے آپ لوگوں کے لیے بے شمار مزیدار چیزیں تیار کی ہیں۔" بیگم جمشید نے مسرت سے بھرپور لہجے میں کہا۔

"ہائیں بیگم... تم لوگوں کو پہلے ہی کس طرح پتا چل گیا تھا کہ ہم آ رہے ہیں۔"

"صدر صاحب نے فون کر دیا تھا۔"

"وحشت تیرے کی۔" محمود نے ہنس کر کہا۔

"یہاں وحشت تیرے کی کا کیا موقع۔" فاروق نے اسے گھورا۔

"تو پھر کس کا موقع ہے۔" محمود اس کی طرف الٹ پڑا۔

"پپ پتا نہیں۔" فاروق ہکلایا۔

"یہ تم مجھ سے پوچھو کہ کس کا موقع ہے۔" فرزانہ نے فوراً کہا۔

"چلو تم..."

اس کے الفاظ درمیان میں رہ گئے... عین اس لمحے ایک بہت عجیب بات ہوئی تھی...

☆☆☆☆☆
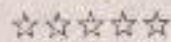
ہولناک آواز

ان کے صدر دروازے سے کوئی چیز زور سے ٹکرائی تھی ... دروازے میں فوراً ہی سوراخ ہو گیا تھا اور اس سوراخ میں سے ایک ہاتھ اندر آیا تھا ...

ان سب کی چیخیں نکل گئیں ... کیونکہ وہ ہاتھ انسانی ہاتھ نہیں تھا ... بلکہ کسی روبوٹ کا تھا اور اس کیس میں ان کی ملاقات پہلے ہی روبوٹ سے ہو چکی تھی ... ان کی آنکھوں میں خوف سما گیا ... ... ہاتھ اندر آتے ہی نکل گیا تھا ... ایک بار پھر دروازے پر ضرب لگی ... اور دروازہ دھڑام سے اندر آ گرا۔

''اوپر جلدی۔'' انسپکٹر جمشید چلا اٹھے۔

اور پھر سب کے سب اوپر کی طرف دوڑ پڑے ... نچلی منزل میں کوئی بھی نہ رہا ... ادھر دروازے کے گرتے ہی روبوٹ اندر آ گیا ... انہوں نے صاف طور پر دیکھا ... یہ وہی تھا ... کوئی نیا روبوٹ نہیں تھا ...

سب نے اوپر پہنچتے ہی زینے کا دروازہ اندر سے بند کر لیا ... یہ لکڑی کا نہیں، لوہے کا تھا ... لیکن وہ جانتے تھے ... روبوٹ کے مقابلے میں یہ بھی زیادہ دیر تک نہیں ٹھہر سکتا تھا ...

''اب کیا کریں جمشید۔'' پروفیسر داؤد نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''محمود ... فاروق، فرزانہ اور سب فوراً بیگم شیرازی کی چھت پر چلے جائیں ... میں اسے روکتا ہوں۔''

''تت ... تم ... جمشید تم ... کیسے روک لو گے بھلا اسے؟'' پروفیسر ہکلائے۔

''میں ... کچھ نہ کچھ تو کروں گا ... لیکن صرف اس صورت میں ... جب آپ سب فوراً بیگم شیرازی کی چھت پر چلے جائیں گے۔''

''اچھی بات ہے ... لیکن ہم وہاں کریں گے کیا ... میرا مطلب ہے ... روبوٹ کو روکنے یا اس کا مقابلہ کرنے کے لیے کیا کریں۔''

''آگ یا پٹرول کا انتظام کرو ... جاؤ ... وہ اوپر آ رہا ہے ...''

''تب پھر ہم چھت پر رک کر کیا کریں گے ... سیدھے نیچے جائیں گے ... ہم ہاتھوں سے اسے نہیں روک سکتے۔'' محمود نے جلدی جلدی کہا۔

"تم ٹھیک کہتے ہو۔"

ان سب نے بیگم شیرازی کی چھت پر دھما دھم چھلانگیں لگا دیں

... ایسے میں نیچے سے خوف زدہ آواز میں کہا گیا۔

"یا الٰہی! یہ میری چھت پر کیا ہو رہا ہے۔"

"یہ ہم ہیں آنٹی ... بھاگنے کی تیاری کر لیں۔"

بھ ... بھاگنے کی ... کیا مطلب؟" وہ چلائیں۔

"آپ نے کس کا مطلب پوچھا ہے ... بھاگنے کا یا تیاری کا۔"

فاروق نے بوکھلا کر پوچھا۔

"بے تکی تک۔" نیچے سے بیگم شیرازی نے جھلا کر کہا۔

اتنے میں وہ دھڑ دھڑ سیڑھیاں اترتے چلے گئے ...

"ہمارے گھر میں ایک عدد روبوٹ صاحب موجود ہیں ... شاید

وہ اب تک ہماری چھت پر آچکے ہوں گے ... اس کے بعد وہ آپ کے

گھر کی چھت پر آئیں گے ... لہٰذا بھاگنے میں ہی بھلائی ہے۔"

"اللہ اپنا رحم فرمائے۔" وہ بوکھلا اٹھیں۔

"آمین۔" سب نے ایک ساتھ کہا۔

"بس نکل چلیں ... ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے ...

اگر ابا جان روبوٹ کو نہ روک سکے تو وہ سیدھا اوپر آئے گا ... پھر

ظاہر ہے ... نیچے کا رخ کرے گا ... اس وقت ہم کیا کریں گے ... کیا

کر سکیں گے ... شاید کچھ بھی نہیں ... لہٰذا جلدی کریں ..."

یہ کہتے ہی محمود نے باہر کی طرف دوڑ لگا دی ... اس کے ساتھ

باقی سب نے باہر کا رخ کیا ... باہر نکلتے ہی فرزانہ نے دروازہ باہر سے

بند کر دیا تاکہ اس روبوٹ کو باہر نکلنے میں کچھ تو دیر لگے ... اگرچہ

وہ جانتے تھے ... لکڑی کے دروازے اس کے لیے کوئی چیز نہیں تھی ...

"ہم آنٹی کے گھر میں رک کر جنگ کی تیاری نہیں کر سکتے ...

سامنے والا گھر اکرم نیازی صاحب کا ہے ... وہاں چل کر آگ کا

انتظام کرتے ہیں، کیا خیال ہے۔"

"ٹھیک ہے ... لیکن ہم جمشید کے لیے پریشان ہیں۔"

"آپ ان کی فکر نہ کریں ... وہ گھر میں ٹھہرے ہیں تو کچھ سوچ

کر ہی ٹھہرے ہوں گے۔"

"آیئے ..." محمود نے یہ کہتے ہی سامنے والے گھر کی طرف

دوڑ لگا دی ... چند سیکنڈ بعد ہی وہ دروازے پر دستک دے رہا تھا ...

دروازہ جلدی کھل گیا ... کیونکہ محمود کا دستک دینے کا انداز گھبراہٹ میں

جتا کر دینے والا تھا ... دروازہ کھولنے والی بیگم نیازی تھیں ... محمود اور

سب لوگوں کو دروازے پر دیکھ کر وہ بوکھلا اٹھیں۔

''خیر تو ہے محمود ۔''

''جی نہیں ... آپ پہلے ہمیں اندر آنے دیں ۔''

''آیئے ... '' وہ ایک طرف ہٹ گئیں ۔

وہ سب اندر داخل ہو گئے ۔

''ہم اس وقت شدید خطرے میں ہیں ... ہمیں دشمن کے مقابلے کے لیے گیس کے پائپ کی ضرورت ہے ... یعنی ہم اس کا مقابلہ آگ سے کر سکتے ہیں ... وہ آگ سے گھبراتا ہے ... یا پھر اسے کنویں میں دھکا دے دیا جائے ... تب ہم اس سے بچ سکتے ہیں ... لیکن ظاہر ہے ... آپ کے گھر میں کنواں تو ہو گا نہیں ... ہاں گیس ضرور ہو گی ... کیا آپ ایک عدد پائپ مہیا کر سکتی ہیں ... '' محمود بلا کی تیزی سے کہتا چلا گیا ...

''توبہ ہے تم سے ... مختصر بات نہیں کر سکتے تھے ... '' فرزانہ نے جھلا کر کہا ۔

'' چلو اب تو ہو گئی ... اب تو وہ مختصر ہونے سے رہی ... ہاں تو آنٹی ۔''

''میں ربڑ کا پائپ تو دے دیتی ہوں ... لیکن اس کے سرے پر جب آگ لگائی جائے گی تو پائپ بھی تو جلنے لگے گا ۔''

'' ہاں ! یہ بات ہے ... لیکن پروفیسر صاحب کے پاس تمباکو پینے والا پائپ ہوتا ہے ... اس کی نلکی اسٹیل کی ہے ... ہم اسے پائپ سے الگ کر لیتے ہیں ... اور ربڑ کے پائپ کے آگے لگا لیتے ہیں ۔''

'' یہ ٹھیک رہے گا ۔'' محمود خوش ہو گیا ۔

بیگم نیازی حرکت میں آ گئیں ... ایسے میں محمود نے فاروق سے کہا ۔

''فاروق تم چھت پر چلے جاؤ ۔''

''چھت پر ... وہ کیوں ؟''

'' بھئی روبوٹ کی خبر نظر کرتے رہنا ۔''

'' اوہ اچھا ۔'' اس نے کہا اور زینے کی طرف چلا گیا ۔

'' اور ، فرزانہ تم کچن میں جاؤ ... آنٹی کی مدد کرو ... اس طرح وہ آسانی سے آگ کا بندوبست کر سکیں گی ۔''

'' اچھی بات ہے ، چلی جاتی ہوں ۔'' فرزانہ نے کہا اور باورچی خانے کی طرف چلی گئی ... ایسے میں اوپر سے فاروق کی آواز سنائی دی ۔

'' لگتا ہے ... ہمارے گھر میں معرکہ کارزار گرم ہو چکا ہے ۔''

''تب پھر کیا خیال ہے ... جمشید کی مدد کے لیے چلیں ۔'' خان

''خیر تو ہے محمود۔''

''جی نہیں ... آپ پہلے ہمیں اندر آنے دیں۔''

''آیئے ... ''وہ ایک طرف ہٹ گئیں۔

وہ سب اندر داخل ہو گئے۔

''ہم اس وقت شدید خطرے میں ہیں ... ہمیں دشمن کے مقابلہ کے لیے گیس کے پاپ کی ضرورت ہے ... یعنی ہم اس کا مقابلہ آگ سے کر سکتے ہیں ... وہ آگ سے گھبراتا ہے ... یا پھر اسے کنویں میں دھکا دے دیا جائے ... تب ہم اس سے بچ سکتے ہیں ... لیکن ظاہر ہے ... آپ کے گھر میں کنواں تو ہو گا نہیں ... ہاں گیس ضرور ہو گی ... کیا آپ ایک عدد پاپ مہیا کر سکتی ہیں ... ''محمود بلا کی تیزی سے کہتا چلا گیا...''

''توبہ ہے تم سے ... مختصر بات نہیں کر سکتے تھے ... ''فرزانہ نے جھلا کر کہا۔

''چلو اب تو ہو گئی ... اب تو وہ مختصر ہونے سے رہی ... ہاں تو آنٹی۔''

''میں ربڑ کا پاپ تو دے دیتی ہوں ... لیکن اس کے سرے پر جب آگ لگائی جائے گی تو پاپ بھی تو جلنے لگے گا۔''

''ہاں! یہ بات ہے ... لیکن پروفیسر صاحب کے پاس تمباکو پینے والا پاپ ہوتا ہے ... اس کی نلکی اسٹیل کی ہے ... ہم اسے پاپ سے الگ کر لیتے ہیں ... اور ربڑ کے پاپ کے آگے لگا لیتے ہیں۔''

''یہ ٹھیک رہے گا۔''محمود خوش ہو گیا۔

بیگم نیازی حرکت میں آ گئیں ... ایسے میں محمود نے فاروق سے کہا۔

''فاروق تم چھت پر چلے جاؤ۔''

''چھت پر ... وہ کیوں؟''

''بھئی روبوٹ کی خبر نشر کرتے رہنا۔''

''اوہ اچھا۔''اس نے کہا اور زینے کی طرف چلا گیا۔

''اور فرزانہ تم کچن میں جاؤ ... آنٹی کی مدد کرو... اس طرح وہ آسانی سے آگ کا بندوبست کر سکیں گی۔''

''اچھی بات ہے، چلی جاتی ہوں۔''فرزانہ نے کہا اور باورچی خانے کی طرف چلی گئی ... ایسے میں اوپر سے فاروق کی آواز سنائی دی۔

''لگتا ہے ... ہمارے گھر میں معرکہ کارزار گرم ہو چکا ہے۔''

''تب پھر کیا خیال ہے ... جمشید کی مدد کے لیے چلیں۔''خان

رحمان نے فوراً کہا۔

''وہ اس بات کو پسند نہیں کریں گے۔'' پروفیسر نے فوراً کہا۔

''اچھی بات ہے... ہم بیٹھے رہیں گے... اور دیکھیں گے کہ روبوٹ کے خلاف کیا کر سکتے ہیں۔''

''یہ روبوٹ تو ہمارے پیچھے ہاتھ دھو کر ہی پڑ گیا۔'' محمود نے منہ بنایا۔

''اللہ مالک ہے۔''

ایسے میں ان کے گھر سے ایک ہولناک آواز سنائی دی... ان کے دل دہل گئے... یوں لگا تھا جیسے وہاں کوئی بم دھماکہ ہوا ہے... انہوں نے فوراً چھت کا رخ کیا...

''کیا ہوا فاروق۔''

''پتا نہیں چل سکا... بس دھماکے کی آواز سنائی دی ہے۔''

عین اس وقت انہوں نے اپنے والد کو گھر سے نکلتے دیکھا... وہ اس گھر کی طرف آ رہے تھے...

''خیر تو ہے ابا جان۔'' وہ ایک ساتھ چلائے۔

''میں اس کے مقابلے میں پوری طرح ناکام ہو چکا ہوں... اپنی جان بچانے کے لیے مجھے باہر آنا پڑا ہے... تفصیلات پھر۔''

''بچیے۔'' فاروق چلایا۔

انسپکٹر جمشید نے فوراً دائیں طرف چھلانگ لگا دی... اور یہی چیز انہیں بچا گئی... ان کے گھر کے ساتھ ان کے محلے کے درمیان ایک کشادہ جگہ پر ایک طرف روبوٹ کھڑا تھا... تو دوسری طرف انسپکٹر جمشید... اور اس وقت تک ہولناک آواز کی وجہ سے ان کے آس پاس کے تمام گھروں سے لوگ باہر نکل آئے تھے... ان سب نے اب روبوٹ کو دیکھ لیا تھا... خوف کے ایک عالم نے ان سب کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا...

''فرزانہ... گیس کا پائپ۔''

''ہاں... تم میدان میں چلو... ابا جان کو تنہا نہیں چھوڑا جا سکتا۔''

''بب... بالکل۔'' خان رحمان ہکلائے۔

اور پھر انہوں نے باہر کی طرف دوڑ لگا دی... گھر کے باہر نکلتے ہی انہوں نے دیکھا... روبوٹ ان کے والد کی طرف بڑھ رہا تھا...

''پروفیسر انکل... شیشے کی گیند... کیونکہ اسے پھینکنا نہیں پڑتا... اس لیے وہ پلٹ کر آپ کی طرف نہیں آئے گی۔'' اچانک فاروق نے کہا۔

''اوہ ہاں ... پہلے کیوں یہ بات نہیں بتائی۔''

''لیکن انکل ... اب تو بتا دی۔''

انہوں نے سر ہلایا... جیب سے گیند نکالی اور فاروق کو دے دی...

''تم لڑھکاؤ... میرا نشانہ خطا ہو سکتا ہے۔''

''اچھی بات ہے۔''

اس نے گیند اس سمت میں لڑھکا دی ... جس سمت سے روبوٹ آ رہا تھا... انسپکٹر جمشید نے بھی لڑھکتی گیند کو دیکھا... ایسے میں روبوٹ نے اپنا رخ بدل لیا... یہ دیکھ کر محمود نے بلا کی تیزی سے دوڑ لگا دی... اور گیند کے نزدیک پہنچ گیا... اس نے فوراً گیند کو ایک ہلکا سا دھکا لگایا ... اس طرح کہ اسے چوٹ نہ لگ سکے ... اور اس کا رخ پھر روبوٹ کی طرف ہو گیا ... روبوٹ کو بھی فوراً خطر کا احساس ہو گیا ... اور دراصل یہ احساس اسے نہیں ہوا تھا ... وہ تو آلات کا بنا ہوا تھا... اسے ڈرائیو کرنے والے کو یہ احساس ہوا تھا ... ظاہر ہے ... وہ روبوٹ میں لگے کیمروں کے ذریعے سب کچھ دیکھ رہے تھا ... اس طرح روبوٹ کا رخ بدل گیا...

یہ دیکھ کر فاروق بھی آگے بڑھا ... اس نے قدرے اونچی آواز میں کہا۔

''ہاکی کا انداز اختیار کرنا ہو گا۔''

''بالکل ٹھیک کہا تم نے فاروق ؟'' خان رحمان پر جوش انداز میں بولے۔

'' اور ہمیں روبوٹ کی پہنچ سے دور بھی رہنا ہو گا ... ایسا نہ ہو کہ ہم میں سے کسی کی بازو یا ٹانگ اس کے قابو میں آ جائے ... اس صورت میں حالات قابو سے باہر ہو جائیں گے ... ''انسپکٹر جمشید نے خبر دار کیا۔

'' اللہ اپنا رحم فرمائے ... ''پروفیسر داؤد کی آواز ابھری۔

اب انہوں نے گیند سے باقاعدہ ہاکی شروع کر دی ... لیکن وہ یہ کھیل ہاتھوں سے کھیل رہے تھے ... کیونکہ گیند کو چوٹ نہیں لگائی جا سکتی تھی ... ان سب کی کوشش تھی کہ گیند روبوٹ کے پیروں کے نیچے آ جائے ... ادھر روبوٹ اس گیند سے بچنے کی کوشش کر رہا تھا ... گویا اسے کنٹرول کرنے والے شخص کو بھی خطرے کا احساس ہو چکا تھا ... اس لیے اب روبوٹ پر حملہ کرنے کے بجائے گیند سے بچنے کی کوشش کرتا نظر آ رہا تھا ... اور اس کوشش میں وہ جلدی جلدی اپنا رخ بدل رہا تھا ... اور اس طرح یہ واقعی ہاکی کا دلچسپ کھیل بن گیا تھا ... ان کا گول روبوٹ کا پیر تھا ... ہر ممکن کوشش یہ تھی کہ روبوٹ گیند کی زد میں

آجائے ... گیند اس کے پیروں کے نیچے نہیں بھی آتی تو کم از کم اس کے پاؤں سے یا ٹانگ سے ٹکرا جائے ... ادھر روبوٹ کو کنٹرول کرنے والا اپنی مہارت کے جوہر دکھا رہا تھا ... روبوٹ پھرکی کی طرح حرکت کر رہا تھا ... اور انہیں یوں محسوس ہو رہا تھا ... کہ وہ یہ گول کبھی بھی نہیں کر سکیں گے ...

ان حالات میں انہوں نے فرزانہ کی پرسکون آواز سنی ۔

''میری طرف نہ دیکھیے گا ... اپنی نظریں گیند پر رکھیے گا ... اطلاعاً عرض ہے ... میں آگئی ہوں ... ربڑ کے پائپ کے سرے پر ایک لوہے کا نل لگانے میں کامیاب ہو گئی ہوں ... پائپ بہت لمبا ہے ... لمبا اس طرح ہے کہ دو پائپ جوڑے گئے ہیں ... پائپ کے سرے پر آگ کا شعلہ موجود ہے اور اب یہ شعلہ روبوٹ کی طرف بڑھ رہا ہے ... دیکھنا یہ ہے کہ آگ کے شعلے سے مسٹر روبوٹ کے اوسان خطا ہوتے ہیں یا نہیں ... جیسا کہ جزیرے پر ہوئے تھے ۔''

''بہت خوب فرزانہ ... تم نے کمال کر دیا ... تم ہم سے بچتے ہوئے ... پائپ روبوٹ تک پہنچانے کی کوشش کرو ۔''

''آپ فکر نہ کریں ... میں ایسا ہی کروں گی ۔''

ادھر اس وقت تک پورا محلہ باہر آچکا تھا ... عورتیں اور بچے

چھتوں پر چڑھ چکے تھے ... انہوں نے اپنی زندگی میں ایسی اور اس انداز کی لڑائی کبھی نہیں دیکھی تھی ... یہاں تک کہ فلموں میں بھی نہیں دیکھی تھی ... سب کی نظریں روبوٹ پر اور ان پر باری باری پڑ رہی تھیں ...

اب فرزانہ بہت احتیاط سے آگے بڑھی ... محمود ، فاروق ، فرزانہ ، انسپکٹر جمشید اور خان رحمان شیشے کی گیند کو بڑی مہارت سے لڑھکا رہے تھے ... لیکن دوسری طرف روبوٹ کو کنٹرول کرنے والا شخص بھی کم ماہر نہیں تھے ... یوں لگتا تھا جیسے وہ شطرنج کی بساط پر بیٹھا چالیں چل رہا تھا ... روبوٹ اس طرح پہلو بدل رہا تھا ... اچھل کود رہا تھا ... کہ ہر بار گیند سے بچ جاتا تھا اور گیند اس کے پیروں کے درمیان اور کبھی دائیں یا بائیں سے ادھر سے ادھر نکل رہی تھی ... اس لحاظ سے وہ اپنی زندگی کی انوکھی ترین جنگ لڑ رہے تھے ...

ایسے میں فرزانہ نزدیک پہنچ گئی ... وہ اس جنگ کے دائرے سے قدرے فاصلے پر زمین پر بیٹھ گئی اور پائپ کو زمین پر رکھ کر آگے بڑھانے لگی ...

''ہوشیار ... پائپ کا دھیان رہے ۔''

''ٹھیک ہے فرزانہ ... ''محمود نے جواب دیا۔

پھر اچانک انسپکٹر جمشید اچھلے ... اور پائپ کے قریب گرے...
انہوں نے یک دم پائپ کو اٹھا لیا ... اور اس کا سرا روبوٹ کی طرف
بڑھا دیا...

شعلے کو اپنی طرف بڑھتے دیکھ کر روبوٹ یک دم پیچھے ہٹا... اس
طرف محمود موجود تھا ... فاروق دوسری طرف تھا ... گیند فاروق کے
نزدیک تھی ... اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ ، گیند محمود کی طرف بڑھا دی
...اور ساتھ ہی محمود نے اسے آگے پاس کر دیا ... یہی وہ لمحہ تھا جب
روبوٹ شعلے کی وجہ سے پیچھے ہٹا تھا... بس ... اس کا پیر گیند پر آ گیا...

ایک کان پھاڑ دینے والا دھماکا ہوا ... بجلی سی کڑکی اور بجلی کی
چکا چوند آنکھوں کو خیرہ کر گئی ... وہ دوبارہ دیکھنے کے قابل ہوئے تو
روبوٹ زمین پر اوندھا پڑا نظر آیا...

''وہ مارا ۔'' محمود چلا اٹھا ۔

''خبر دار اپنی جگہ پر رہو ... ابھی کچھ نہیں کہا جا سکتا ۔'' انسپکٹر
جمشید نے بلند آواز میں کہا ۔

سب اپنی جگہ ساکت ہو گئے ... ان کی نظریں روبوٹ پر جمی
تھیں...

''کک ... کیا یہ ... مر چکا ہے ۔'' خان رحمان بڑبڑائے ۔

''کیا ہم روبوٹ کے لیے مرنے کا لفظ استعمال کر سکتے ہیں؟''

''ن ... نہیں ... ہم یوں کہہ سکتے ہیں ... کیا یہ تباہ ہو چکا
ہے ۔''

''پھر بھی ہم اسے روبوٹ کی لاش کہہ سکتے ہیں ۔'' محمود نے کہا۔

''کک ... کیا کہا ... رو... رو... روبوٹ کی لاش ۔'' فاروق
کے منہ سے مارے حیرت کے اٹک اٹک کر نکلا ۔

''ہاں کیوں ... کیا ہوا ؟'' محمود نے اسے گھورا ۔

''مم ... میرا مطلب ہے ... یہ تو کسی ناول کا نام ہو سکتا ہے ۔''

''دھت تیرے کی ۔'' محمود نے جھلا کر اپنی ران پر ہاتھ مارا ۔

عین اس وقت ان کی آنکھیں خوف سے پھیل گئیں ۔

☆☆☆☆☆

آخری جنگ

انہوں نے دیکھا... روبوٹ اٹھ رہا تھا... گویا شیشے کی گیند نے اسے زمین تو دکھا دی تھی... لیکن اسے تباہ نہیں کر سکی تھی...

''ارے باپ رے...'' مارے خوف کے فاروق کے منہ سے نکلا۔

انسپکٹر جمشید نے فوراً گیس کا پائپ اٹھا لیا... اور پائپ کا سرا اس کی کمر سے چھو دیا... شعلہ جونہی اس کے جسم سے لگا... اس کے پورے جسم نے آگ پکڑ لی...

''وہ مارا...'' وہ ایک ساتھ چلائے۔

جلد ہی اس سے شعلے اٹھتے نظر آئے... لیکن یہ شعلے صرف چند سیکنڈ تک بلند ہوئے... پھر یک دم بجھ گئے... روبوٹ بدستور کھڑا نظر آیا...

''یہ... یہ کیا ہوا... شعلے اس قدر جلد بجھ گئے اور اس کا کچھ

بھی نہیں بگڑا... ویسے بھی یہ آگ سے اس طرح نہیں ڈرا تھا... جس طرح جزیرے پر۔''

''اس کا مطلب یہ ہے کہ اس میں کچھ تبدیلیاں کی گئی ہیں... اب آگ اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی اور نہ دھماکا خیز مواد اسے توڑ پھوڑ سکتا ہے۔''

''تب تو یہ ہمارے لیے ٹیڑھی کھیر ثابت ہونے والا ہے... تو پھر جمشید بھاگ چلو۔'' پروفیسر داؤد چلائے۔

''جی جی... پروفیسر انکل... کیا کہا۔'' مارے حیرت کے محمود کے منہ سے نکلا۔

''اس وقت اس سے جان بچانے کے لیے بھاگنا ہی ہو گا... جیسا کہ یہ جزیرے سے بھاگ نکلا تھا... ارے...'' جملہ ختم کرنے کے بعد انہوں نے چونک کر ارے کہا... لیکن وہ وقت یہ پوچھنے کا نہیں تھا کہ انہوں نے ارے کیوں کہا ہے۔

''پروفیسر صاحب ٹھیک کہہ رہے ہیں... ہمیں بھاگنا ہو گا... اگر یہ سیدھا کھڑا ہو گیا تو سمجھ لو... یہ ایک بار پھر لڑنے کے قابل ہو گا... جب کہ ہمارے دو حربے مکمل طور پر ناکام ہو چکے ہیں... اور اس وقت ہمارے پاس اس سے لڑنے کا کوئی طریقہ موجود نہیں... ان

حالات میں ہم نے مقابلہ کیا تو... شکست ہمارا مقدر ہوگی... اچھا
سالار ایسے موقعوں پر اپنی فوج کو پیچھے ہٹا لیتا ہے اور پھر سے تیاری کر
کے وار کرتا ہے... ہم بھی یہی کریں گے۔" خان رحمان کہتے چلے
گئے۔

"لیکن انکل... ہمارے پڑوسی کیا کہیں گے ہمیں... یہی نا کہ
میدان چھوڑ کر بھاگ گئے۔" محمود نے پریشانی کے عالم میں کہا۔

"نہیں نہیں... ان لوگوں نے لڑائی کا سارا منظر اپنی آنکھوں
سے دیکھا ہے... ہم نے خوب ڈٹ کر مقابلہ کیا ہے... یہ انسان نہیں،
روبوٹ ہے... مشینی مخلوق... لہٰذا مقابلہ برابر کا نہیں... یہ بات یہ
سب حضرات اچھی طرح محسوس کر چکے ہیں... ہم نے جتنا مقابلہ کیا،
وہ کم نہیں... بے شک ان سے پوچھ لیں۔"

"یہ ٹھیک کہہ رہے ہیں... آپ جان بچائیں... مقابلہ تو پھر
بھی ہوتا رہے گا..." ان کے ایک پڑوسی نے خلوص دل سے کہا۔

اس وقت تک روبوٹ سیدھی طرح کھڑا ہو چکا تھا... اب وہ
مزید نہیں رک سکتے تھے... لہٰذا بھاگ کھڑے ہوئے، باقی خواتین اور
بچے وہیں پڑوسی کے گھر میں ہی رہ گئے... انہوں نے بہت دور جا کر
سانس لیا... اور پھر اکرم کو فون کر کے گاڑی لانے کی ہدایات دیں...

انہوں نے اندازے سے وہ جگہ بھی بتا دی... جہاں وہ اسے سڑک پر
مل سکتے تھے... اس طرح وہ وہاں سے آگے بڑھتے رہے... یہاں
تک کہ دوسری سمت سے اکرام آگیا... وہ فوراً گاڑی میں بیٹھ گئے...

"اکرام... خفیہ ٹھکانہ نمبر 3۔" انسپکٹر جمشید نے دبی آواز میں
کہا۔

"بہت بہتر سر۔"

گاڑی تیز رفتاری سے چلتی رہی... یہاں تک کہ وہ خفیہ ٹھکانے
نمبر تین میں داخل ہو گئے... فوراً ہی دروازہ بند کر لیا گیا... عمارت
کے انچارج کو ساری بات بتا دی گئی... ان کے خاموش ہونے پر اس
نے کہا۔

"آپ فکر نہ کریں... اول تو روبوٹ ادھر کا رخ نہیں کرے گا
... کیونکہ اسے کیا پتا کہ آپ لوگوں یہاں آگئے ہیں... اور اگر انہوں
نے آلات کے ذریعہ آپ کا سراغ لگا لیا تب بھی کوئی بات نہیں۔" یہ
کہتے ہوئے اس نے سر کو جھٹکا۔

"تم ٹھیک کہتے ہو... اس عمارت میں رہتے ہوئے ہم روبوٹ
سے نبٹ لیں گے... کیونکہ یہاں کے انتظامات اور ہی قسم کے ہیں اور
پھر پروفیسر صاحب بھی یہاں اپنے فن کا مظاہرہ کر سکیں گے... یہاں

ان کے لیے بہت سی چیزوں کا پہلے سے انتظام ہے۔"

"بالکل ٹھیک جمشید ... ہمیں اپنی تیاری شروع کر دینی چاہیے ... دشمن کے مقابلے میں تیاری جاری رکھنے کا حکم تو ہمارے اللہ تعالیٰ نے بھی دیا ہے ... یہ نہیں کہ اگر روبوٹ اس طرف نہیں آسکتا تو ہم ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جائیں۔"

"بالکل ٹھیک۔"

اور پھر وہ سب اپنی اپنی تیاریوں میں لگ گئے ... یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے روبوٹ ضرور اس عمارت کی طرف آئے گا اور ان پر حملہ آور ہو گا ... کیونکہ یہ بات وہ جان چکے تھے کہ اب روبوٹ انھیں کوئی رعایت دینے کے لیے تیار نہیں ہے... جزیرے کی حد تک ان کے دشمنوں کی پالیسی اور تھی ... اس وقت وہ انھیں بے بسی کے احساس میں مبتلا کرنا چاہتا تھا، لیکن اب وہ ان سے ہر حال میں چھٹکارا پانا چاہتا تھا ... اگر یہ بات نہ ہوتی تو ان کے گھر پر حملہ آور نہ ہوتا ... اور اس کا مطلب تھا... وہ یہاں کا بھی سراغ لگا لے گا ... اس عمارت کی خوبی یہ تھی کہ اس میں باقاعدہ مورچے تھے ... سائنسی آلات نصب تھے... ہر قسم کا اسلحہ بھی موجود تھا ... گویا یہاں رہ کر وہ ... ایک پوری فوج سے ٹکر لے سکتے تھے، لیکن اس وقت مسئلہ فوج کا تو تھا ہی نہیں ...

مقابلہ تھا روبوٹ سے ... جس پر گولی اثر نہیں سکتی تھی ... پہلے آگ اس پر اثر انداز ہوتی تھی ... اب روبوٹ بنانے والے نے اس کا علاج بھی کر لیا تھا ... اور آگ والا فارمولا بھی فیل ہو گیا تھا ... اسی لیے وہ اپنی تیاریوں میں ضرور مصروف تھے، لیکن ساتھ میں فکر مند بھی تھے ... کہ روبوٹ کا مقابلہ کس طرح کریں گے ... ایسے میں فاروق نے کہا۔

"فرزانہ اپنی عقل کو ہاتھ مارو۔"

"وہ کیوں؟" فرزانہ نے اسے کھا جانے والی نظروں سے گھورا۔

"اس طرح تو نہ گھورو۔" محمود ہنس پڑا۔

"تم نے بتایا نہیں ... میں کس خوشی میں اپنی عقل کو ہاتھ ماروں۔"

"یوں تو کسی بھی خوشی میں عقل کو ہاتھ مارا جا سکتا ہے۔" پروفیسر داؤد نے ہنس کر کہا۔

"دھت تیرے کی ... یہ کوئی تک ... میرا مطلب تھا ... ان حالات میں روبوٹ سے مقابلہ کرنے کی کوئی ترکیب سوچو۔"

"اوہ اچھا! یہ بات ہے ... تو میرے پیارے اور بے وقوف بھائی ... اس میں عقل کو ہاتھ مارنے کی ضرورت نہیں ... ہاں عقل پر زور دینے کی ضرورت ہے اور وہ تمھیں دینے کے لیے تیار ہوں ..."

اس نے جلدی جلدی کہا۔

''کیا دینے کے لیے تیار ہوں۔'' پروفیسر اپنے ایک آلے سے الجھ رہے تھے... بے خیالی کے عالم میں بول اٹھے۔

''جی... عقل پر زور دینے کی۔'' فرزانہ مسکرائی۔

''اوہ ہاں... ٹھیک ہے... ضرور زور دو... روکا کس نے ہے۔''

''فرزانہ... فاروق کی تجویز معقول ہے... ہم روبوٹ کا مقابلہ عقل سے کر سکتے ہیں... اور تم جانتی ہی ہو... عقل ہاتھی سے بھی بڑی چیز ہے...'' انسپکٹر جمشید کے لہجے میں حد درجے سنجیدگی تھی۔

''ہائیں... کیا کہا آپ نے ہاتھی۔'' فرزانہ اچھلی۔

''ہاں... ہاتھی ہی کہا ہے... گھوڑا نہیں کہا۔'' فاروق نے جلے کٹے انداز میں کہا۔

''توبہ ہے تم سے... ہاتھی سے گھوڑے پر آ گئے۔''

''اب میں ہاتھی سے ہوائی جہاز پر تو جانے سے رہا۔''

''لگتا ہے... ہم باتوں میں وقت ضائع کرتے رہیں گے... نہ کوئی ترکیب سوچیں گے... اور نہ مقابلے کی تیاری کریں گے... خان رحمان کی جھلائی ہوئی آواز سنائی دی۔''

''خیر خان رحمان... یہ تو تم نہیں کہہ سکتے... میں تو اپنی تیاری کر رہا ہوں... اور تم دیکھو گے... ان شاء اللہ! میرا ہتھیار کارگر رہے گا۔''

''اس سے اچھی بات اور کیا ہو سکتی ہے...'' انسپکٹر جمشید نے خوش ہو کر کہا۔

''لیکن فرزانہ کو بھی کوئی ترکیب ضرور سوچنی چاہیے۔'' فاروق نے فوراً کہا۔

''میں سوچ رہی ہوں... تم فکر نہ کرو... اور اپنی خبر لو... میرا مطلب ہے... خود بھی مقابلے کے لیے کچھ کرو۔''

''اچھی بات ہے۔''

اور پھر وہ سب مصروف ہو گئے... فرزانہ کسی بہت گہری سوچ میں غرق ہو چکی تھی... کافی دیر گزرنے پر اس کے منہ سے نکلا۔

''ہاتھی... شیر... گینڈا۔''

''کیا ہوا... کسی جنگل میں تو نہیں پہنچ گئیں۔'' فاروق نے حیران ہو کر کہا۔

''پہنچنے کو ہم کہاں نہیں پہنچ سکتے۔'' محمود نے گانے کے انداز میں کہا۔

"لگتا ہے ... کوئی ترکیب سوجھ گئی ہے ..." خان رحمان نے اس کی طرف غور سے دیکھا۔

"یہی بات ہے انکل۔"

"بس تو پھر بتاؤ جلدی سے۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

فرزانہ نے ترکیب بتا دی اور وہ ایک ساتھ پکار اٹھے:

"بہت خوب فرزانہ ... تمہارا جواب نہیں۔"

رات بھر وہ کام کرتے رہے ... یہاں تک کہ مارے تھکن کے ان کا برا حال ہو گیا ... آخر صبح ہو گئی ... دن کا اجالا پھیلنے لگا ... انہوں نے فجر کی نماز ادا کی ... اور ناشتے کی تیاری کرنے لگے ... ایسے میں عمارت کا انچارج گھبرایا ہوا اندر داخل ہوا اور اس نے کہا۔

"خطرہ عمارت کی طرف بڑھ رہا ہے ... اور وہ روبوٹ کی صورت میں ہی ہو سکتا ہے۔"

"اس کا مطلب ہے ... انہوں نے ہمارے اس ٹھکانے کی سراغ لگا لیا ہے۔"

"جی ہاں سر۔"

"کوئی بات نہیں ... مورچے سنبھال لیے جائیں ... آپ میں سے کوئی شخص روبوٹ پر فائر نہیں کرے گا ... ہم اس سے خود نبٹ لیں

گے۔"

"بہت بہتر سر۔"

اب انہوں نے جلدی جلدی مورچے سنبھال لیے ... وہ عمارت سے باہر دیکھنے کے قابل تھے ... عمارت کی دیواروں میں بنے سوراخوں میں ایسے شیشے لگے ہوئے تھے کہ باہر کا منظر چاروں طرف کا دیکھا جا سکتا تھا ... آخر انہوں نے روبوٹ کو آتے دیکھا ... اسے ایک گاڑی لے کر آئی تھی ... عمارت سے دور سڑک پر گاڑی نے اسے نیچے اتار دیا تھا اور گاڑی آگے بڑھ گئی تھی ...

روبوٹ سیدھا عمارت کی طرف بڑھا چلا آ رہا تھا ... ان سب کی نظریں اس پر جمی ہوئی تھیں اور دل بری طرح دھڑک رہے تھے ... اب تک کئی بار اس سے جھڑپ ہو چکی تھی ... لیکن وہ اسے ختم نہیں کر سکے تھے ... اب انہیں اس بات کا انتظار تھا کہ ان کی رات بھر کی محنت ان کے کام آتی ہے یا نہیں ...

آہستہ آہستہ وہ عمارت کے نزدیک آتا جا رہا تھا ... اس کا رخ صدر دروازے کی طرف تھا ... گویا وہ صدر دروازہ توڑ کر اندر آنا چاہتا تھا ... اور یہی وہ چاہتے تھے ... یوں وہ دیوار توڑ کر بھی اندر آ سکتا تھا، لیکن دروازہ توڑنا دیوار توڑنے کی نسبت آسان تھا ... ان کی نظریں

بدستور روبوٹ پر جمی تھیں ... دل دھک دھک کر رہے تھے ... آخر وہ
عین دروازے کے سامنے پہنچ گیا ... گویا اب اسے صرف چند قدم
اٹھانے تھے ... اور وہ دروازے پر پہنچ جاتا ...

اور اس نے قدم اٹھا دیے ... ایک دو تین ... اس کے بعد وہ
اچانک نظروں سے غائب ہو گیا ... جونہی ایسا ہوا ... ان کے چہروں پر
رونق آ گئی ... ان سب کے منہ سے ایک ساتھ نکلا ...

''وہ مارا۔''

''بہت خوب ... شان دار۔'' پروفیسر داؤد چلائے۔

''اللہ نے مہربانی فرمائی۔'' انسپکٹر جمشید کے منہ سے نکلا۔

صدر دروازے کو انہوں نے اندر سے بند ہی رہنے دیا ... پچھلے
دروازے سے نکل کر چکر کاٹ کر صدر دروازے کی طرف آئے ...
انہوں نے دیکھا... دروازے کے سامنے ایک بہت بڑا گہرا گڑھا تھا...
اور روبوٹ اس گڑھے میں تھا ... وہ باہر نکلنے کے لیے خوب ہاتھ پاؤں
مار رہا تھا ... لیکن اس کے ہاتھ پاؤں مارنے کی وجہ سے گڑھا اور گہرا
ہوتا جا رہا تھا ... کیونکہ گڑھے میں پانی بھی چھوڑا گیا تھا اور انہوں نے
تمام رات یہی کام کیا تھا ...

وہ روبوٹ کو شکست دے چکے تھے ... لیکن ابھی ان کا کام باقی

تھا اور انہوں نے اپنا کام شروع کر دیا ... عمارت کے پچھلی طرف
پہاڑی علاقہ تھا... وہاں بے شمار پتھر پڑے تھے ... سب پتھر اٹھا اٹھا کر
لانے لگے اور اس گڑھے میں لڑھکانے لگے ... وہ اس کے چاروں
طرف پتھر گرا رہے تھے ... ان پتھروں کی وجہ سے اس کی حرکات کم
سے کم ہوتی جا رہی تھیں ... وہ پتھروں کے درمیان پھنستا جا رہا تھا...
یہی وہ چاہتے تھے ... وہ ان میں پھنس جائے ... اس کے باہر نکلنے کا
کوئی امکان نہ رہ جائے ... تبھی وہ اس کی طرف سے بے فکر ہو سکتے
تھے ... اور گڑھا اتنا گہرا تھا کہ وہ پتھروں پر پیر رکھ کر بھی اس کے اوپر
تک نہیں آ سکتا تھا ... وہ کافی نیچے نظر آ رہا تھا... بلکہ اب تو وہ پتھروں
کے درمیان چھپتا جا رہا تھا ... ایسے میں محمود کے منہ سے نکلا۔

''روبوٹ کی لاش۔''

''بھئی واہ ... یہ تو کسی ناول کا نام ہو سکتا ہے ...'' فاروق
خوش ہو گیا۔

وہ پتھر لاتے رہے ... اس کے چاروں طرف گڑھے میں گراتے
رہے ... وہ ان کے درمیان پھنستا رہا ... یہاں تک کہ پتھر اوپر تک
آ گئے ... گڑھا ان سے بھر گیا تھا ... روبوٹ نیچے بہت نیچے کہیں رہ
گیا تھا ... یہ تھا اس کا انجام ... اس وقت انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"ہمیں اب فوری طور پر قصبہ بیرو جانا ہے۔"

"کیا ہم اس کی طرف سے بے فکر ہو جائیں ... یہ اس گڑھے سے نکل تو نہیں سکے گا۔"

"میرا خیال ہے ... ہم اس کا اور مضبوط انتظام کر سکتے ہیں۔" پروفیسر داؤد نے کہا۔

"بہت خوب! آپ ایسا ضرور کریں۔" انسپکٹر جمشید نے فوراً منظوری دے ڈالی۔

"مجھے تجربہ گاہ جانا پڑے گا۔"

"اچھی بات ہے ... آپ خان رحمان کو ساتھ لے جائیں ... ہم یہیں ٹھہریں گے۔"

"ٹھیک ہے ... انہوں نے کہا اور خان رحمان کے ساتھ چلے گئے ... ایک گھنٹے بعد ان کی واپسی ہوئی ... وہ بہت سے آلات اپنے ساتھ لائے تھے ... ان آلات کے ذریعے انہوں نے اس گڑھے سے بھی نیچے کچھ سوراخ کیے ... اور ان سوراخوں کے ذریعے کافی مٹی نکال لی ... اس طرح گڑھا اور نیچے بیٹھ گیا ... پھر بھی نیچے چلے گئے ... انہیں اور پتھر لا کر اس گڑھے کو پر کرنا پڑا۔"

اب پروفیسر صاحب نے ان پتھروں میں کوئی کیمیکل ڈالا ... اس

کی وجہ سے وہ آپس میں جڑتے چلے گئے ... ایسا لگتا تھا جیسے
رہے ہوں ... جلد ہی گڑھے کے اوپر پتھر کی سطح ہموار نظر آنے
اس وقت پروفیسر داؤد نے کہا۔

"اب میں اطمینان سے یہ بات کہہ سکتا ہوں کہ روبوٹ
آ سکے گا۔"

"لیکن کوئی دوسرا تو اسے اوپر لا سکتا ہے۔" خان رح
اعتراض کیا...

"اب ایسا بھی نہیں ہو سکے گا۔" پروفیسر داؤد نے کہا۔

"وہ کیوں انکل۔"

"میں نے نیچے جو پانی چھوڑا تھا، اس میں ایسے کیمیکل شا
تھے ... جو لوہے کو بہت جلد گلا دیتے ہیں ... اور روبوٹ ہے
کا ہے ... جب لوہا ہی گل جائے گا ... تو اس میں آلات کیا
... وہ بھی ختم ہو جائیں گے۔"

"مطلب یہ کہ اب ہم اسے روبوٹ کی لاش کہہ سکتے
جسے ہم دفن کر چکے ہیں۔" فاروق نے ہنس کر کہا۔

"ہاں! کیوں نہیں۔" پروفیسر مسکرائے۔

اور پھر ان سب کے چہروں پر مسکراہٹ تیر گئی ... ایک

وہ قصبہ ہیرو کا سفر شروع کر چکے تھے ... قصبہ ہیرو سے پہلے وہ رزی کے گھر کے سامنے سے گزرے ...

''کیا خیال ہے ... رزی سے حالات معلوم کر لیں ۔'' انسپکٹر جمشید نے کہا۔

''ضرور ... کیوں نہیں جمشید ... اب ہمیں کون سی جلدی ہے ... روبوٹ کا قصہ ہم پاک کر چکے ہیں ۔''

''لیکن شنگ ابھی باقی ہے ۔'' فرزانہ بڑبڑائی ۔

''جہاں تک میرا خیال ہے ... شنگ ہمارے ملک میں نہیں ہے ... کیونکہ اس کیس کی حد تک وہ اپنا کام ختم کر چکا ہے ۔''

''بہر حال ہم رزی سے مل سکتے ہیں ۔''

وہ گاڑی رزی کے گھر تک لے گئے ... رزی گاڑی دیکھ کر خود ہی باہر آ گیا تھا ... انہیں دیکھ کر وہ چونکا۔

''اوہ! آپ لوگ ... آپ کو صحیح سلامت دیکھ کر خوشی ہوئی ۔''

''شکریہ رزی ... سنائیں ... اب کیا حالات ہیں ... اب تو کوئی فرجی دادا تنگ نہیں کرتا ۔''

''بالکل نہیں صاحب ... اسے تو مدت ہوئی، دیکھا تک نہیں ۔''

''اور قصبہ ہیرو کا کیا حال ہے ۔''

''اب کوئی بات سننے میں نہیں آئی ۔''

''اچھی بات ہے ... کھانا تیار ہے ... جی چاہتا ہے ... دوپہر کا کھانا کھا کر ہی یہاں سے آگے جائیں گے ۔''

''بس صاحب ... تیار ہی سمجھیے ۔'' اس نے خوش ہو کر کہا۔

جلد ہی ان کے سامنے کھانا چن دیا گیا... پہلے کی طرح کھانا بہت مزے دار تھا... انہوں نے ایک بار پھر کھانے کا بل بڑھ چڑھ کر دیا... رزی کے چہرے پر خوشی پھیل گئی ... اور وہ آگے بڑھ گئے ...

''پہلی مرتبہ جب ہم یہاں آئے تھے تو ہوٹل براری میں رکے تھے ... اب بھی ہم ہوٹل براری ہی میں جائیں گے۔''

''ٹھیک ہے جمشید ۔'' خان رحمان نے کہا۔

ہوٹل براری کی انتظامیہ انہیں دیکھ کر چونک اٹھی ... ان کے چہروں کے رنگ بدلتے نظر آئے ... یہ دیکھ کر انہیں حیرت ہوئی۔

''یہ کیا بات ہے بھئی ... ان لوگوں کے رنگ کیوں اڑ گئے۔'' انسپکٹر جمشید بڑبڑائے۔

''دال میں کچھ کالا ہے ... پہلے بھی ہماری کتوں سے لڑائی اس ہوٹل کے سامنے ہوئی تھی ... کیا خبر ہوٹل والے مجرموں سے ملے ہوئے ہی ہوں ۔''

''ہوں ... ضرور ... ایسا ہی ہے ... ان لوگوں کو دیکھنا ہوگا ... اور ہم رات یہیں گزار دیں گے ... اب ریاست نواب کل چلیں گے۔''

انہوں نے ہوٹل میں دو کمرے لے لیے ... کمرے انھیں دوسری منزل پر دیے گئے ... یہ ہوٹل بس دو منزلہ ہی تھا ... کمروں میں آرام سے لیٹ جانے کے بعد فرزانہ کی آواز سنائی دی۔

''مجھے تو یہاں خطرے کی بو محسوس ہو رہی ہے۔''

''بس تو پھر ہم سوئیں گے نہیں ... سوتے بن جائیں گے ... اور یہی مناسب رہے گا ... کیونکہ اس طرح جو کچھ بھی یہاں ہے ... سامنے آجائے گا ... اچھا ہوا ان لوگوں نے خود ہی کام شروع کر دیا ... ورنہ ہم تو بس یہاں کا سرسری جائزہ لے کر آگے بڑھ جاتے۔''

''پتا نہیں ... کیا ہونے والا ہے۔'' محمود کی آواز سنائی دی۔

''کچھ نہ کچھ ہونے والا ضرور ہے۔'' فرزانہ کی آواز سرسراتی محسوس ہوئی۔

پھر خاموشی چھا گئی ... جب تک وہ بولنا بند نہ کرتے ... انھیں سوتا کون محسوس کرتا ... کافی دیر سناٹے کی حالت میں گزر گئی ... آخر ان کے کمرے کا دروازہ آہستہ آہستہ کھلنا شروع ہوا ... ان کے کان کھڑے ہو گئے ... جس چیز کا انھیں انتظار تھا ... وہ سامنے آنے والی تھی ...

پھر وہیں

''موقع اچھا ہے ... یہ سوئے پڑے ہیں ... آسانی سے قابو میں آجائیں گے ... ہمیں خوب شاباش ملے گی ... کہ اتنے بڑے بڑے ساتھی تو ان پر قابو نہ پا سکے ... اور ہم نے کام دکھا دیا ... یعنی روبوٹ تک بے کار ہو گیا ... آؤ۔''

یہ الفاظ سنتے ہی انہوں نے آنکھیں کھول دیں ... کمرے میں دس آدمی داخل ہو چکے تھے ... اور ان کے ہاتھوں میں پستول تھے ... انھیں آنکھیں کھولتے دیکھ کر وہ بری طرح اچھلے۔

''کیا پروگرام ہے دوستو؟''

ان کے منہ سے کچھ نہ نکلا ... بس ان کے پستولوں والے ہاتھ اٹھ گئے ... گویا ان سب نے ان کا نشانہ لے لیا تھا ...

''فرجی دادا، ان کے کتے اور روبوٹ تم لوگوں کے مقابلے میں ناکام ہو گئے اور ہم جیسے بے کار لوگوں کے تم قابو میں آگئے ... ہاتھ

اوپر اٹھا دو ... ہم تم لوگوں کو باندھ کر فرجی دادا کے سامنے پیش کریں گے۔''

''اوہ ... تو وہ یہیں ہے۔''

''تو اور کہاں جائیں گے ... یہ تو ان کا گڑھ ہے ... ان کا اڈہ ہے ... اس قصبے سے تو انہوں نے ریاست نواب کو قابو میں کر رکھا ہے۔''

''یہ جان کر خوشی ہوئی۔'' انسپکٹر جمشید نے خوش ہو کر کہا۔

''اب صورت حال یہ ہے کہ تم لوگوں پر پورے دس پستول اٹھے ہوئے ہیں ... لہذا چپ چاپ خود کو بندھوا لو۔''

''اچھی بات ہے ... بندھوا لو بھی خود کو ... کوئی حرکت نہ کرنا ... اس بہانے مفت میں فرجی دادا سے ملاقات ہو جائے گی ... اور کیا پتا ... اس کے ساتھ مسٹر شنگ بھی ہوں۔''

''اوہ ہاں ! اسے تو میں بھول ہی گیا۔'' خان رحمان چونکے۔

''مسٹر شنگ یہاں کہاں ... وہ اپنے حصے کا کام کر چکے ... اور اس ملک سے جا چکے ... یعنی انشارجہ۔'' ان میں سے ایک نے ہنس کر کہا۔

''یہ سارا پروگرام کیا تھا۔''

''پروگرام کا پتا مسٹر شنگ کو ہو سکتا ہے ... یہاں تک کہ فرجی دادا کو بھی نہیں۔''

''خیر چھوڑو ... تم صرف فرجی دادا کے بارے میں بتا دو ... ان سے اب کہاں ملاقات ہو سکتی ہے۔''

''یہیں ہو جائے گی ... ادھر ہم آپ کو باندھ لیں گے ... ادھر انہیں اطلاع دیں گے ... اور بس۔''

''اچھی بات ہے ... ہم آپ کو خوش ہونے کا موقع ضرور دیں گے ... ہمیں باندھ لیں۔''

''یہ خوش ہونے کا موقع آپ لوگ خوشی سے نہیں دے رہے ... دس پستول آپ پر تنے ہوئے ہیں ... آپ کر بھی کیا سکتے ہیں۔''

''ٹھیک ہے ... آپ کا جواب نہیں ... بہت دور کی سوچتے ہیں ... آپ ہمیں بس باندھ لیں ... اور مسٹر فرجی دادا سے اپنا انعام وصول کر لیں۔'' انہوں نے کہا۔

''حیرت ہے ... آپ لوگوں کے بارے میں اتنا کچھ سنا تھا ... آپ تو بالکل صابن کے جھاگ ثابت ہوئے۔''

''بس ... بات دراصل یہ ہے کہ ہوتا وہی ہے جو اللہ کو منظور ہوتا ہے۔''

''چلو ... باندھ لو انھیں۔''

ان میں سے پانچ نے پستول اپنے ساتھیوں کو پکڑا دیے ... رسیوں کا انتظام وہ کر کے اوپر آئے تھے ... لہٰذا انھوں نے ان رسیوں سے انھیں باندھنا شروع کر دیا ... وہ خود کو خاموشی سے بندھواتے رہے ... اور باندھنے والے خوب چوڑے ہو کر انھیں باندھتے رہے ... اپنے خیال میں وہ خود کو بہت بڑے ہیرو سمجھ رہے تھے ... اور کیوں نہ سمجھتے ... آخر انسپکٹر جمشید اور ان کے ساتھیوں کو جو باندھ رہے تھے ...

ایک ایک کر کے ان سب کو باندھ دیا گیا ... اب ان میں سے ایک نے فرجی دادا کا نمبر ملایا ... ساتھ میں اس نے اسپیکر بھی آن کر دیا۔

''ہیلو فرجی دادا ... آنکڑے بات کر رہا ہوں ... آپ کا کام میں نے آسان کر دیا۔''

''کیا مطلب۔''

''انسپکٹر جمشید اور ان کے ساتھیوں کو باندھ لیا ہے۔''

''کیا ... کیا کہا تم نے آنکڑے ... ''دوسری طرف سے حیرت بھری آواز سنائی دی۔

''ہم نے انسپکٹر جمشید اور اس کے ساتھیوں کو باندھ لیا ہے ...

اب وہ ہمارے قبضے میں ہیں ... لہٰذا آپ فوراً یہاں آجائیں۔''

''حیرت ہے، آنکڑے ... تم نے اتنا بڑا کارنامہ دکھا دیا ... کمال ہے ... خیر میں آرہا ہوں ... ان پر اچھی طرح نظر رکھنا، یہ لوگ بہت چالاک ہیں۔''

''آپ فکر نہ کریں ... یہ تو بھیگی بلی بنے ہوئے ہیں۔''

''یہ سن کر اور زیادہ حیرت ہوئی ... کہیں تم نے نقلی لوگوں کو تو نہیں پکڑ لیا۔''

''جی نہیں ... یہ سو فیصد اصل ہیں ... دراصل ہم نے ان کے ساتھ چال چلی تھی۔''

''اچھی بات ہے ... میں آرہا ہوں ... مجھے تو ان سے اپنے کتوں کا بھی انتقام لینا ہے۔''

''ہم آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔''

وہ لگے انتظار کرنے ... اس دوران آنکڑے اور اس کے ساتھی بے فکری سے بیٹھے رہے ... اپنے خیال میں انسپکٹر جمشید اور ان کے ساتھیوں کو انھوں نے بہت مضبوطی سے باندھ لیا تھا ... اس لیے بے فکر نہ ہوتے تو کیا کرتے ...

آخر کمرے کا دروازہ کھلا اور فرجی دادا اندر داخل ہوا ... اس

نے حیرت بھری نظروں سے ان کی طرف دیکھا اور پھر بے ساختہ انداز میں انسپکٹر جمشید کی طرف آیا ... وہ اکڑوں ان کے پاس بیٹھ گیا اور طنزیہ لہجے میں گویا ہوا۔

''حیرت ہے انسپکٹر جمشید ... تم آنکڑے کے قابو میں آ گئے ... اب کتوں کا حساب کتاب شروع ہو گا ...'' یہ کہتے ہوئے اس نے ان کی ٹھوڑی پر ہاتھ رکھا عین اس لمحے اس کی کلائی ان کے ہاتھ میں آ گئی ... ساتھ ہی اس کے جسم کو ایک جھٹکا لگا ... اس کا منہ دوسری طرف ہو گیا اور کمر ان کی طرف آ گئی ... دوسرے ہی لمحے، وہ اس کی گردن میں ہاتھ ڈال چکے تھے ...

''مسٹر فرجی دادا ... اس بے وقوف آنکڑے کو بتا دو ... اگر تمہارے جسم کو ایک ذرا بھی حرکت ہوئی ... تو تمہاری گردن ٹوٹ جائے گی ... اور جب آنکڑے یا اس کا کوئی ساتھی مجھ پر حملہ کرے گا تو ظاہر ہے ... میرے جسم کو حرکت ہو گی تو مسٹر فرجی دادا کو بھی حرکت ہو گی اور ان کی گردن صاحب ترک کر کے تو دو گیارہ ہو جائے گی، اب اگر تم لوگوں کو بغیر گردن کے مسٹر فرجی دادا قبول ہیں تو ضرور مجھ پر حملہ کرو۔''

''اور پھر یہ بے چارے حملہ کرنے کی پوزیشن میں رہ ہی کب

گئے ہیں ... یہ دیکھیے ہمارے ہاتھ بھی تو کھلے ہیں ... ان کی رسیاں تو یہ الگ پڑی ہیں ... اب ان غریبوں کو کیا معلوم کہ ہمیں ہاتھ بندھوانے کے کتنے طریقے آتے ہیں ... اور باندھنے والے بے چارے کیا جانیں کہ ہم کس کس طریقے کے باندھے ہوئے، ہاتھ کھول لیتے ہیں ...'' محمود نے شوخ آواز میں کہا۔

فرجی دادا اور آنکڑے نے چونک کر اس کی طرف دیکھا ... ان کے ہاتھ بھی آزاد نظر آئے ... ساتھ ہی باقی ساتھیوں نے بھی ہاتھ اٹھا کر دکھا دیے۔

''کہیں تم لوگوں کو حسرت نہ رہ جائے ... باقی ہاتھوں کو بھی دیکھ لو۔''

ان کی آنکھیں پھیل گئیں ... اب آنکڑے کو پتا چل گیا تھا کہ انسپکٹر جمشید اور ان کے ساتھی بلاوجہ عالمی شہرت نہیں رکھتے ... ان میں کوئی بات تو ایسی ہے ...

''مسٹر فرجی ... ان سب کو کہہ کیوں نہیں دیتے کہ یہ اپنے پستول گرا دیں ... کیا میں تمہاری گردن کو ایک ہلکا سا جھٹکا دوں ... تب کہو گے۔''

''ن نہیں ... چلو ... پستول گرا دو۔''

ان سب نے پستول گرا دیے ... محمود ، فاروق اور فرزانہ نے فوراً ان کو سمیٹ لیا ... اور اپنے پستول ان کی طرف تان کر کھڑے ہو گئے ... انسپکٹر جمشید اب بھی فرجی دادا کو پکڑے کھڑے تھے ...

''ہاں تو فرجی دادا ... ابھی تو آپ کو اپنے کتوں کا بھی بدلہ لینا ہے۔''

''نن نہیں ... کتے گئے بھاڑ میں ... آپ بس میری گردن چھوڑ دیں ... میری جان پر بنی ہے ... آپ جو کہیں گے ... میں کروں گا ... جو پوچھیں گے بتاؤں گا۔''

''تو اسی حالت میں بتا دیں۔'' فاروق نے منہ بنایا۔

''نن ... نہیں ... یہ ... یہ بہت مشکل ہوگا، میرے لیے ... ایک ایک پل مشکل ہو رہا ہے۔''

''اچھا میں گرفت ذرا نرم کیے دیتا ہوں ... جونہی آپ بتانے سے انکار کریں گے میں ... گرفت پہلی حالت میں لے آؤں گا۔'' یہ کہتے ہوئے انہوں نے گردن پر دباؤ کم کر دیا ... ایسا کرتے ہی فرجی کے چہرے کا تناؤ کم ہو گیا ... اور اس نے سکون کا سانس لیا۔

''ہاں ! اب حالت بہتر ہے ... آپ پوچھیں ... کیا پوچھنا چاہتے ہیں۔''

''یہ چکر کیا ہے ... ریاست نواب کا اور اس قصبے کا کیا معاملہ ہے۔''

''مسٹر شنک کا منصوبہ ریاست پر قبضہ کرنے کا تھا ... اس سلسلے میں انہوں نے پہلے قصبہ بیرو پر قبضہ کیا ... اسے اپنا ہیڈ کوارٹر بنایا ... یعنی سازش کا مرکز یہ جگہ تھی۔''

قصبے پر قبضہ کر کے وہ کیا فائدہ اٹھانا چاہتا تھا۔''

''یہ مجھے نہیں معلوم۔'' اس نے فوراً کہا۔

''اچھا خیر ... مسٹر شنک کہاں ہیں۔''

''آپ لوگوں پر قابو پانے کے بعد انہوں نے کہا تھا کہ اب انہیں یہاں رہنے کی کوئی ضرورت نہیں ... ان کا کام پورا ہو گیا ہے ... لہٰذا وہ واپس انشارجہ جا رہے ہیں ... وہ اب یہاں کہاں۔''

''اس طرح تو مزہ نہیں آئے گا۔'' خان رحمان نے منہ بنایا۔

''کیا مطلب انکل ... کس طرح۔'' فاروق نے چونک کر کہا۔

''مسٹر شنک تو چلے گئے انشارجہ ... باقی رہ گئے یہ لوگ ... جب کہ ہمارا مقابلہ تو ہے مسٹر شنک سے۔''

''اب میں تو انہیں بلانے سے رہا ... آپ انہیں بلانے کی کوئی ترکیب کر سکتے ہیں تو کر لیں۔''

"خیر کوئی بات نہیں ... دیکھا جائے گا۔"

پھر ان سب کو باندھ لیا گیا ... آئی جی صاحب کو فون کیا گیا۔

چند گھنٹے بعد پورے قصبے میں پولیس ہی پولیس تھی ... فرجی دادا اور اس کے ساتھیوں کو ہتھکڑیاں پہنا دی گئیں ... ہوٹل کے مالک آنکڑے کو بھی یہ زیور پہننا پڑا ... اس کے غنڈوں کو بھی گرفتار کیا گیا ... ہوٹل کو سیل کر دیا گیا ... پولیس اسٹیشن میں دارالحکومت کے ایک نیک نام انسپکٹر کو فون کیا گیا ... گویا اس طرح قصبے کو تمام سازشی عناصر سے پاک کر دیا گیا ...

اب انہوں نے ریاست نواب کا رخ کیا ...

"اب اس کیس میں ہمارا کیا کام رہ گیا جمشید۔" خان رحمان نے پوچھا۔

"بس ریاست کے حالات کا جائزہ لینے کے بعد اپنے گھر کا رخ کریں گے۔"

"ہائیں ہائیں ... جمشید ... کیا ہوگیا تمہیں۔" پروفیسر داؤد بوکھلا اٹھے۔

"کیا مطلب؟" انہوں نے چونک کر پوچھا۔

"تم بھول گئے ... نواب صاحب کو بھول گئے ... ان کی بیوی

اور بیٹی کے بارے میں بھول گئے ... کیا وہ دشمن کے قبضے میں نہیں ہیں۔"

"میں بھولا نہیں ... میں نے تو پہلے ہی کہا ہے کہ ریاست کے حالات کا جائزہ لینے کے بعد گھر کا رخ کریں گے ... حالات کے جائزے میں سب چیزیں آئیں گی ... آپ فکر نہ کریں۔"

"اوہ تب! تب تو ٹھیک ہے۔"

اور پھر وہ ریاست پہنچ گئے ... انہوں نے محل کا رخ کیا ... اپنے پہنچنے کی اطلاع انہوں نے نہیں دی تھی ... محل کے دروازے پر انہیں وہی نگران نظر آئے ... جو پہلے نظر آئے تھے ...

انہوں نے فوراً انہیں پہچان لیا ... وہ دوڑ کر ان کی طرف آئے۔

"آپ لوگ ... لیکن افسوس ... نواب صاحب، بیگم صاحبہ اور بے بی صاحبہ کا اب تک کوئی پتا نہیں چلا ... چھوٹے صاحب بہت پریشان رہتے ہیں ... انہیں آپ لوگوں کے بارے میں تفصیل سے بتایا گیا تھا ... وہ یہ بھی دعا کرتے رہے ہیں کہ آپ لوگ بھی آجائیں ... اور اس سلسلے میں کچھ کر سکیں۔"

"تو پھر اللہ کی مہربانی سے ہم آگئے ہیں ... آپ چھوٹے صاحب کو ہماری آمد کی اطلاع دیں۔"

"آپ اندر آ جائیں ... مہمان خانے میں تشریف رکھیں ... کیونکہ ہو سکتا ہے ... نواب صاحب کو آپ تک آنے میں کچھ دیر لگ جائے۔"

"ٹھیک ہے۔"

وہ انہیں بٹھا کر چلا گیا ... باقی پہرے دار دروازے پر جوں کے توں موجود رہے ... جلد ہی پہرے دار کی واپسی ہوئی ... انہوں نے کہا۔

"چھوٹے صاحب بہت بے تاب ہیں ... آپ فوراً چلیے۔"

وہ اٹھ گئے ... پہرے دار انہیں اسی کمرے میں لے آیا جس میں ان کی ملاقات نواب صاحب سے ہوئی تھی ... وہ سارے مناظر ان کی آنکھوں کے سامنے گھوم رہے تھے ... انہوں نے کمرے میں جس نوجوان کو دیکھا ... اس کی تصویر وہ ڈرائنگ روم میں دیکھ چکے تھے ... اس وقت بھی وہاں وہ تصویر اسی طرح موجود تھی ... انہوں نے ایک نظر تصویر پر اور دوسری اس نوجوان پر ڈالی ... پھر وہ گرم جوشی سے آگے بڑھے ... نوجوان کے چہرے پر شدید رنج اور غم کے آثار تھے ...

"آپ حضرات کا شکر گزار ہوں ... آپ ہمارے خاندان کے لیے کب سے سرگرداں ہیں ... لیکن مجھے چین نہیں آ رہا ... میں سب کچھ

چھوڑ کر یہاں تو آ گیا ہوں ... تاکہ ریاست کا نظام سنبھال لوں ... لیکن ماں باپ اور بہن کے بغیر چین کہاں۔"

"آپ فکر نہ کریں ... ہم انہیں حاصل کرنے کے لیے تمام امکانی کوشش کریں گے۔"

"میں آپ کے احسانات زندگی بھر نہیں بھولوں گا۔"

"یہ ہمارا فرض ہے ... آپ محسوس نہ کریں ... اور بے فکر ہو جائیں ... آپ کے والدین اور بہن کو تلاش کرنا اور انہیں واپس محل میں لانا اب ہماری ذمے داری ہے۔"

اس کے بعد انہوں نے چھوٹے نواب سے اجازت لی ... محل سے باہر آ کر انہوں نے اکرام کے نمبر ڈائل کیے۔

"السلام علیکم اکرام ... فرجی دادا کا موبائل دفتر میں ہے ... اس میں شک کا نمبر ہے یا نہیں۔"

"جی نہیں، میں پہلے ہی دیکھ چکا ہوں۔"

"اچھی بات ہے ... فرجی دادا سے میری بات کراؤ۔"

"بہت بہتر سر ... چند منٹ لگیں گے۔"

"ٹھیک ہے ... انہوں نے کہا۔

چند منٹ بعد انہوں نے فرجی دادا کی آواز سنی۔

'' کیا حال ہے فرجی دادا۔'' انہوں نے محبت بھرے لہجے میں کہا۔

'' جی ... ٹھیک ہوں۔'' انسپکٹر جمشید صاحب۔''

'' ہم تمہارے ساتھ کچھ نرم سلوک کر سکتے ہیں ... لیکن شرط ایک ہے۔''

'' میں آپ کی ہر شرط ماننے کے لیے تیار ہوں۔'' اس نے فوراً کہا۔

'' مسٹر شنگ کا نمبر بتا دو۔''

''اوہ ! یہ کون سا مشکل کام ہے ... میرے موبائل میں اس کا نام فیڈ ہے۔''

''ہم دیکھ چکے ہیں ... اس کا مطلب ہے ... کسی فرضی نام سے اس کا نام فیڈ ہے ... ٹھیک ہے ... وہ نمبر بتا دو۔''

اس نے نمبر بتا دیا ... اب انہوں نے وہ نمبر ڈائل کیا ... جلد ہی انہوں نے شنگ کی آواز سنی :

''مجھے امید نہیں تھی کہ اس قدر آسانی سے رابطہ ہو جائے گا۔''

'' میں نہ چاہتا تو ایسا نہیں ہو سکتا تھا ... میں نے فرجی کو روکا ہی نہیں ... نہ اپنا نمبر بند کیا۔'' شنگ کی آواز سنائی دی۔

'' تو آپ انٹارجہ میں ہیں۔''

''میں کہیں بھی ہوں ... اس بات کو چھوڑیں ... کام کی بات کریں۔''

''آخر نواب صاحب ان کی بیگم اور بیٹی کو غائب کرنے کی کیا ضرورت ہے۔''

''یہ بات ہم بھی سوچ رہے ہیں ... کوئی فائدہ نہیں ... ان تینوں کو چھوڑ دیتے ہیں ... آپ نواب صاحب کے فرزند سے بات کر لیں ... وہ کیا دیں گے۔''

'' کیا مطلب ؟'' وہ زور سے چونکے۔

''میں اپنے شکار کو ایسے ہی چھوڑ دینے کا عادی نہیں ... میں تو دو طرفہ معاوضہ وصول کیا کرتا ہوں ... آپ چھوٹے صاحب سے پوچھ لیں ... ہم چھوڑ دیں گے ... لیکن کچھ معاوضہ تو دینا ہوگا۔''

''اوہ اچھا !''

اب انہوں نے چھوٹے صاحب کو فون کیا ... ان کی آواز سنتے ہی وہ بولے۔

''آپ نواب صاحب ... ان کی بیگم صاحبہ اور بیٹی کے لیے کیا دے سکتے ہیں۔''

''مطلب یہ کہ اپنے والد، بہن اور والدہ کے لیے کیا خرچ کر سکتے ہیں۔''

''کیا یہ بات وہ لوگ پوچھ رہے ہیں... جن کے قبضے میں وہ ہیں۔''

''جی ہاں! بالکل۔''

''پہلے تو پھر ان سے پوچھنا چاہیے... ان کا مطالبہ کیا ہے۔''

''چلیے میں ان سے پوچھ لیتا ہوں۔''

اب انہوں نے شنگ سے کہا۔

''مسٹر شنگ آپ کیا چاہتے ہیں... نواب صاحب کے فرزند آپ سے پوچھنا چاہتے ہیں۔''

''صرف دس کروڑ ڈالر۔''

انسپکٹر جمشید نے یہ رقم چھوٹے نواب کو بتادی۔

''اچھی بات ہے... مجھے منظور ہے... وہ جس بنک میں کہتے ہیں، رقم جمع کروا دیتا ہوں۔''

انہوں نے شنگ سے بات کی اور معلومات چھوٹے نواب کو دے دیں... انہوں نے کہا۔

''کل یہ رقم جمع کرا دی جائے گی... آپ میرے اہل خانہ کو

چھوڑنے کی تفصیل پوچھ لیں۔''

''اچھی بات ہے۔''

انہوں نے شنگ سے بات کی تو اس نے کہا۔

''جونہی رقم جمع ہوگی... ہم ادھر سے نواب صاحب ان کی بیگم اور بیٹی کو جہاز میں سوار کرا دیں گے... آپ کو اطلاع دے دیں گے وہ کس جہاز سے آرہے ہیں۔''

''بہت خوب۔''

دوسرے دن شام کے وقت نواب صاحب، ان کی بیگم اور بیٹی دارالحکومت پہنچ گئے، وہاں سے انہیں ریاست نواب لایا گیا... وہ چھوٹے نواب سے گلے ملے... نواب صاحب نے انسپکٹر جمشید اور باقی سب کا بہت بہت شکریہ ادا کیا... رخصت ہوتے وقت انسپکٹر جمشید نے ان سے کہا۔

''ہمارا کام ختم ہوا... قصبہ ہیرو کو دشمنوں سے پاک کر دیا گیا... وہ وہاں بیٹھ کر ریاست کے خلاف کام کر رہے تھے اور آہستہ آہستہ پوری ریاست پر قبضہ کرنے کا پروگرام بنا رہے تھے... ریاست پر ان کا قبضہ ہو جاتا اور ہم لوگوں کو کانوں کان خبر بھی نہ ہوتی... اللہ نے مہربانی فرمائی کہ ہم درمیان میں کود پڑے... اب آپ محتاط رہیں... کسی بھی

قسم کی گڑبڑ کا احساس بھی ہو جائے تو فوراً ہمیں فون کر دیں۔''

''میں یہی کروں گا... ویسے بھی اب تو ہمارے بیٹے یہاں آ گئے ہیں، اب تو یہی ریاست کو سنبھالیں گے۔''

''اچھی بات ہے... ہمیں اجازت دیں۔''

''ہم آپ کا احسان زندگی بھر نہیں بھولیں گے... آپ لوگوں نے اپنی زندگیوں کو خطرے میں ڈال کر اس کام کو مکمل کیا... آپ لوگوں کا جواب نہیں۔''

''یہ سب اللہ کی مہربانی ہے۔''

انھوں نے آپس میں ہاتھ ملائے اور محل سے باہر نکل آئے... نواب خاندان انھیں رخصت کرنے بیرونی دروازے تک آئے... وہ اپنی گاڑی میں بیٹھ گئے، تب بھی وہ دروازے پر کھڑے رہے... آخر ان کی گاڑی باہر نکلی... انھوں نے رخصتی انداز میں ہاتھ ملائے اور گاڑی وہاں سے روانہ ہوئی...

اب ان کا رخ دارالحکومت کی طرف تھا۔

''اللہ کا شکر ہے... اس نے ہمیں اس کیس سے فارغ کر دیا۔''

فاروق کی آواز گاڑی میں ابھری۔

''لیکن شنک بچ گیا۔''

''شنک سے پھر کسی کیس میں سامنا ہو گا... فکر نہ کرو... یہ شخص مقابلے میں آ کر رہے گا۔'' انسپکٹر جمشید نے خیال ظاہر کیا۔

''میرا بھی یہی خیال ہے جمشید۔'' پروفیسر داؤد نے کہا۔

''ایک مسئلہ رہ گیا... روبوٹ کا... اس کے بارے میں معلوم نہیں ہو سکا... شنک کی مدد کے لیے روبوٹ کا انتظام کس نے کیا۔''

''پوچھ لیتے ہیں۔'' انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

گاڑی خان رحمان چلا رہے تھے... انسپکٹر جمشید نے جیب سے موبائل نکالا اور شنک کے نمبر ڈائل کیے، فوراً ہی اس کی آواز سنائی دی۔

''اب کیا ہے... انسپکٹر جمشید۔'' انداز خوش گوار تھا۔

''اس پورے کیس میں ایک بات سمجھ میں نہیں آئی۔''

''اور وہ کیا؟''

''روبوٹ... آپ کہاں سے لائے تھے۔''

''یہ روبوٹ میرے ایک دوست کی ایجاد ہے... آپ کے ملک کی سمندری حدود سے باہر جزیرے پر اس کا ٹھکانہ ہے... وہیں سے وہ روبوٹ کو کنٹرول کرتا ہے... یہ اس کا پہلا تجربہ تھا... اب جو روبوٹ وہ بنائے گا... وہ ان نقائص سے پاک ہوگا... جو اس میں رہ گئے تھے... آئندہ اگر کبھی میرا اور آپ کا آمنا سامنا ہوا تو میں نئے روبوٹ کے

ساتھ میدان میں اتروں گا۔"

"تو روبوٹ کے بغیر میدان میں اترنے میں کیا حرج ہے۔"

"میں اپنی شو مارنے کا عادی نہیں ... جو کام روبوٹ سے نکل سکتا ہے ... وہ میں خود کیوں کروں۔"

"تب پھر مسٹر شنگ ... ہم اس جزیرے کا سراغ لگا لیں گے۔"

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا ... آپ شوق سے سراغ لگا لیں ... میں تو اب وہاں ہوں گا نہیں ... روبوٹ تو آپ لوگوں نے پہلے ہی زمین میں دفن کر دیا ہے... اب تو نئے روبوٹ کے ساتھ ہی آؤں گا۔"

"اوکے! ہم آپ کا استقبال کریں گے۔" انسپکٹر جمشید ہنسے۔

"ضرور کیوں نہیں ... ویسے آپ کا اس کیس کے بارے میں کیا خیال ہے۔"

"اس میں ... الحمدللہ! ہم کامیاب رہے ... آپ کا روبوٹ زیرِ زمین چلا گیا ... آپ انٹارجہ سدھار گئے ... نواب صاحب اور ان کے گھر والے اپنی ریاست میں آ گئے ... قصبہ ہیرو اب سازش سے پاک ہو چکا ہے... اور کامیابی کسے کہتے ہیں۔"

"دس کروڑ ڈالر نقد تو مجھے بھی مل ہی گئے ... اور کچھ ہوا ہو یا نہ ہوا ہو۔"

"ہاں! یہ تو ہے ... خیر ... لیکن ہم آپ سے یہ دس کروڑ واپس حاصل کر لیں گے ... آپ دیکھ لیجیے گا۔"

"میں ضرور دیکھوں گا ..." وہ زور سے ہنسا ... اور فون بند ہو گیا۔

عین اس لمحے انسپکٹر جمشید نے خان رحمان سے کہا۔

"یار خان رحمان ... ذرا گاڑی روکنا۔"

☆☆☆☆☆

نقطہ

"کیا کہا جمشید ... گاڑی روک لوں۔" مارے خوف کے خان رحمان نے کہا۔

"ہاں گاڑی روک لو۔"

"اچھی بات ہے۔" انہوں نے کہا ... اور گاڑی کو ایک طرف کرتے ہوئے انجن بند کر دیا۔

"اب کہو... کیا بات ہے؟"

انسپکٹر جمشید نے کوئی جواب نہ دیا ... وہ گہری سوچ میں غرق تھے۔

"لگتا ہے ... تم کسی گہری سوچ میں ہو۔" پروفیسر داؤد نے پریشانی کے عالم میں کہا۔

"جی ہاں! پروفیسر صاحب۔"

"تو ہمیں بھی اس میں شریک کر لو نا۔"

"پہلے میں خود سوچنا چاہتا ہوں۔"

"اچھی بات ہے جمشید۔" خان رحمان نے خوش دلی سے کہا۔

پھر کئی منٹ گزرنے کے بعد انہوں نے کہا۔

"لگتا ہے ... ہم سے چوک ہو گئی ... ہمیں واپس محل جانا ہو گا۔"

"کیا کہا ... محل واپس جانا ہو گا ... نواب صاحب کیا سوچیں گے، یہ پھر آ گئے!"

"ہاں ... وہ ضرور سوچیں گے ... لیکن... مجبوری ہے۔"

"جیسے تمہاری مرضی جمشید ... اگر تم یہی مناسب سمجھتے ہو تو یونہی سہی ... ویسے ہم تو سمجھ رہے تھے کہ کیس ختم ہو گیا ہے ... لیکن تم تو اسے پھر شروع کر رہے ہو۔"

"یہی بات ہے ... لیکن اس میں میرا کوئی قصور نہیں ... یہ سارا کیا دھرا کیس کا ہے۔" وہ مسکرائے۔

"کیا کہا ... یعنی سارا قصور کیس کا ہے۔"

"یہی کہا جا سکتا ہے۔"

"اچھی بات ہے جمشید ... تم جانو۔" خان رحمان نے منہ بنایا۔

انسپکٹر جمشید نے جواب میں کچھ نہ کہا ... وہ پھر گہری سوچ میں

ڈوب چکے تھے ... آخر انہوں نے خان رحمان کی آواز سنی۔

وہ چونک اٹھے ... ادھر محل کے دروازے پر موجود پہرے داروں نے ان کی گاڑی کو پھر آتے دیکھ کر حیرت سے پلکیں جھپکائیں ... اور فوراً ان کے قریب آگئے ...

''خیر تو ہے جناب!''

''ایک بات رہ گئی ... جس کی وجہ سے ہمیں پھر آنا پڑا ... آپ نواب صاحب کو اطلاع کر دیں۔''

''اچھی بات ہے ... آپ ڈرائنگ روم میں تشریف رکھیے۔''

وہ ڈرائنگ روم میں آگئے ... اور نواب صاحب کا انتظار کرنے لگے ... انسپکٹر جمشید کمرے کا جائزہ لینے لگے ... ان کے چہرے پر پریشانی کے بادل صاف دیکھے جا سکتے تھے ... آخر قدموں کی آہٹ سنائی دی ... پھر نواب صاحب اندر داخل ہوئے ...

''آپ کو پھر یہاں دیکھ کر خوشی ہوئی ... اور حیرت بھی ... کیا کوئی خاص بات ہے؟''

''جی ہاں ... بالکل خاص ... آپ چھوٹے نواب کو بھی بلا لیں ... بلکہ اپنی بیگم صاحبہ اور بیٹی کو بھی۔''

''اچھی بات ہے ... یہ کہہ کر نواب صاحب اٹھے اور کمرے سے

باہر جانے لگے ...''

''آپ خود کیوں زحمت کر رہے ہیں ... ملازم سے کہہ دیجیے۔''

'' ملازم اس وقت کہیں اور مصروف ہیں ... آپ فکر نہ کریں...'' یہ کہتے ہوئے وہ باہر نکل گئے۔

''ابا جان! کچھ عجیب سا لگ رہا ہے۔'' فرزانہ نے دبی آواز میں کہا۔

'' اسی لیے تو ہم پھر یہاں آئے ہیں۔''

'' تو کیا ... محل میں کوئی گڑبڑ ہے۔''

''لگتی تو ہے۔''

''اللہ اپنا رحم فرمائے ... ہم تو واپس جا رہے تھے ... اور یہاں گڑبڑ باقی ہے۔''

''ایسا بھی ہوتا ہے ... اندازے کی غلطی ہو جاتی ہے۔''

'' آپ کو کس بات میں گڑبڑ محسوس ہوئی ہے۔''

''ابھی صرف اندازہ ہے ... پہلے میں جائزہ لے لوں ... پھر بتاؤں گا۔''

اسی وقت قدموں کی آواز سنائی دی اور نواب صاحب کے پیچھے گھر کے باقی تینوں افراد اندر داخل ہوئے۔

''آپ کو زحمت ہوئی ... معافی چاہتا ہوں۔''

''اس میں زحمت کی کیا بات ... آپ نے ہمارے لیے اتنا کچھ کیا ہے۔'' بیگم صاحبہ مسکرائیں۔

''شکریہ ... مجھے اس سارے معاملے میں کہیں نہ کہیں کوئی نہ کوئی گڑبڑ لگتی ہے۔''

''اللہ اپنا رحم فرمائے ... معاملہ تو اب ختم ہو چکا ہے ... اب کیسی گڑبڑ؟'' نواب صاحب چونک اٹھے۔

''دشمن کا منصوبہ اس ریاست پر قبضہ کرنے کا تھا، لیکن ظاہر ہے ... یہ قبضہ غیر محسوس طور پر کیا جانا تھا، یعنی کسی کو پتا بھی نہ چلتا اور قبضہ ہو جاتا ... اور ہم سب ... بلکہ آپ بھی یہی سمجھتے رہتے کہ کوئی تبدیلی نہیں آئی ... دشمن کا منصوبہ ناکام ہو گیا ... اور بس ... لیکن ہونا کیا تھا ... اندر خانے قبضہ۔'' یہاں تک کہہ کر انسپکٹر جمشید خاموش ہو گئے۔''

''لیکن ایسا تو نہیں ہو سکا ... شنگ واپس جا چکا ہے ... قصبہ بیروں میں بھی حکومت کا قبضہ ہے ... وہاں سے بھی سازشی عناصر کا خاتمہ کر دیا گیا ہے ... ان حالات میں آپ یہ کیوں کہہ رہے ہیں کہ کہیں نہ کہیں اور کوئی نہ کوئی گڑبڑ ہے۔''

''کم از کم میرا خیال یہی ہے ... یا یوں کہہ لیں کہ میرے محسوسات یہی ہیں۔''

''لیکن انسپکٹر جمشید ... کوئی وجہ بھی تو ہونی چاہیے۔''

''ہاں وجہ ... واقعی ... خیر ... میں ایک کوشش کرتا ہوں ... آج رات ہم یہیں سوئیں گے ... آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں۔''

''بالکل نہیں ... بھلا اس میں اعتراض کیسا؟'' نواب صاحب نے فوراً کہا۔

''تب پھر آپ لوگ آرام کریں ... میں آج رات اس معاملے پر غور کروں گا ... اور صبح بتاؤں گا کہ اصل مسئلہ کیا ہے۔''

''اچھی بات ہے ... یونہی سہی ... میں آپ کے لیے مہمان خانہ درست کرا دیتا ہوں ... ملازم تھوڑی دیر تک آپ کو وہاں لے جائیں گے۔''

• • •

''ٹھیک ہے۔''

''آپ کے محل کے ایک ملازم تھا ... بہادر شاہ ... وہ کہاں ہیں۔''

''بہادر شاہ۔'' مارے پریشانی کے ان کے منہ سے نکلا۔

''ہاں! بہادر شاہ۔''

"جب ہم پہلی بار آپ کے پاس پہنچے تھے ... اس وقت آپ کے سیکرٹری صاحب نے بہادر شاہ کے بارے میں کچھ کہنا چاہا تھا ... لیکن آپ نے اسے روک دیا تھا۔"

"جی ... جی ہاں ... بہادر شاہ محل میں ہر چیز منگانے کا ذمے دار ہے ... تمام چیزیں، اس کے ذریعے آتی ہیں ... اخراجات کا حساب کتاب رکھنا بھی اس کے ذمے ہے ... یعنی جو چیزیں اس کے ذریعے آتی ہیں ان کا ... آپ کی آمد سے چند دن پہلے سے وہ غائب ہے ... میرا خیال یہ ہے کہ وہ کوئی بڑی رقم لے کر بھاگ نکلا ہے ... لیکن مجھے اس کی کوئی پروا نہیں ... اس لیے میں نے اس وقت سیکرٹری صاحب کو اشارہ کیا تھا کہ ... اس وقت اس کی بات کرنا مناسب نہیں۔"

"اوہ اچھا ... پھر اب آپ کا کیا خیال ہے۔"

"یعنی بہادر شاہ کے بارے میں؟"

"ہاں!"

"وہی ... یعنی وہ کوئی رقم لے اڑا ہے ... اب حساب کتاب کرایا جائے گا تو پتا چلے گا۔"

"اچھی بات ہے ... میں اس کے بارے میں شنگ سے پوچھ

لوں گا۔"

"کیا مطلب ... شنگ کا اس سے کیا تعلق بھلا۔"

"میرا خیال ہے ... اس کی گم شدگی میں شنگ کا ہاتھ ہے ... شنگ خفیہ راستے سے محل میں داخل ہوا تھا نا۔"

"ہاں! یہی بات ہے۔"

"خفیہ راستے کے بارے میں بھلا اسے کیا پتا ... کس نے بتایا ہوگا اسے ... کیا بہادر شاہ کو اس راستے کا پتا تھا۔"

"اوہ ... اوہ۔" مارے حیرت کے نواب صاحب کے منہ سے نکلا۔

"کیا کہنا چاہتے ہیں آپ۔"

"بہادر شاہ کو اس راستے کا پتا تھا ... اور اب میں یہ بات یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ شنگ کو خفیہ راستہ بہادر شاہ نے ہی بتایا تھا ... کیونکہ راستہ بتانے کے بعد وہ محل میں نہیں رہ سکتا تھا ... میں فوراً سمجھ جاتا کہ اس نے غداری کی ہے ... اس لیے اس نے مسٹر شنگ سے اپنی غداری کی قیمت لی اور یہاں سے چلا گیا ... یہ مجھے معلوم نہیں کہ شنگ نے اس سے رابطہ کیسے کیا ہوگا۔"

"یہ کوئی خاص بات نہیں ... ایسے لوگ ایسی بہت سی ترکیبیں لڑا

لیتے ہیں... بہادر شاہ کا معاملہ صاف ہو گیا... اب معاملہ یہ رہ گیا کہ گڑ بڑ کہاں ہے... اور کیا... اس پر ہم آج رات غور کریں گے... اور ہمارے لیے مہمان خانے کا تکلف نہ کریں... ہم یہ رات ڈرائنگ روم میں گزاریں گے۔''

''یہاں آپ کو تکلیف ہو گی۔'' نواب صاحب نے پریشانی کے عالم میں کہا۔

''بالکل نہیں... دراصل ہم سوئیں گے نہیں... بیٹھ کر اس کیس پر کام کریں گے۔''

''اچھی بات ہے... ہم تو پھر چلتے ہیں۔''

''بالکل ٹھیک۔''

نواب صاحب ان کے ساتھ چلے گئے... وہ وہیں بیٹھے رہ گئے... کچھ دیر بعد انسپکٹر جمشید اٹھے اور بیرونی دروازے پر چلے آئے... وہاں پہرے دار اب اندر کی طرف تھے اور دروازہ بند کیا جا چکا تھا... وہ انھیں آتے دیکھ کر چونک سے گئے... ان میں سے ایک نے کہا۔

''فرمائیے!''

''آج رات سخت پہرے کی ضرورت ہے... ہم بھی آپ کی مدد کریں گے۔''

''آپ کیوں زحمت کرتے ہیں... ہم جو ہیں... ہم کوئی کوتاہی نہیں کریں گے۔''

''مسئلہ کوتاہی کا نہیں ہے۔''

''اچھی بات ہے... آپ بے فکر رہیں۔''

''آپ کو خفیہ راستے کا پتا ہے۔''

''جی ہاں بالکل پتا ہے... کیونکہ کسی بھی خطرے کے وقت سب کو اسی راستے سے باہر جانا ہوتا ہے۔''

''بس تو... آپ میں سے ایک ہمیں وہ راستہ دکھا دے... ہم ذرا اس کا بھی جائزہ لینا چاہتے ہیں۔''

''کیا آپ کوئی خطرہ محسوس کر رہے ہیں۔''

ہاں ! یہی بات ہے۔''

''اچھی بات ہے... ہم آپ کو راستہ دکھا دیتے ہیں۔''

''بس ! آپ میں سے ایک چلے... باقی تینوں بالکل چوکس رہیں... آج رات نہ ہم سوئیں گے... نہ آپ میں سے کوئی سوئے۔''

''ہم تو پہلے بھی نہیں سوتے... یہ کام ہم دن میں کرتے ہیں۔''

''کون سا کام۔'' پروفیسر داؤد نے بے خیالی کے عالم میں کہا۔

''جی سونے کا۔'' ایک نے کہا۔

"اوہ اچھا۔" پروفیسر داؤد نے فوراً کہا۔

انہوں نے خفیہ راستہ دیکھا اور پھر پہرے دار کو جانے کا اشارہ کر دیا... خود وہیں ٹھہرے رہے...

"خان رحمان... تم رات کو یہاں موجود رہو گے... فاروق تمہارے ساتھ رہے گا... تاکہ تم بوریت نہ محسوس کرو۔"

"فکر نہ کرو جمشید... ہم دونوں جاگتے رہیں گے... ویسے تم اشارۃً بتا دو... باہر سے کسی کے آنے کا خطرہ ہے یا اندر سے کسی کے جانے کا۔"

"پتا نہیں!"

"اچھی بات ہے جمشید۔"

"میں اور فرزانہ صدر دروازے پر موجود رہیں گے۔"

"بہت خوب!"

رات کا کھانا انہوں نے ڈرائنگ روم ہی میں کھایا... پھر جب سب کے سونے کا وقت ہو گیا... تب وہ بھی اپنی اپنی جگہ پہنچ گئے... اس طرح وہ تین حصوں میں تقسیم ہو گئے...

نصف رات کے قریب... انسپکٹر جمشید نے فرزانہ سے کہا۔

"فرزانہ پہرے دار تو یہاں موجود ہیں... میں ذرا باقی دو

جگہوں کا چکر لگا لوں۔"

"ضرور جائیں... اور بے فکر رہیں... میں پوری طرح ہوشیار ہوں۔"

"بالکل ٹھیک۔" وہ مسکرا دیے۔

پھر وہاں سے چل کر وہ پچھلے دروازے پر آئے... محمود اور پروفیسر بالکل ہوشیار کھڑے نظر آئے... ان کے ہاتھوں میں پستول بھی تھے...

"خوب خوب! ایسا ہی ہونا چاہیے۔" انہوں نے کہا۔

"کیا؟"

"جو میں دیکھ رہا ہوں۔" وہ خوش ہو کر بولے۔

جواب میں پروفیسر داؤد اور محمود بھی مسکرا دیے... اب وہ خفیہ راستے کی طرف آئے... یہاں فاروق اور خان رحمان موجود تھے... اور آپس میں گپ شپ لگا رہے تھے...

"شاید جمشید تم یہ دیکھنے کے لیے آئے ہو کہ ہم جاگ رہے ہیں یا نہیں۔" خان رحمان نے منہ بنایا۔

"نہیں خان رحمان... ایسی بات نہیں... رات جو گزارنی ہے... میں پروفیسر صاحب اور محمود کی طرف بھی گیا تھا۔"

''ٹھیک ہے ... تم فکر نہ کرو ... ہم پوری طرح ہوشیار ہیں۔''

''اچھی بات ہے ... میں کمروں کے آس پاس چکر لگانے جا رہا ہوں۔'' انہوں نے کہا۔

''آخر تم کیا محسوس کر رہے ہو ... اس کیس میں کہاں کوئی گڑ بڑ رہ گئی ہے۔'' خان رحمان نے پوچھا۔

''یہی اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا ہوں۔'' وہ مسکرا دیے اور وہاں سے آگے بڑھ آئے ... اب انھوں نے برآمدوں میں گھوم پھر کر ایک ایک کمرے کے دروازے سے کان لگا لگا کر سن گن لینے کی کوشش شروع کی ... اس کام میں کافی وقت گزر گیا ... کیونکہ انہوں نے ایک چکر لگانے کے بعد پھر کئی اور چکر لگائے تھے ... ان کے سب ساتھی حیران تھے کہ وہ یہ سب آخر کیا کر رہے ہیں ... ان کے پوچھنے پر بھی انہوں نے کچھ نہ بتایا۔

آخر اسی عالم میں صبح کی اذان شروع ہو گئی ... انسپکٹر جمشید پہلے ہی اپنے ساتھیوں کو یہ ہدایت کر چکے تھے ... کہ سب لوگ ایک ساتھ نماز ادا کرنے کے لیے اپنی جگہ نہ چھوڑیں ... پہلے ایک شخص نماز ادا کرے اور اور باقی بدستور پہرے دار رہیں ... چنانچہ اس طرح سب نے نماز ادا کی ... اس کے بعد بھی وہ پہرے پر موجود رہے ... ساتھی

اب بھی حیران تھے کہ اب جب کہ دن نکل چکا تھا ... اب پہرے کی کیا ضرورت رہ گئی ... لیکن انسپکٹر جمشید نے انھیں اس بات کا کوئی جواب نہ دیا ...

ایسے میں بیرونی دروازے پر دستک ہوئی ... اور اس سے پہلے کچھ گاڑیوں کے رکنے کی آوازیں بھی آئی تھیں ... پہرے داروں نے دروازہ کھولا ... پھر ان میں سے ایک ان کے پاس آیا ... اس نے بتایا۔

''یہ کچھ لوگ آئے ہیں ... وہ آپ لوگوں سے ملنا چاہتے ہیں۔''

آخر انسپکٹر جمشید اندر داخل ہوئے ... ان کے ساتھ آئی جی صاحب اور کچھ دوسرے بڑے عہدے داران تھے ... نواب صاحب کو اطلاع دی گئی کہ آئی جی صاحب آئے ہیں ... وہ حیرت زدہ سے باہر نکل آئے ... پھر سب لوگ ڈرائنگ روم میں آگئے ... اس وقت انسپکٹر جمشید نے کہا۔

''آپ اپنے گھر کے افراد کو یہیں بلا لیں۔''

''اچھی بات ہے ... لیکن یہ سب کیا ہے۔''

''ابھی بتاتا ہوں۔'' انہوں نے مسکرا کر کہا۔

نواب صاحب اپنے بیٹے، بیٹی اور بیگم کو بھی وہیں لے آئے۔''

اب انسپکٹر جمشید نے اپنے ساتھیوں کو بھی بلا لیا... اس وقت تک
سب حیرت زدہ سے نظر آ رہے تھے... سب کے آجانے کے بعد انسپکٹر
جمشید نے کہا۔

''آپ لوگ حیران تو ہیں اور پریشان بھی ہیں... خیر... میں
وضاحت کیے دیتا ہوں... آپ سب کو اچھی طرح معلوم ہے کہ یہ کیس
کہاں سے شروع ہوا تھا... پروفیسر داؤد صاحب کی تجربہ گاہ سے...
ایک روبوٹ کے آجانے سے اس کیس کی ابتداء ہوئی تھی... یہ اپنی
تجربہ گاہ سے نکل کر ہمارے پاس آگئے تھے... کیونکہ انہوں نے
خطرے کو بھانپ لیا تھا... پھر ہمیں یہ دھمکی ملی... کہ آپ لوگ آخر
ریاست نواب تو آئیں گے ہی... وہاں آپ کو دیکھ لیا جائے گا...
گویا یہ ایک طرح کی دھمکی تھی... ہمیں نواب صاحب کی سالانہ تقریب
میں آنا تھا... یہ ہر سال اپنے دوستوں کو دعوت دیتے ہیں... ہم پہلے
بھی ان کی اس سالانہ دعوت میں شرکت کر چکے ہیں... خان رحمان اور
پروفیسر داؤد بھی ان کے دوستوں میں شامل ہیں... ہم وہاں سے روانہ
ہوئے تو راستے میں اولوں کے طوفان نے ہمیں گھیر لیا... اس لیے وہ
رات ہمیں ایک پہاڑی مکان میں گزارنا پڑی... مکان کچھ غریب
لوگوں کا ہے... تفریح کے لیے جانے والے لوگوں میں سے کچھ رات

کو وہاں ٹھہر جاتے ہیں... وہ ان سے ٹھہرنے کی اور کھانے کی کچھ فیس
لے لیتے ہیں... اس طرح بے چارے اپنا گزارہ کرتے ہیں... ہم
نے بھی وہاں رات گزاری اور بہترین کھانے کے بہت ہی کم پیسے سن کر
حیرت زدہ ہوئے بغیر نہ رہ سکے... حیرت ظاہر کی تو بے چارے رزی
نے بتایا کہ بعض لوگ تو ان کے اتنے کم پیسے بھی مار جاتے ہیں...
ایسے ایک شخص کا نام انہوں نے فرجی دادا بتایا... جو آگے کسی قصبہ بیرو
میں رہتا ہے... ہم انہیں کافی پیسے دے کر آگے بڑھے... سوچا قصبہ
بیرو سے ہو کر چلتے ہیں... تاکہ فرجی دادا کو بھی سبق سکھایا جا سکے...
ویسے ہم خود وہاں نہ جاتے تو بھی فرجی دادا ہمیں ضرور روکتا... ان
لوگوں نے تو پہلے ہی ہم سے مقابلے کی ٹھانی ہوئی تھی... پروفیسر
صاحب کی تجربہ گاہ میں روبوٹ کی جھلکی دکھانے کی وجہ یہی تھی... یہ ہم
سے چھیڑ چھاڑ کرنے اور ہمیں بری طرح نیچا دکھانے کے موڈ میں تھے
اور غالباً یہ خواہش ان کے بیرونی ساتھی شک کی تھی... جسے اس کیس
کے سلسلے میں خاص طور پر مقرر کیا گیا تھا... میرا مطلب ہے، اس
پورے کیس کا انچارج مسٹر شک تھا... وہ چاہتا تو چپ چاپ اپنا کام
کر کے چلا جاتا اور ہم لوگوں کو کانوں کان خبر نہ ہوتی کہ ملک میں وہ
کیا کام کر گیا ہے... ہمیں تو اس کے بارے میں معلوم بھی نہ ہوتا...

لیکن ... شنگ چاہتا تھا ... ہم سے باقاعدہ دو دو ہاتھ کیے جائیں ...
ہمیں قدم قدم پر شکست دی جائے ...اور ساتھ میں اپنا کام بھی کر
جائے ... اس طرح مسٹر شنگ نے باقاعدہ ایک منصوبہ بنایا ... منصوبے
کے تمام اقدامات تک مقرر کیے ... اور کس کس مقام پر کیا کیا جانا تھا
... اس کے بعد اپنا کام شروع کیا اور کام کی ابتدا روبوٹ سے کی ...
روبوٹ کو بحری جہاز سے لایا گیا تھا ... ایک جزیرے کو ہیڈ کوارٹر بنایا
گیا ... شاید وہ جزیرہ پہلے سے ان لوگوں کا ہیڈ کوارٹر ہے ... خیر ہم
رزی کے گھر سے قصبہ ہیرو آئے تو ہمیں خوفناک حالات کا سامنا کرنا
پڑا ... خونخوار کتوں سے مقابلہ کرنا پڑا ... خیر ... وہاں سے ہم ریاست
پہنچے ہی تھے کہ واپس قصبہ ہیرو جانا پڑ گیا ... میں نے بچوں کو اور
پروفیسر صاحب کو یہاں چھوڑا اور خان رحمان کے ساتھ قصبے کا رخ کیا
... وہاں پہلے کی نسبت زیادہ خوفناک حالات کا سامنا کرنا پڑا ...
روبوٹ سے جنگ ہوئی ... لیکن آخر ہم روبوٹ کے قابو میں آگئے ...
ادھر دوسری پارٹی شنگ کے قابو میں آگئی ... اس طرح ہمیں ایک
جزیرے میں گویا قید کر دیا گیا ... وہاں بھی ہم پر روبوٹ کو بھی مسلط کیا
گیا ... لیکن ہم نے آگ کا حربہ اختیار کر کے اسے بھاگنے پر مجبور کر دیا
... روبوٹ جزیرے سے بھاگ تو سکتا تھا ... پانی میں نہیں اتر سکتا تھا

... لیکن اس کے باوجود وہ جزیرے پر نہیں تھا ... اور اس کا صاف
مطلب یہ تھا کہ جو لانچ ہمیں جزیرے تک لائی تھی ... اس پر اسے سوار
کر کے وہاں سے لے جایا گیا ... کیونکہ آگ کے مقابلے میں روبوٹ
کے بیکار ہونے کا خوف تھا ... اب انھیں اس کی یہ خامی دور کرنا تھی ...
شاید اس لیے بھی غائب کیا گیا تھا، اس جزیرے سے بھی ہم کس طرح
اپنے ملک کی بندرگاہ تک پہنچے ... یہ ایک لمبی کہانی ہے ... جو آپ تک
اخبارات کے ذریعے پہنچ چکی ہو گی ... واپس آ کر ہم نے قصبہ ہیرو کو
مکمل طور پر صاف کیا اور یہاں آگئے ... شنگ سے رابطہ بھی پہلے ہی کر
چکے تھے ... یہاں نواب صاحب کے بیٹے آ چکے تھے ... نواب اور ان
کی بیگم صاحبہ اور بیٹی کو رہا کرنے کے شنگ نے دس کروڑ ڈالر طلب
کیے ... جو اسے ادا کر دیے گئے ... اس طرح یہ حضرات بھی ادھر پہنچ
گئے ... ہم نے ان حضرات سے ملاقات کی ... کیس ختم ہونے اور
انھیں واپس ان کی ریاست کے ملنے کی مبارک باد دی اور واپس روانہ
ہوئے ... اس وقت مجھے ایک خیال آیا ... ہم نے ڈرائنگ روم میں
پہلے دن ہی چھوٹے نواب کی تصویر دیکھی تھی ... اب ہم نے انھیں دیکھا
... تصویر میں اور ان میں کوئی فرق نہیں تھا ... یوں بھی ہماری ان سے
پہلے بھی ملاقات نہیں ہوئی تھی ... سالانہ دعوت پر بھی یہ ہمیں کبھی نہیں

ملے تھے ... اس لیے ہم کوئی بات محسوس نہیں کر سکے ... لیکن واپسی پر جب میں نے غور کیا تو سوچنے لگا ... اس ساری مہم جوئی کا فائدہ کیا ہوا... شک اتنا بڑا منصوبہ جو بنا کر لایا تھا، کیا وہ صرف دس لاکھ ڈالر کا منصوبہ تھا ... اتنے بڑے اور بین الاقوامی ایجنٹ اتنی رقموں کے لیے اتنے بڑے منصوبے ترتیب نہیں دیتے ... اور منصوبہ ان کا کیا تھا ریاست پر قبضہ کرنے کا ... یہاں یہ سوال بھی ذہن میں ابھرا ... کیا ہم لوگ ریاست پر قبضہ برداشت کر لیتے ... معاملہ جوں کا توں رہنے دیتے ... جواب ملا، ہرگز نہیں ... تب پھر اس ساری بھاگ دوڑ کا کیا فائدہ ہوا ... اس وقت ذہن میں ایک بات آئی ... انہیں تو فائدہ اس صورت میں ہو سکتا تھا جب کسی کو کانوں کان پتا بھی نہ چلتا اور ریاست ان کے قبضے میں آجاتی ... یعنی اس طرح کہ ہمارے خیال میں یہاں حکومت ہماری ہی ہوتی لیکن اصل میں ریاست پر دشمن ملک کا قبضہ رہتا ... اور اس قبضے کے ذریعے وہ تمام تر فائدہ اٹھاتا جو اس ریاست کے ذریعے اٹھا سکتا تھا ... اس ریاست کو اللہ تعالیٰ نے معدنیات کے ایسے خزانوں سے نوازا ہے کہ آپ سوچ بھی نہیں سکتے لیکن ہمارے دشمن ملک کو ان معدنیات کے بارے میں سب کچھ معلوم ہے... یہ تھا اصل منصوبہ ... اور یہ اسی صورت میں ممکن تھا ... جب ریاست میں نواب صاحب کے بجائے ان کے بیٹے کے ہاتھ میں تمام اختیارات آجاتے۔''

''لیکن کیوں جمشید ... بیٹے کے ہاتھ میں آجانے سے دشمن ملک کیسے فائدہ اٹھا سکتا تھا ... ظاہر ہے ... یہ بھی نواب صاحب کے بیٹے ہیں۔''

''بس یہی ہے وہ نقطہ ... جس پر سارا منصوبہ گھوم رہا ہے۔''

انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

''کیا مطلب؟'' ان سب کے منہ سے مارے حیرت کے نکلا۔

☆☆☆☆☆

تبادلہ

ان سب کی نظریں انسپکٹر جمشید پر جم گئیں ... جب کہ انسپکٹر جمشید ان کی طرف نہیں دیکھ رہے تھے ... ان کی نظریں صرف ایک چہرے پر جمی تھیں ... ایسے میں ان کی آواز پھر سنائی دینے لگی ...

"چھوٹے نواب بہت سالوں سے انٹارجہ میں ہیں ... وہیں تعلیم حاصل کر رہے ہیں ... انٹارجہ کے لیے ان کی ہو بہو نقل تیار کر لینا ذرا بھی مشکل کام نہیں تھا... یہاں تک کہ ان کے دستخطوں کی نقل ... بالکل کامیاب نقل کرنے کی کوشش کرا دینا بھی ذرا مشکل نہیں تھا ... اور ایسا کیا گیا۔"

"کیا مطلب ؟" اب تو وہ سب اچھل پڑے ... مارے حیرت اور خوف کے ان سب کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔

"نن نہیں۔" نواب صاحب کے منہ سے نکلا۔

"یہ ہو چکا ہے... نقل تیار کرنے والوں نے اپنا کام انتہائی

مہارت سے کیا ہے... یہاں تک کہ آپ بھی اصل اور نقل میں تمیز نہیں کر سکے ... آپ کے سامنے آپ کے بیٹے نہیں ... ایک غیر ملکی نوجوان ہیں ... جو اردو بولنے میں بھی ماہر ہیں ... اور یہاں کی معاشرت سے بھی بہت اچھی طرح واقف ہیں۔"

"اُف میرے مالک ... یہ ... یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔" نواب صاحب چلا اٹھے ...

"آپ اس تصویر کو دیکھیں اور نقلی نواب کو دیکھیں ... ابھی معلوم ہو جاتا ہے۔"

اب تو وہ باری باری تصویر اور چھوٹے نواب کو دیکھنے لگے ... کئی منٹ تک غور کرنے کے باوجود انھیں کوئی فرق نظر نہ آیا ... آخر نواب صاحب نے کہا۔

"کوئی فرق نظر نہیں آرہا ... آپ ہی وضاحت کریں ... یا پھر آپ سے یہ اندازہ لگانے میں غلطی ہوئی ہے۔"

"آپ اس تصویر کو دیکھیں ... یہ تصویر تو آپ کے بیٹے کی ہی ہے۔"

"ہاں ! یہ تو میں نے خود تیار کرائی تھی۔"

"بس ٹھیک ہے ... تصویر میں دائیں آنکھ بائیں آنکھ سے بہت

معمولی سی چھوٹی ہے... کیا آپ کے بیٹے میں یہ بات ہے۔''

''اوہ... اوہ... بالکل یہ بات ہے۔''

''تب پھر آپ اس نوجوان کو دیکھیں... اس کی دونوں آنکھیں بالکل برابر ہیں...''

''اف میرے مالک...'' نواب صاحب کے منہ سے نکلا۔

''منصوبہ بنانے والوں کو یہ بات معلوم تو تھی کہ اصل نواب کی دائیں آنکھ بائیں آنکھوں سے قدرے چھوٹی ہے... لیکن وہ اس کا کوئی حل تلاش نہیں کر سکے... انہوں نے آپ کے بیٹے جیسی قد وقامت اور شکل صورت جیسے نوجوان کو تلاش کر لیا... اور پلاسٹک سرجری کے ذریعے حلیہ بھی بالکل ان جیسا بنا لیا... لیکن آنکھ کے فرق کو دور نہ کر سکے... تب انہوں نے سوچا... اتنے باریک سے فرق کو کون محسوس کر سکے گا... لہذا انہوں نے پروا نہ کی... اب انہیں کیا معلوم تھا... ان کی یہ ذرا سی لاپروائی... ان کے منصوبے کو ناکام کر دے گی... مسٹر نقلی نواب... کیا آپ اپنی صفائی میں کچھ کہہ سکتے ہیں... اگر کہہ سکتے ہیں تو ہم سننے کے لیے تیار ہیں...'' یہاں تک کہہ کر وہ خاموش ہو گئے... اب سب کی نظریں اس نوجوان پر جم گئیں... آخر اس کے ہونٹ ہلے۔

''آپ کا اندازہ درست ہے... آپ واقعی بہت ذہین ہیں...

ہمارا یہ منصوبہ واقعی ناکام ہو گیا... لیکن مجھے افسوس ہے۔''

''افسوس... کیسا افسوس۔'' انسپکٹر جمشید نے حیران ہو کر کہا۔

''آپ لوگ مجھے سزا نہیں دے سکیں گے اور یہی مسٹر شک کے منصوبے کی خوبی ہے... اس میں شک نہیں کہ وہ بہترین منصوبہ ساز ہیں۔''

''میں سمجھ گیا... تم کیا کہنا چاہتے ہو... ہمیں اس بات کی کوئی پروا نہیں... کہ ہم تمہیں جیل میں نہیں رکھ سکیں گے۔''

''یہ کیا کہنا چاہتا ہے... ہم اسے کیوں جیل میں نہیں رکھ سکیں گے۔'' آئی جی صاحب نے برا سا منہ بناتے ہوئے کہا۔

''اس کے بدلے میں ہمیں نواب صاحب کے اصلی بیٹے کو جو حاصل کرنا پڑے گا۔'' وہ مسکرائے۔

''اوہ... اوہ۔''

''لیکن آپ فکر نہ کریں... ان کا آمنا سامنا پھر ہوگا اور بہت جلد ہوگا۔''

''مجھے اس دن کا انتظار رہے گا۔''

''اور نوجوان... تمہارا نام کیا ہے۔''

''میں ہوں... چھوٹا شک... آپ مجھے ان کا بیٹا کہہ لیں۔''

''صرف کہہ لیں ... یا تم ہو بھی شنگ کے بیٹے۔''

''میں ان کا بالکل اصلی بیٹا ہوں۔'' وہ چلایا۔

''اوہ۔'' وہ سب پکار اٹھے۔

دوسرے دن نواب صاحب کا اصلی بیٹا ادھر پہنچ گیا ... اس کے بدلے میں شنگ کے بیٹے کو واپس بھیج دیا گیا ... ایک دن اور وہاں رک کر انہوں نے واپسی کا سفر اختیار کیا ... خان رحمان گاڑی چلا رہے تھے ... پہلے وہ قصبہ بیرو کے پاس سے گزرے ... وہ اس کی طرف دیکھتے رہے ... وہاں گزرے واقعات ان کی آنکھوں سامنے لگے ... ان کا سفر جاری رہا ... اچانک انسپکٹر جمشید نے کہا۔

''رکو ... رکو ... خان۔''

انہوں نے چونک کر گاڑی روک دی۔

''کیا ہوا جمشید۔''

''وہ دیکھو ... دائیں طرف پتھروں والا مکان ... یہاں ایک نوجوان رزی رہتا ہے ... اس جگہ کا کھانا بھی بہت مزے کا ہے ... کھانا ہے بھی بہت سستا ... لیکن ہم اسے بھاری قیمت دے کر خریدیں گے ... کیا خیال ہے۔''

''بہت ہی زبردست خیال ہے ...'' سب نے ایک ساتھ کہا۔

خان رحمان نے گاڑی پتھروں کے مکان کی طرف موڑ دی ... انہوں نے دیکھا ... رزی پرجوش انداز میں ہاتھ ہلاتا ان کی طرف دوڑا آ رہا تھا ...

.......☆.......☆.......☆.......

آئندہ ناول کی ایک جھلک

سازِش کا تیر

اشتیاق احمد

- ☆ ایک کھلونا بھالو جو انسپکٹر جمشید اور خان نسیم خان کے گھر کے ڈرائنگ روم میں موجود تھا۔
- ☆ وہ بھالو ڈرائنگ روم میں کہاں سے آیا... کسی کو کچھ معلوم نہیں تھا... خان نسیم خان کون تھے اور بھالو ان کے ڈرائنگ روم میں کیوں تھا۔
- ☆ جنرل نصیر نے ملک میں مارشل لاء لگا دیا، کیوں؟
- ☆ خفیہ ایجنسیاں انسپکٹر جمشید اور انسپکٹر کامران مرزا کی تلاش میں۔
- ☆ انسپکٹر جمشید نے میلوں کے فاصلے سے شوکی سے بات کی... بغیر ٹیلیفون اور بغیر موبائل... کیسے ممکن ہوا یہ؟
- ☆ انسپکٹر جلالی نور کی شوکی برادرز پر نظر... کیا انسپکٹر جلالی نور کی شوکی کو حوالات کی ہوا کھلانے کی خواہش پوری ہوئی۔
- ☆ انسپکٹر جمشید نے شوکی کو اپنے ساتھ کیسے شامل کیا۔

آئندہ ناول کی ایک جھلک

- ☆ نقلی شوکی برادرز کون تھے؟
- ☆ وہ لمحہ جب ملک کے صدر کو جیل میں بند کر دیا گیا۔
- ☆ سازش کا تیر جو کہ بہت چالاکی سے پھینکا گیا؟
- ☆ کیا سازش کامیاب ہوئی۔
- ☆ کیا انسپکٹر جمشید، انسپکٹر کامران مرزا اور شوکی برادرز مل کر اس سازش سے نکلنے میں کامیاب ہوئے۔
- ☆ کیا ملک میں جمہوریت دوبارہ بحال ہوئی یا... ایک بار پھر... ملک مارشل لاء کی لعنت کا شکار ہو گیا۔

Mahmood, Farooq, Farzana and Inspector Jamshed Series

Robot ki Laash روبوٹ کی لاش

Professor Dawood ki ankhen maare khauf ke phael gyeen ... unhen cheez hi aisi nazr ayi ... aur phir wo apni tajruba gah se bhaag nikle ...

Un ka safar shru hua to un ko baraf ke olon ke zabardast toofan ne aa lya ... pathar ke us makaan me un ke saath kya hua ... ?

Farji Dada se milye ... Inspector Jamshed zindagi ki aik aur khaufnak jung larte hen ...

Qasba Beru me kia ho raha tha ... halaat hur lamhe khaufnak ter ... Ryasat Nawab ki saer keejye ... Ryasat Nawab me aap ki mulaqat aik bilkul nye aur khaufnak mujrim se ho rahi hai ...

Novel parh ker hi aap jaan pyen ge ke mujrim kis paye ka tha ...

Title Design - Asha Farooq

A-36 ایسٹرن اسٹوڈیوز کمپاؤنڈ، B-16 سائٹ، کراچی
0300-2472238, 32578273, 34268800
e-mail: atlantis@cyber.net.pk
www.inspector-jamshed-series.com